

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

محمد ﷺ
کی

دُررِ اَدَاةِ اُمَمِ

.... تالیف

عبد مولانا القیوم حقانی

القاسم اکیڈمی • جامعہ الہسیرہ

خالق آباد • ضلع نوشہرہ • سرحد - پاکستان

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

محبوب خدا
صنی بدار
محبوب خدا
صنی بدار

دُرُودِ اَوْلِيَاءِ اَكْبَامِ

... تالیف ...

عبد مولانا القیوم حقانی



احسان امین دکن • جامعہ اسلامیہ
بمبئی • ضلع نوشہرہ • سرحد پاکستان

Marfat.com

Marfat.com

محبوبِ خدا ﷺ

کی دلرُ باادائیں

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

مولانا عبدالقیوم حقانی

حضور اقدس ﷺ کا خوشبو کا استعمال، سرپائے معطر سے خوشبو کی مہک و عطر بیزیاں، امت کے لئے دستور العمل، پسینہ مبارک عمدہ ترین خوشبو، گفتگو، اندازِ بیان اور طرزِ تقریر، شیرینیِ گفتار، بشاشت و تبسم، سرگیں آنکھیں، خندہ روئی و خوش طبعی، دل لگی، لطائف و ظرائف، مزاجِ نبوت یا علوم و معارف کا گنجینہ، ذوقِ شعر و ادب، محبوبِ مصرعے، پسندیدہ اشعار، رات کی قصہ گوئی، حدیثِ خرافہ، حدیثِ اُمّ زرع، گیارہ خواتین کی دلچسپ توصیفِ ازواج کی حیرت انگیز داستان شامل ترمذی کے (۳۶) احادیث کی عالمانہ، فاضلانہ اور محققانہ تشریح و توضیح

القاسم اکیڈمی

جامعہ ابوہریرہ خالق آباد برانچ پوسٹ آفس خالق آباد ضلع نوشہرہ

فون و فیکس ! 0923(630237)630094

جملہ حقوق بحق ”القاسم اکیڈمی“ محفوظ ہیں

نام	:	محبوب خدا ﷺ کی دربار ادا میں
تصنیف	:	عبدالقیوم حقانی
ضخامت	:	197 صفحات
پروف ریڈنگ	:	استاذ العلماء مولانا محمد زمان صاحب مدظلہ
کمپوزنگ	:	مولوی گل رحمن رکن القاسم اکیڈمی
تاریخ اشاعت	:	رجب ۱۴۲۶ھ / اگست 2005ء
تعداد بار اول	:	1100
قیمت	:	روپے
ناشر	:	القاسم اکیڈمی جامعہ ابوہریرہ خالق آباد نوشہرہ

ملنے کے پتے

=====

- صدیقی ٹرسٹ صدیقی ہاؤس المنظر پارٹمنٹس ۴۵۸ گارڈن ایسٹ نزد سبیلہ چوک کراچی ۷۴۸۰۰
- مولانا سید محمد حقانی مدرس جامعہ ابوہریرہ خالق آباد نوشہرہ
- کتب خانہ رشیدیہ مدینہ کلاتھ مارکیٹ راجہ بازار راولپنڈی
- زمزم پبلشرز نزد مقدس مسجد اردو بازار کراچی
- مولانا خلیل الرحمن راشدی، جامعہ ابوہریرہ چنوں موم سیالکوٹ
- مکتبہ سید احمد شہید ۱۰ الکریم مارکیٹ اردو بازار لاہور
- اس کے علاوہ اکوڑہ خٹک اور پشاور کے ہر کتب خانہ میں یہ کتاب دستیاب ہے

تعارف

شرح شمائلِ ترمذی بڑی سائز کی تین جلدوں 1608 صفحات میں تکمیل پذیر ہوئی جو حدیث کے اساتذہ اور طلبہ دورہ حدیث کے علاوہ عامۃ المسلمین کے لئے بھی بے حد نافع ہے جس میں حدیث کی جلیل القدر کتاب شمائلِ ترمذی کی سہل و دلنشین تشریح، سلجھی ہوئی سلیس تحریر، اکابر علماء دیوبند کے طرز پر تفصیلی درسی شرح، لغوی تحقیق اور مستند حوالہ جات، متعلقہ موضوع پر ٹھوس دلائل و تفصیل، رواۃ حدیث کا مستند تذکرہ، متنازعہ مسائل پر تحقیق اور قولِ فیصل، معرکہ آراء مباحث پر جامع کلام، علماء دیوبند کے مسلک و مزاج کے عین مطابق، جمال محمد ﷺ کا محدثانہ منظر، نہایت تحقیقی تعلیقات اور اضافے، اردو زبان میں پہلی بار منصفہ شہود پر آئے ہیں۔ مگر اس کے ضخیم و عظیم ہونے اور کثیر مصارف کے پیش نظر ہر ایک کی قوت خرید سے باہر ہونے کے سبب سب کے لئے اس کے حصول کی استطاعت اور دسترس ممکن نہ تھی اس لئے شرح شمائلِ ترمذی کو علیحدہ علیحدہ مستقل عنوان سے مختلف چھوٹے چھوٹے اجزاء میں بھی علیحدہ علیحدہ کتابی صورت میں شائع کیا جا رہا ہے۔ غالب خیال یہ ہے۔ یہ سلسلہ اشاعت آٹھ اجزاء پر تکمیل پذیر ہوگا۔ مقصد یہی ہے کہ شمائل و خصائلِ نبوی کا کوئی نہ کوئی حصہ ہر مسلمان کی دسترس میں ہو، ہر گھر میں پہنچے، پیغام عام ہو اور مشن تام ہو۔

البتہ شمائلِ ترمذی کے رواۃ کا تذکرہ جو بڑی سائز میں شرح شمائلِ ترمذی کے ساتھ تیسری جلد کی صورت میں چھپ چکا ہے وہ علیحدہ بھی کتابی صورت میں اسی سائز میں چھاپ دیا جائے گا کہ مستفیدینِ طلبہ حدیث اور فنِ رجال سے شغف رکھنے والے احباب کو اسے علیحدہ مستقل کتابی صورت میں حاصل کرنا آسان ہو چھوٹی سائز کے اب تک شائع شدہ اجزاء کا تعارف درج ذیل ہے۔

(۱) ”جمال محمد ﷺ کا دلربا منظر“

جس میں محبوبِ دو عالم کا جلوہ جہاں آراء، چہرہ انور، جسم اطہر، تمام اعضاء و اندام کے تناسب و اعتدال، موزونیت، حسن و جمال، نورانیت اور اعجاز و کمال کا ایمان افروز تذکرہ شمائلِ ترمذی کی (۲۲) احادیث کی تشریح و توضیح کی روشنی میں جمال محمد ﷺ کا حسین و دلربا منظر بیان کیا گیا ہے۔

(۲) ”روئے زیبا ﷺ کی تابانیاں“

جس میں محبوبِ دو عالم ﷺ کی زلفیں، اقسام و احکام، مانگ، تیل، کنگھی، سرے، لباسِ مسنون و اعتدال، لباسِ فقر و فاخرہ میں فرق، گذرانِ اوقات، مجموعہ فقر و غنا اور روئے زیبا کے موضوع پر شمائلِ ترمذی کے اڑتالیس (۳۸) احادیث کی مفصل توضیح و تشریح کر دی گئی ہے۔

(۳) ”ماہتابِ نبوت ﷺ کی ضوافشانیاں“

جس میں حضور اقدس ﷺ کے موزے، جوتے، انگوٹھی، تلواریں، زرہ خود، عمامہ و دستار، تہبند و ازار، قناع، نشست تکیہ و سہارا اور رفتار اور مختلف محبت بھری اداؤں پر مشتمل ۶۰ احادیث کی عالمانہ محققانہ تشریح و توضیح، دلفریب اور عشقِ رسول سے لبریز تحریر۔

(۴) ”آفتابِ نبوت ﷺ کی ضیاءِ پاشیاں“

جس میں حضور اقدس ﷺ کے پسندیدہ کھانے، محبوب غذا، سالن و روٹی، پسندیدہ پھل، مرغوب مشروبات، کھانے پینے کے مسنون طریقے و آداب، دسترخوان، پیالے، روٹی، ضیافت و مہمان نوازی، بعض معجزات، کھانے سے قبل اور بعد ہاتھ دھونے، آغاز میں بسملہ اور اختتام میں دعا اور کلماتِ طہیات پر مشتمل شمائلِ ترمذی کے (۱۷۷) احادیث کی سلیس، جامع اور دلنشین تشریح و توضیح

(۵) ”محبوبِ خدا ﷺ کی دلربا ادائیں“

جس میں حضور اقدس ﷺ کا خوشبو کا استعمال، سراپائے معطر سے خوشبو کی مہک و عطر بیزیاں، امت کے لئے دستور العمل، پسینہ مبارک عمدہ ترین خوشبو، گفتگو، اندازِ بیان اور طرزِ تقریر، شیرینی گفتار، بشاشت و تبسم، سرگمیں آنکھیں، خندہ روئی و خوش طبعی، دل لگی، لطائف و ظرائف، مزاحِ نبوت یا علوم و معارف کا گنجینہ، ذوق شعر و ادب، محبوب مصرعے، پسندیدہ اشعار، رات کی قصہ گوئی، حدیثِ خرافہ، حدیثِ ائم زرع، گیارہ خواتین کی دلچسپ توصیف ازواج کی حیرت انگیز داستان شمائلِ ترمذی کے (۳۶) احادیث کی عالمانہ، فاضلانہ اور محققانہ تشریح و توضیح۔



فہرستِ مضامین

محبوبِ خدا ﷺ کی دلربا ادائیں

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۲۱	خوشبو کب لگانی چاہئے	۳	تعارف
۲۲	لفظِ سکتہ کے معانی	۱۳	مقدمہ
۲۳	مضمونِ حدیث		
۲۳	سراپا خوشبو یا جسمِ معطر	۱۹	باب ماجاء فی تعطر رسول اللہ ﷺ
۲۳	جہیز میں پسینہ رسول کی خوشبو		باب حضور اقدس ﷺ کے خوشبو
۲۴	دستِ مبارک کے خوشبو کی عطر بیزیاں		استعمال کرنے کے بیان میں
۲۶	بعض الفاظِ حدیث کی تشریح		
۲۷	مضمونِ حدیث کی تشریح		
۲۸	مرد اور خواتین کیلئے خوشبو کا استعمال	۱۹	خلاصہ باب
۲۹	مسلمان خواتین کی غفلت و جہالت	۱۹	جسمِ اقدس کے خوشبو کی مہک
۳۰	سند کی بحث	۲۰	آپ جس راستے سے گزرتے وہ مہک اٹھتا
۳۱	لفظِ ”ریحان“ کی تشریح	۲۰	آپ کا پسینہ عمدہ ترین خوشبو
۳۱	جنت البقیع کا ایک واقعہ	۲۱	استعمالِ خوشبو امت کیلئے دستور العمل

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
	رسول اللہ ﷺ	۳۳	حکیم ابراہیم کا سانحہ ارتحال ---
۴۳	باب حضور اقدس ﷺ کی گفتگو	۳۳	مکتوبات قدسیہ ---
		۳۳	جنت البقیع میں بچھو کا مسئلہ ---
	لفظ "کلام" کی بحث ---	۳۴	خاکِ شرب میں دفن ہونے کی آرزو ---
۴۳	شیرینی گفتار ---	۳۵	حضرت نانوتوی کی تمنا ---
۴۴	حافظ ابن حجر کا ارشاد ---	۳۶	خاکِ مدینہ ---
۴۵	حضور اقدس کا تین مرتبہ کلام دہرانا۔	۳۶	اصلاح کتاب ---
۴۶	تکرار کلام کیوں؟ ---	۳۶	بنیادی عقائد کے انکار کا وبال ---
۴۸	مبلغ، واعظ اور مدرس کیلئے ہدایت۔	۳۷	جواری رسول ﷺ کی برکتیں ---
۵۰	"وصافا" کی مراد ---	۳۷	قصیدہ بردہ کے اشعار ---
۵۰	ذکر حبیب کم نہیں وصلِ حبیب سے	۳۸	خوشبو تحفہ رحمت ہے ---
۵۱	متواصل الاحزان ---	۳۹	ترجمہ الباب سے مناسبت ---
۵۱	ایک تعارض کا جواب ---	۴۰	حضرت جریرؓ کا معائنہ ---
۵۲	دائم الفکرہ ---	۴۱	حضرت جریرؓ کی خوبصورتی ---
۵۳	لیست له راحة ---	۴۱	جمالِ محمد ﷺ اور حُسنِ یوسفؑ ---
۵۳	طویل السکت ---		
۵۴	حسبِ ضرورت گفتگو ---	۴۳	باب کیف کان کلام
۵۴	آغاز و اختتام کلام کی کیفیت ---		

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۶۶	غالب اوقات، تبسم آپ کا معمول تھا	۵۵	و يتكلم بجوامع الكلم ----
۶۷	سرگین آنکھیں ----	۵۷	گفتگو مبارک ----
۶۸	متواصل الاحزان سے تعارض اور جواب	۵۸	اجتاب اور اعداء کے ساتھ معاملہ --
۶۹	حصہ اضافی ----	۵۸	عظمت مقام و رفعت شان ----
۷۰	دائمی تفکر و حزن اور ہمیشہ مسکراہٹ کی تطبیق	۵۹	تعظیمِ نعمت ----
۷۲	حضور سب سے پہلے جنت میں داخل ہوں گے	۶۰	دنیا اور امور دنیا سے تعلق کی نوعیت -
۷۲	حدیث میں ذکر کس کا ہے؟ ----	۶۱	حضور اقدس کا غصہ حق کیلئے ہوتا تھا
۷۳	ما اراہہنا کی تشریح ----	۶۱	جب اشارہ فرماتے ----
۷۳	قسم کیوں لی گئی ----	۶۱	جب غصہ ہوتے ----
۷۳	روایاتِ ضحک و تبسم کا حاصل ----	۶۲	جب خوش ہوتے ----
۷۴	ذکر نواجذ کا ہے مراد صواحد ہیں -	۶۲	آپ ﷺ کا تبسم ----
۷۵	بارگاہ نبوت میں حضرت جریرؓ کا مقام	۶۳	ظہور نواجذ اور تبسم میں تعارض کا جواب
۷۶	ضحک بمعنی تبسم ----		
۷۶	حضور ﷺ کا تبسم و خندہ روئی --		
۷۸	بعض الفاظ حدیث کی تشریح ----		
۷۸	ضحک کا معنی ----	۶۵	باب ماجاء فی ضحک رسول اللہ
۷۹	آخری جنتی سے باری تعالیٰ کا خطاب		باب حضور اقدس ﷺ کے ہنسنے میں
۷۹	آخری جنتی کی تمنا ----		
۸۰	ادنیٰ جنتی کا اعلیٰ مقام ----	۶۶	پنڈ لیاں مبارک ----

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۹۲	مزاح سے ممانعت کے وجوہ	۸۱	آخری جنتی کی حیرت و استعجاب
۹۲	حضور کیلئے مزاح ضروری ہونے کی غرض	۸۳	تمہید
۹۳	مزاح آفت نہیں سنت ہے	۸۴	بعض الفاظ حدیث کی تشریح
۹۴	یا ذالذنین کا مطلب	۸۴	لفظِ دابۃ کی تشریح
۹۴	توصیف بھی اور تعلیم بھی	۸۵	تکبیر و حمد لہ میں تثلیث کی حکمت
۹۵	بعض الفاظ حدیث کی تشریح	۸۶	تعجب بمعنی محبت و رضا کے
۹۶	استخراج مسائل	۸۶	حدیث سے ماخوذ افادات
۹۷	جوازِ مزاح پر استدلال	۸۷	نقلِ روایت
۹۷	صغیر کو کنیت سے پکارنا جائز ہے	۸۸	بعض الفاظ حدیث کی تشریح
۹۸	پرندوں کا پالنا	۸۸	قول بمعنی فعل
۹۸	حرمِ مدینہ میں شکار کا مسئلہ	۸۹	حضور اقدس ﷺ کیوں ہنسے؟
۹۹	جمع کا حکم	۹۰	خلاصۃ الباب
۹۹	تصغیر اسماء بھی مباح ہے		
۱۰۰	حضور کے مزاح پر صحابہ کا مکالمہ		باب ماجاء فی صفة مزاح
۱۰۱	بعض الفاظ حدیث کی تشریح	۹۱	رسول اللہ ﷺ
۱۰۱	سوال و جواب میں حزم و احتیاط کرنا چاہئے		باب! حضور اقدس کے مزاح
۱۰۳	بارگاہِ نبوت میں دیہاتی ہدایا		اور دل لگی میں
۱۰۴	حضور اقدس ﷺ کے ہدایا	۹۱	مزاح سنت ہے

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
	ارشادات در باب اشعار	۱۰۴	آپ ﷺ کا قولی مزاح -----
		۱۰۵	ہدیہ میں اسوۂ حسنہ -----
۱۱۳	غرض العقاد باب -----	۱۰۵	مدارِ قبولیتِ حُسنِ باطن پر ہے -----
۱۱۳	شعر و شاعری اور اس کا شرعی حکم --	۱۰۵	حضورِ اقدس ﷺ کا فعلی مزاح --
۱۱۳	شعر حضور ﷺ کے شایانِ شان نہیں	۱۰۶	تقاضائے عشق و محبت -----
۱۱۴	مذموم اشعار -----	۱۰۷	هذا العبد کی بحث -----
۱۱۴	قرآن میں شعراء کا تذکرہ -----	۱۰۷	حضرت زاہر کی انکساری -----
۱۱۴	اچھے اشعار -----	۱۰۸	مزاح نبوت، علوم و معارف کا گنجینہ -
۱۱۵	آپ اچھے اشعار شوق سے سنتے تھے	۱۰۹	غیر اللہ میں اشتغال، خواہشات کی بندگی ہے
۱۱۶	حضورِ اقدس کا ایک محبوب مصرعہ -	۱۱۱	لفظ ”عجوز“ کی تشریح -----
۱۱۶	ایک پسند فرمودہ مصرعہ کے دو معانی	--	مسلمان مرد اور خواتین، جوان ہو کر
۱۱۷	شعر میں تقدیم تاخیر کا مقصد -----	۱۱۲	جنت میں داخل ہوں گے -----
۱۱۷	حضرت در خواستی کی ایک ادا ---		
۱۱۸	حضرت لبیدؓ -----		
۱۱۹	حضرت لبیدؓ کا ایک شعر جو حضور کو پسند تھا	۱۱۳	باب ماجاء فی صفة کلام رسول اللہ ﷺ فی الشعر
۱۲۰	امیۃ بن ابی الصلت -----		
۱۲۱	خلعتِ خون کی سعادت -----		
۱۲۱	ایک اشکال سے جواب -----		باب! حضورِ اقدس ﷺ کے

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۱۲۰	بعض الفاظ حدیث کی تشریح	۱۲۲	شعر کا پس منظر
۱۲۱	نعتِ حسان کے لئے حضور کا اہتمام	۱۲۳	بعض الفاظ حدیث کی تشریح
۱۲۱	بنو تمیم کے وفد سے شعر و خطابت میں مقابلہ	۱۲۴	شعر موزون کر نیکے اشکال سے جواب
۱۲۲	تلوار کی طرح زبان سے بھی جہاد ضروری ہے	۱۲۴	مفاخرت نسبی کا شرعی حکم
۱۲۳	حضرت حسان کے بعض مشہور اشعار	۱۲۵	حدیث کی مفصل تشریح
۱۲۴	اچھے اشعار مندوب ہیں	۱۲۵	داد سے نسبت کی توجیہات
		۱۲۶	پس منظر اور تفصیلی واقعہ
		۱۲۷	ایک انتباہ
۱۲۵	باب ماجاء فی کلام رسول اللہ فی السمر	۱۳۰	شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق کا ارشاد
	باب! حضور اقدس ﷺ کا کلام	۱۳۲	بعض الفاظ حدیث کی تشریح
	رات کو قصہ گوئی کے بیان میں	۱۳۲	عرض ایراد حدیث
		۱۳۳	استخراج مسائل
۱۲۵	لفظ "سمر" کا معنی تشریح اور احکام	۱۳۳	حضرت عمرؓ نے نکیر کیوں فرمائی
۱۲۵	غرض انعقاد باب	۱۳۴	انشاد و استماع شعر کے جواز پر استدلال
۱۲۶	عربوں کے ملکات فاضلہ	۱۳۵	سو سے زائد حاضر یوں کا ایک مشاہدہ
۱۲۷	ازواجِ مطہرات کی تعلیم و تربیت کا اہتمام	۱۳۵	حضور ﷺ کی خاموشی کا راز
۱۲۷	ذات لیلۃ کی وضاحت	۱۳۶	حضور ﷺ کی محفل میں لطائف و تبسم
۱۲۸	بعض الفاظ حدیث کی تشریح	۱۳۸	اچھے اشعار حضور ﷺ کو پسند تھے
		۱۳۹	امیۃ ابی الصلت کا ایک لاجواب شعر

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۱۶۰	دو جملوں میں جمیع عیوب کا تذکرہ ۔	۱۴۸	حدیث خرافہ -----
۱۶۱	چوتھی خاتون کا بیان -----	۱۴۹	وجہ تشبیہ -----
۱۶۲	اعتدال مزاج کی ایک عمدہ تعبیر ۔۔	۱۴۹	خرافہ کون تھا -----
۱۶۳	پانچویں خاتون کا بیان -----	۱۵۰	استنباط مسائل -----
۱۶۳	فہد کا معنی و تشریح -----	۱۵۱	حدیث ام زرع ام زرع کا قصہ ۔
۱۶۴	لفظ اسد کا معنی و تشریح -----	۱۵۲	سند کے لطائف -----
۱۶۵	لفظ عہد کا معنی و تشریح -----	۱۵۲	تمہیدی گزارش -----
۱۶۶	چھٹی خاتون کا بیان -----	۱۵۳	وجہ تسمیہ -----
۱۶۶	ان اکل لف -----	۱۵۳	یہ قصہ کہاں ہوا -----
۱۶۷	وان شرب اشفت -----	۱۵۴	عہد و عقد کا معنی و تشریح -----
۱۶۸	وان اضطجع التف -----	۱۵۵	پہلی خاتون کا بیان -----
۱۶۸	ساتویں خاتون کا بیان -----	۱۵۶	لا سهل ولا سمین کا اعراب ۔۔
۱۶۹	عیایاء کا معنی -----	۱۵۷	دوسری خاتون کا بیان -----
۱۶۹	غیایاء کا معنی -----	۱۵۸	حالات کے تفصیلی بیان سے انکار کی وجہ
۱۷۰	طباقاء کے مختلف معانی -----	۱۵۸	ایک اشکال سے جواب -----
۱۷۰	مجمع الامراض -----	۱۵۹	عَجْرُ بَجْرُ کی تحقیق -----
۱۷۱	شجک کی وضاحت -----	۱۵۹	حاصل بیان -----
۱۷۱	فلک کا مطلب -----	۱۶۰	تیسری خاتون کا بیان -----

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۱۸۵	زوج اور سسرال کے عمدہ اخلاق --	۱۷۱	آٹھویں خاتون کا بیان -----
۱۸۶	اُمّ ابی زرع کے اُصول -----	۱۷۲	شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کا ارشاد -
۱۸۷	شوہر کی پہلی بیوی سے بیٹے کا ذکر -	۱۷۳	نویں خاتون کا بیان -----
۱۸۸	بنتِ ابی زرع کا وصف -----	۱۷۳	پہلی خصلت -----
۱۸۹	ابو زرع کی لوٹڈی کی صفت ---	۱۷۴	دوسری خصلت -----
۱۸۹	ابو زرع کی ایک حسین خاتون سے ملاقات	۱۷۵	تیسری خصلت -----
۱۹۰	دو لڑکے کون تھے؟ -----	۱۷۵	چوتھی خصلت -----
۱۹۰	یلعبان سے مراد کیا ہے؟ -----	۱۷۶	دسویں خاتون کا بیان -----
۱۹۱	ابو زرع نے طلاق دے دی ---	۱۷۷	کثرتِ مال کی عمدہ تعبیر -----
۱۹۱	گیارہویں خاتون نے نکاح کر لیا -	۱۷۸	کمالِ سخاوت کی عمدہ تعبیر -----
۱۹۱	زوجِ ثانی کی توصیف میں کمال --	۱۷۸	گیارہویں خاتون کا بیان -----
۱۹۲	زوجِ ثانی کی بہادری کی توصیف -	۱۸۰	قانونِ نحوی -----
۱۹۲	حُسنِ سلوک -----	۱۸۱	وجہِ تسمیہ حدیث -----
۱۹۳	جانوروں کا جوڑا جوڑا عنایت فرمایا -	۱۸۱	استفہام برائے تعظیم و تحظیم -----
۱۹۳	زوجہ کی خاندان کی کفالت کے احسانات	۱۸۲	لفظِ اناس اور حلی کا معنی و تشریح ---
۱۹۳	دونوں ازواج میں تقابل اور فوقیت ابو زرع	۱۸۲	بازوؤں کے موٹاپے کا ذکر -----
۱۹۴	فضیلتِ عائشہ و عظمتِ رسول ﷺ	۱۸۳	زوجہ کو انتہا درجہ خوش کر دیا -----
۱۹۶	اخذِ مسائل -----	۱۸۳	غریب خاندان سے اٹھا کر مالداروں میں جگہ دی
۱۹۶	کیا ذکرِ عیوب ازواجِ غیبت تھا؟ -		



مُقَدِّمَةٌ

الحمد لحضرة الجلالة والصلوة والسلام على خاتم الرسالة

عَنْ أَبِي بِنِ كَعْبٍ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنِّي أَكْثِرُ الصَّلَاةَ عَلَيْكَ فَاكُمَّ أَجْعَلْ لَكَ مِنْ صَلَاتِي فَقَالَ مَا شِئْتَ قُلْتُ الرَّبْعَ قَالَ مَا شِئْتَ فَإِنْ زِدْتَّ فَهُوَ خَيْرٌ لَكَ قُلْتُ النِّصْفَ، فَقَالَ مَا شِئْتَ فَإِنْ زِدْتَّ فَهُوَ خَيْرٌ لَكَ، قُلْتُ فَالثَّلَاثِينَ قَالَ مَا شِئْتَ فَإِنْ زِدْتَّ فَهُوَ خَيْرٌ لَكَ قُلْتُ أَجْعَلْ لَكَ صَلَاتِي كُلَّهَا قَالَ إِذَا تَكْفَى هَمُّكَ وَيُكْفِرُ لَكَ ذَنْبَكَ. (رواه الترمذی)

حضرت اُبی بن کعبؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا! میں چاہتا ہوں کہ آپ ﷺ پر درود زیادہ بھیجا کروں (یعنی اللہ تعالیٰ سے آپ پر صلوة کی استدعا زیادہ کیا کروں) آپ ﷺ مجھے بتا دیجئے کہ اپنی دعا میں سے کتنا حصہ آپ ﷺ پر صلوة کے لئے مخصوص کروں؟ (یعنی میں اپنے لئے دعا کرنے میں جو وقت صرف کیا کرتا ہوں اس میں سے کتنا آپ پر صلوة کے لئے مخصوص کر دوں)

آپ نے فرمایا: جتنا چاہو۔ میں نے عرض کیا تو پھر میں آدھا وقت اس کے لئے مخصوص کرتا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: جتنا چاہو کر دو۔ اور اگر زیادہ کرو گے تو تمہارے لئے بہتر ہی ہوگا۔ میں نے عرض کیا: تو پھر میں اس میں سے دو تہائی وقت آپ پر صلوة کے لئے مخصوص کرتا ہوں۔ آپ نے فرمایا جتنا تم چاہو کر دو، اور اگر زیادہ کر دو گے تو تمہارے لئے خیر ہی کا باعث ہوگا۔ میں نے عرض کیا: پھر تو میں اپنی دعا کا سارا

محبوب خدا ﷺ کی دلر باادائیں - -----
 ہی وقت آپ پر صلوة کے لئے مخصوص کرتا ہوں۔ آپ نے فرمایا اگر تم ایسا کرو گے تو
 تمہاری ساری فکروں اور ضرورتوں کی اللہ تعالیٰ کی طرف سے کفایت کی جائے گی (یعنی
 تمہارے سارے دینی و دنیاوی مہمات غیب سے انجام پائیں گے) اور تمہارے گناہ و قصور
 معاف کر دیئے جائیں گے۔ (جامع ترمذی)

----- 0 -----

جب بندہ اپنی طلب اور رغبت کو اللہ تعالیٰ کی پسندیدہ اور محبوب چیز میں خرچ کر دیتا
 ہے اور اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی کو اپنی خواہشات اور اپنے مطالب پر مقدم رکھتا ہے تو
 خداوند قدوس اس کے تمام امور و مہمات میں اس کا مددگار حامی ہو جاتا ہے جس کی وجہ سے
 اس کے تمام دنیوی و دینی مقاصد پورے ہو جاتے ہیں مَنْ كَانَ لِلّٰهِ كَانَ اللّٰهُ لَهُ، یعنی جو اللہ
 تعالیٰ کا ہو کر رہتا ہے اللہ تعالیٰ اس کا حامی ہو جاتا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ درود شریف کی یہ برکت و فضیلت ہے کہ جو شخص اس کا ورد
 رکھے اور اسے اپنی زندگی کا ایک ضروری جزء بنا لے تو اس کے لئے دین و دنیا دونوں جگہ
 آسانیاں اور سہولتیں فراہم ہو جاتی ہیں اور اس کے تمام مقاصد خیر پورے ہو جاتے ہیں۔
 حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ ”جب میرے شیخ بزرگوار
 حضرت عبدالوہاب متقیؒ نے مجھے مدینہ منورہ کی زیارت کے لئے رخصت فرمایا تو یہ الفاظ
 ارشاد فرمائے کہ جاؤ!

اور یاد رکھو کہ اس راہ میں ادائے فرض کے بعد کوئی عبادت آں حضرت ﷺ پر
 درود بھیجنے کے مماثل نہیں ہے لہذا (ادائے فرض کے بعد) تم اپنے اوقات کو اسی مقدس
 مشغلہ میں صرف کرنا اور کسی دوسری چیز میں مشغول نہ ہونا۔“

حضرت شیخ عبدالحقؒ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ ”اس کے لئے کوئی عدد
 مقرر فرما دیا جائے (کہ اتنی تعداد میں درود پڑھ لیا کروں)۔“

شیخ عبدالوہابؒ نے فرمایا اس سلسلہ میں کسی عدد کا تعین کرنا شرط نہیں ہے بلکہ درود
 شریف اتنی کثرت کے ساتھ پڑھنا کہ اس کے ساتھ رطب اللسان ہو جاؤ اور اسی کے

رنگ میں رنگین ہو جاؤ اور اسی میں مستغرق ہو جاؤ۔

حصن حصین کے مصنفِ علام نے مفتاح میں لکھا ہے کہ ”آں حضرت ﷺ پر درود بھیجنے کے بے شمار فوائد ہیں اور دنیا و آخرت میں اس کے لئے بے انتہا ثمرات مرتب ہوتے ہیں خصوصاً تنگی و پریشانی، کسی خاص مہم، فکرات اور مطلب برآری کے سلسلہ میں اس کا بارہا تجربہ ہوا ہے۔ چنانچہ خود میرا تجربہ ہے کہ میں اکثر خوف و ہلاکت کی جگہ گھر گیا اور مجھے وہاں سے اگر نجات ملی تو آں حضرت ﷺ پر درود بھیجنے کے صدقہ میں۔“

رفعتوں کی جستجو میں ٹھو کریں تو کھا چکے

آستانِ یار پر اب سر جھکا کر دیکھئے

0

احقر نویں یاد سوس جماعت کا طالب علم تھا درابن کلاں میں ہمارے مہربان استاد جناب کالو خان ماسٹر کے بھائی کی کتابوں کی دکان تھی۔ مدینہ پبلشنگ کمپنی کی مطبوعہ خوبصورت کتاب فضائل درود شریف پر نظر پڑی، ہدیہ کر لی اور پھر اسے حرزِ جان بنا لیا اسی کی برکتوں میں ایک ثمرہ یہ بھی ظاہر ہوا کہ احقر نے اللہ کے فضل سے میٹرک تک ٹیکنیکل سائنس ترک کر کے علومِ نبوت کی تحصیل اور علمِ دین کے حصول کے لئے خود کو وقف کر دیا۔

اذا تكفني همك (تمہاری ساری فکروں اور ضرورتوں کی کفایت کی جائے گی) کا یہ وعدہ اور بشارت تب سے اب تک مسلسل ہر جگہ زندگی کے ہر موڑ میں، ہر مشکل گھڑی میں سامنے موجود پاتا ہوں، شرح شمائل ترمذی کا یہ مبارک مرحلہ، اور اب ۹ اجزاء میں اس کی اشاعت کی توفیقات، یہ سب اسی بشارت کے حقیقی مظاہر ہیں خدا تعالیٰ واقعہ ہمیں اس کے ادراک کی بھی توفیق عطا فرمائے آمین ثم آمین۔

احقر ایک نادار طالب علم، ایک فقیر و مسکین خادم علم اور سرتاپا گنہ گار امتی رسول! دربارِ رسول ﷺ تک کونسا جذبہ لے آیا، یہ میں نہیں جانتا مجھے اپنے آپ پر کوئی اختیار نہیں! میں نے آج تک جو کچھ بھی کیا اس کی بھی توفیق نہ تھی۔ اس لئے کہ اہل نظر نے جو کچھ دیکھا وہ بھی میری سعی کا نہیں، تائید کا نتیجہ ہے۔

میرے حصہ میں کیا آیا؟ حیرانی اور صرف حیرانی! آج بھی میں جو کچھ لے کر حاضر ہو رہا ہوں، یہ توفیق نہیں انعام ہے کیونکہ مجھے اپنے گناہوں کا حال اوروں سے زیادہ معلوم ہے۔ مجھ سے جو کام مولانا نے لینا ہے، وہ لے رہا ہے۔ کیونکہ میں تو اپنی ذات میں نارسائیوں کی پوٹ ہوں اور کچھ بھی نہیں ہوں!

مجھ کو کچھ ہوش نہیں ہے میری منزل ہے کہاں

قدم شوق مگر ہیں کہ اٹھے جاتے ہیں

میری گنہ گاری اپنی جگہ، توفیق ایزدی اپنی جگہ۔

نہ گلہ نہ برگِ سبزم نہ درختِ سایہ دارم

درحیرتم کہ دہقان بچہ کار کشت مارا

0

آج سے تقریباً ستر (۹۳) برس پہلے مولانا شبلی نعمانی کے دل میں سیرۃ النبیؐ لکھنے کا خیال آیا تو بقول سید سلیمان ندوی انہوں (مولانا شبلی) نے ۱۹۳۳ء میں اس بار امانت کو اٹھانے کا فیصلہ کر لیا۔ چنانچہ پچاس ہزار کے سرمایہ سے قوم میں مرافعہ پیش کیا۔ سینکڑوں مسلمان اس خدمت کے لئے آگے بڑھے۔ ان میں فقراء امت بھی تھے اور امراء ملت بھی۔ لیکن یہ سعادتِ اخروی ازل ہی سے نواب سلطان جہاں بیگم تاج الہند فرما نروائے بھوپال کے لئے مقدر تھی۔ اس لئے وہ سب سے آگے بڑھیں اور سوانح نگار نبوت کو دوسرے آستانوں سے بے نیاز کر کے اس سرمایہ سعادت کو اپنے خزانہ عامرہ میں شامل کر لیا۔ ان کی خدمت میں مولانا شبلی نعمانی نے یہ اشعار لکھے تھے۔

عجم کی مدح کی، عباسیوں کی داستاں لکھی

مجھے چندے مقیم آستانِ غیر ہونا تھا

مگر اب لکھ رہا ہوں سیرتِ پیغمبر خاتم

خدا کا شکر ہے یوں خاتمہ بالخیر ہونا تھا

بہر حال فرما نروا خواتین اسلام نے جو مذہبی کارنامے اب تک انجام دیئے ہیں۔

محبوبِ خدا ﷺ کی دلربا دائیں -----
 آئندہ مؤرخ غالباً اس کارنامے کو سب سے بڑا قرار دے گا کہ اس کا تعلق اس ذاتِ اقدس سے ہے جو اسلام کی تاریخ میں کائنات کی سب سے بڑی ہستی ہے۔“

یہ اور ایسے کام جو بڑے اہتمام اور سرمایہ سے شروع کیے جاتے ہیں، اسے اس ناچیز طالب علم نے اپنے جذبہ ہی کو ساری پونجی سمجھ کر شروع کر دیا تھا مجھے نہیں معلوم کہ یہ کام کس پایہ کا ہے۔ اس کا فیصلہ آپ کریں گے۔

0

”محبوبِ خدا ﷺ کی دلربا دائیں“ شرح شمائلِ ترمذی کے علیحدہ علیحدہ اجزاء کی طباعت کے سلسلہ میں پانچویں جلد ہے جس میں حضور اقدس ﷺ کا خوشبو کا استعمال، سراپائے معطر سے خوشبو کی مہک و عطر بیزیاں، امت کے لئے دستور العمل، پسینہ مبارک عمدہ ترین خوشبو، گفتگو، اندازِ بیان اور طرزِ تقریر، شیرینی گفتار، بشاشت و تبسم، سرملیں آنکھیں، خندہ روئی و خوش طبعی، دل لگی، لطائف و ظرائف، مزاجِ نبوت یا علوم و معارف کا گنجینہ، ذوقِ شعر و ادب، محبوبِ مصرعے، پسندیدہ اشعار، رات کی قصہ گوئی، حدیثِ خرافہ، حدیثِ اُم زرع، گیارہ خواتین کی دلچسپ توصیفِ ازواج کی حیرت انگیز داستان شمائلِ ترمذی کے (۳۶) احادیث کی عالمانہ، فاضلانہ اور محققانہ تشریح و توضیح کر دی گئی ہے یقیناً قارئین اسے بھی سابقہ اجزاء کی طرح پسند کریں گے۔

0

احقر نے اپنی علمی، قلمی، دماغی اور جسمانی و مالی تمام صلاحیتیں شمائل و خصائلِ نبوی ﷺ کی تشریح و توضیح اور ترویج و اشاعت کے لئے وقف کر دی ہیں۔ شمائل کا کام حدیث کا کام ہے اور خصائلِ نبوی سے مصاحبت و مجالست کا اعزاز، اس کام کی اپنی برکتیں ہیں اس نام کی اپنی عظمتیں ہیں اللہ کریم اپنے محبوب سے نسبت کی لاج رکھتے ہیں۔

وسائلِ صرف اللہ ہی کا نام اور اللہ ہی کا کام، کام بنتا گیا، رب بنواتے گئے، نوازا بے پناہ نوازا، توفیقات سے، عنایات سے، عالم اسباب میں میرے اس سارے کام میں نواب، رئیس، خان، چودھری، جاگیردار، وڈیرے، حکمران اور سرمایہ دار لوگ شریک نہ ہو

سکے اور نہ انہیں اس توفیق سے نوازا گیا۔

اس عظیم اور وسیع کام میں میرے تلامذہ، اپنے طالب علم، القاسم اکیڈمی کے کارکن و خدام، بالخصوص عزیز مکرم مولوی گل رحمن سلمہ ربہ کو ازلی نیک بختیوں کے لئے اور انفاسِ قدس کی مصاحبت کے لئے خصوصیت سے نوازا گیا۔ منصوبہ بندی، کمپوزنگ، تقسیم اجزاء و ترتیب، اولاد و جلدوں کی تکمیل، پھر اسے تین جلدوں 1608 صفحات میں ڈھالنے اور پھر اسی سے نو (۹) اجزاء کی تشکیل الغرض کتاب کو ہمہ جہتی طور پر منظر عام پر لانے کیلئے اصل محرک اور تمام تر تحریری صلاحیتوں کے ساتھ میدانِ عمل میں اترے اور کامیاب ہوتے گئے۔ عزیز موصوف نے دن رات ایک کر کے خود کام کیا، احباب سے کام لیا، کام کا جذبہ ولولہ، دُھن بلکہ اسے اپنے دل کی دھڑکن بنا لیا۔ بے اختیار بارگاہِ قدس میں دست بہ دعا ہوں۔ اللہ کریم مولوی گل رحمن سمیت تمام رفقاءِ کار و خدام کو اپنی عظمتِ شان ہی کے شایانِ شان اجرِ عظیم عطا فرماوے اور ان کی تمام صلاحیتوں کو فروغِ علم، خدمتِ دین، درس و تدریس اور اشاعتِ حدیث و سنت اور غلبہٴ دینِ اسلام میں کھپادے آمین ثم آمین۔

عبدالقیوم حقانی

۲۱ رجب ۱۴۲۶ھ / ۲۶ اگست ۲۰۰۵ء

بَابُ مَا جَاءَ فِي تَعَطُّرِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے خوشبو استعمال کرنے کے بیان میں

تعطر : کا معنی خوشبو لگانا، التعطر استعمال العطر کما ان التطیب استعمال الطیب (جمع ج ۲ ص ۲) (تعطر کا معنی عطر استعمال کرنا جیسے کہ تطیب کا معنی خوشبو لگانا) عطر عین کے کسرہ کے ساتھ الطیب کو کہتے ہیں۔ العطر بکسر العین وهو الطیب (موہب ص ۱۵۶) عرب کثیر التعطر یعنی بہت عطر استعمال کرنے والے شخص کو ”رجل معطر“ کہتے ہیں (جمع ج ۲ ص ۲) انعقاد باب کی غرض ان احادیث کا بیان ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے استعمال عطر کے بارے میں وارد ہوئی ہیں۔

جیسے کہ علامہ بیجوریؒ بھی یہی فرماتے ہیں۔ ای باب بیان الاحادیث الواردة فی تعطر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (موہب ص ۱۵۶)

خلاصہ باب :

جن میں آپ ﷺ کے عطر کے استعمال کرنے، عطر کے تحفہ قبول فرمانے اور مردوں کے لئے کس قسم کے عطر کے استعمال اور خواتین کے لئے کس قسم کی خوشبو استعمال کرنے کا ذکر ہے۔

جسم اقدس کے خوشبو کی مہک :

احادیث میں استعمال عطر کا بیان ہے، حالانکہ اگر آپ عطر استعمال نہ بھی فرماتے،

تب بھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم مبارک سے عمدہ ترین خوشبو مہکتی تھی جیسے علامہ بیجوری فرماتے ہیں قد کان صلی اللہ علیہ وسلم طیب الرائحة وان لم یمس طیباً کما جاء ذلک فی الاخبار الصحیحة (مواہب ص ۱۵۶) حضرت انسؓ کی روایت ہے کہ میں نے کوئی خوشبو عنبر، مشک اور نہ کوئی اور خوشبو آپؐ کی خوشبو سے زیادہ عمدہ نہیں سونگھی (امام بخاریؒ اور احمدؒ نے اس کی روایت ان الفاظ میں کی ہے کہ ماشمت ریحاً قط و لامسکاً ولا عنبراً طیب من ریح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رواہ احمد والبخاری (جمع ج ۲ ص ۲) مگر اس کے باوجود آپؐ خارجی خوشبو بھی استعمال فرماتے تھے۔ ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ مبارک پر دم فرما کر حضرت عقبہؓ کی کمر اور پیٹ پر ہاتھ پھیرا، اس سے اس قدر پائیدار اور بے مثال خوشبو ہوئی کہ ان کی چاروں بیویاں (ہر ایک عمدہ ترین خوشبو استعمال کرتی تھیں) جن میں ہر ایک کی خواہش تھی کہ ان کے زیر استعمال خوشبو بھی حضرت عقبہؓ کی خوشبو کے برابر ہو جائے، مگر وہ مغلوب رہیں اور حضرت عقبہؓ کی خوشبو غالب رہی۔

علامہ ملا علی قاریؒ طبرانی کی روایت نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں کان عندہ اربع

نسوة کلھن تجتھد ان تساویہ فیہ فلم تستطع مع انہ کان لایطیب۔ (جمع ج ۲ ص ۲)

آپؐ جس راستے سے گذرتے وہ مہک اٹھتا :

علامہ ملا علی قاریؒ نے ابویعلیٰ کے حوالے سے روایت نقل کی ہے کہ جس راستے سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم گذرتے تھے، آپؐ کے بعد گزرنے والے اس راستہ کو خوشبو سے مہکتا ہوا پا کر سمجھ لیتے تھے کہ آپؐ کا بھی اس راستہ سے گذر ہوا ہے (جمع ج ۲ ص ۲)

آپؐ کا پسینہ عمدہ ترین خوشبو :

علامہ ملا علی قاریؒ نے مسلم کے حوالے سے یہ روایت بھی نقل کی ہے کہ ایک مرتبہ آپؐ سوئے ہوئے تھے اور آپؐ کے بدن مبارک سے پسینہ نکل رہا تھا۔ حضرت ام سلیمؓ نے ایک شیشی میں اسے بھرنا شروع کر دیا کہ اچانک آپؐ کی آنکھ کھل گئی۔ آپؐ نے دریافت

فرمایا کہ یہ کیا کر رہی ہو؟ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! اس کو ہم اپنی دیگر خوشبوؤں میں ملائیں گے، کیونکہ یہ سب سے زیادہ عمدہ خوشبو ہے فقالت هذا عرقك نجعله لطينا وهو اطيب الطيب (جمع ج ۲ ص ۲) اسی طرح جو شخص حضور اقدس ﷺ سے مصافحہ کرتا، تمام روز اپنے ہاتھ سے عمدہ ترین خوشبو سونگھتا رہتا۔ یہی حال اس بچے کا ہوتا جس کے سر پر آپ دستِ شفقت رکھ لیتے (اتحافات ص ۲۶۳)

استعمالِ خوشبو اُمت کے لئے دستور العمل :

یہ تو آپ کی ذاتی اور جسم مبارک کی خوشبو تھی، جو قدرت نے ودیعت فرمائی تھی، مگر اس کے باوجود بھی آپ عالم اسباب میں خارجی خوشبو بھی استعمال فرماتے تھے تاکہ عام افراد اُمت، مرد و خواتین کے لئے بھی ایک مسنون عمل کا نمونہ موجود ہو اور امت کے لئے ایک دستور العمل بن جائے اور ان کے لئے خوشبو لگانے کی حدود متعین ہو جائیں۔

خوشبو کب لگانی چاہئے :

جمعہ، عیدین، نماز باجماعت، قرآن کی تلاوت، درس و تدریس اور ذکر کے حلقوں میں اور مباشرت کے وقت خوشبو لگانا چاہئے۔ صاحبِ اتحافات لکھتے ہیں ویتا کد لکل من الرجل والمرأة عند المباشرة، فانها من حسن المعاشرة (اتحافات ص ۲۶۳) تاکہ کسی کے پسینہ کی وجہ سے دوسرے مسلمان کو اذیت نہ پہنچے۔ طہارت تو دین اسلام کی بنیادی تعلیم ہے۔ خوشبو اسی طہارت کا ایک حصہ ہے۔

اس باب میں مصنف نے چھ احادیث ذکر کی ہیں۔

(۲۰۹/۱) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ رَافِعٍ وَغَيْرُ وَاحِدٍ قَالُوا أَخْبَرَنَا أَبُو أَحْمَدَ الزُّبَيْرِيُّ حَدَّثَنَا شَيْبَانُ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ الْمُخْتَارِ عَنْ مُوسَى بْنِ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ عَنْ أَبِيهِ قَالَ كَانَ لِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سُكَّةٌ يَتَطَيَّبُ مِنْهَا۔

ترجمہ ! امام ترمذی کہتے ہیں کہ ہمیں یہ حدیث محمد بن رافع اور بہت سے دوسرے لوگوں

(رواۃ) نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں ہمیں اس کی خبر احمد زبیری نے دی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو یہ روایت شیبان نے عبداللہ بن مختار کے واسطہ سے بیان کی اور انہوں نے یہ روایت موسیٰ بن انس بن مالکؓ سے ان کے باپ کے واسطہ سے نقل کی۔ حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک سکہ تھا اس میں سے خوشبو استعمال فرماتے تھے۔

راویان حدیث (۴۶۹) محمد بن رافع (۴۷۰) شیبان (۴۷۱) عبداللہ بن المختار اور (۴۷۲) موسیٰ بن انس کے حالات ”تذکرہ راویان شمائل ترمذی“ میں ملاحظہ فرمائیں۔

لفظ سکہ کے معانی :

قال کان لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سکہ یتطیب منها ! لفظ سکہ کے دو معنی آئے ہیں (۱) ظرف عطر یعنی ڈبیہ، شیشی یا عطر دانی، جس میں خوشبو رکھی جاتی ہے و یحتمل ان تکون وعاء، وان کان المراد بها الوعاء فہی للابتداء و قال الشارح والظاهر ان المراد بها ظرف یوضع فیہ الطیب کما یشعر بہ قولہ منها (مواہب ص ۱۵۶) (جب سکہ سے مراد خوشبودانی ہو تو پھر یتطیب منها میں لفظ من ابتداء یہ ہے اور شارح بھی یہی کہتے ہیں کہ بظاہر اس سے وہ شیشی یا عطر دانی مراد ہے جس میں عطر رکھا جاتا ہے جیسا کہ اس کا قرینہ لفظ منها ہے)

(۲) دوسرا معنی ایک خاص قسم کی مرکب خوشبو نقل ہوا ہے۔ جو صندل زعفران گلاب وغیرہ کو ملا کر بڑی محنت سے تیار کی جاتی ہے۔ صاحب قاموس نے تو اس کے بنانے کا طریقہ بھی نقل کیا ہے۔ وقال العسقلانی وہی طیب مرکب (اتحافات ص ۲۶۴) (علامہ عسقلانی نے سکہ کو ایک خاص مرکب خوشبو کہا ہے) کان المراد بها هنا نفس الطیب فمن فی قولہ یتطیب منها للتبعیض (مواہب ص ۱۵۶) (علامہ بیجوری فرماتے ہیں یعنی سکہ سے مراد یہاں خوشبو ہی ہے تو پھر اس صورت میں یتطیب منها میں لفظ من تبعیض ہوگا) الغرض خوشبودانی مراد ہو یا خوشبو، آپ کی حیات مبارکہ میں نظم و ترتیب مدلول ہوتا ہے کہ سفرم حضرت میں ضروریات زندگی آپ اپنے پاس رکھتے تھے۔ سرمہ دانی، کنگھی، شیشہ اور خوشبو یا خوشبودانی وغیرہ۔

83982

مضمونِ حدیث :

حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس خوشبو یا خوشبودانی تھی، جس سے آپؐ خوشبو لگاتے تھے۔

سراپا خوشبو یا جسمِ معطر :

ابتداءً باب میں یہ عرض کیا گیا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا وجودِ اطہر ہر وقت خوشبو سے معطر اور مہکتا رہتا تھا۔ حضراتِ صحابہ کرامؓ فرماتے ہیں کہ آپؐ کے جسمِ اقدس کی خوشبو راستہ میں پھیل جاتی تھی اور ہم سمجھ لیتے کہ حضور اقدس ﷺ اسی راہ سے گذرے ہیں۔ لہذا ہم اسی خوشبو پر آپؐ تک پہنچ جاتے۔

علامہ ملا علی قاریؒ، دارمی، بیہقی اور ابو نعیم سے نقل کرتے ہیں :

انه لم یکن یمر بطریق فیتبعہ احد الاعرف انه سلکہ من طیب عرقہ و عرفہ

ولم یکن یمر بحجر الا یسجد لہ (جمع ج ۲ ص ۲)

جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کسی راستے سے تشریف لے جاتے، تو آپؐ کے پسینہ مبارک کی خوشبو کی وجہ سے صحابہ کرامؓ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچ جاتے تھے اور کسی ایک پتھر پر آپؐ کا گذر نہ ہوتا، مگر وہ پتھر آپؐ کو سجدہ کرتا۔

جہیز میں پسینہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشبو :

علامہ ملا علی قاریؒ ابو یعلیٰ سے نقل کرتے ہیں :

کہ ایک صحابی نے اپنی لڑکی کے جہیز میں کچھ کپڑے تیار کیئے اور حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں آپؐ کا پسینہ مبارک طلب کرنے کی غرض سے حاضر خدمت ہوا۔ آپؐ نے اپنے دستِ مبارک کی ایک انگلی کو اپنے اسی مبارک پسینہ سے تر کیا جو کہ ایک شیشی میں بند کیا ہوا تھا اور پھر چند قطرے اس صحابی کو عطا فرمائے اور ارشاد فرمایا کہ اپنی لڑکی سے کہہ دو کہ جب وہ جہیز کے کپڑے پہنے تو پسینہ کے ان قطروں کو بطورِ خوشبو استعمال کرے۔ اس کے بعد جب کبھی وہ نیک بخت خاتون یہ خوشبو استعمال کرتی تو اہل مدینہ اس کو سونگھتے اور

اس گھر میں خواتین جمع ہو جاتیں۔ اس کے بعد اس گھر کا نام ہی۔۔۔۔۔ ”بیت المطیین“ یعنی خوشبو سونگھنے والوں کا گھر مشہور ہو گیا۔ فکانت اذا تطیبت به شم اهل المدينة ذلک الطیب فسموا بیت المطیین (جمع ج ۲ ص ۲)

دستِ مبارک کی خوشبو کی عطر بیزیاں :

جابر بن سمرہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ایک بار اپنا دستِ مبارک میرے چہرے پر پھیرا میں نے اسے ٹھنڈا اور ایسی معطر ہوا کی طرح پایا جو کسی عطر فروش کی شیشی یا صندوق سے نکلتی ہے۔

حضرت عقبہ کا واقعہ اس سے قبل بھی اجمالاً عرض کیا جا چکا ہے۔ تفصیل سے ملاحظہ فرمائیے اور لطف اٹھائیے۔

امِ عاصم کہتی ہیں کہ ہم عقبہ کی زوجیت میں چار عورتیں تھیں، ہم میں سے ہر ایک اس کوشش میں رہتی کہ وہ خوشبو میں اپنے شوہر عقبہ سے بڑھ جائے اور عقبہ وہ صرف اپنی داڑھی کو ایک عام تیل لگاتے اس کے سوا اور کوئی خوشبو نہ استعمال کرتے، لیکن اس کے باوجود ہم سب سے زیادہ معطر اور پاکیزہ تھے، جب گھر سے نکلتے تو لوگ کہتے کہ ہم نے اس خوشبو سے زیادہ نفیس خوشبو نہیں سونگھی جو عقبہ لگاتے ہیں۔ امِ عاصم کہتی ہیں کہ میں نے ایک روز عقبہ سے کہا ہم بہتر سے بہتر خوشبو لگانے کی کوشش کرتے ہیں، مگر آپ کی خوشبو سے نہیں بڑھ پاتیں۔ آخر اس کی کیا وجہ ہے۔ کہنے لگے مجھے نبی علیہ السلام کے عہد مبارک میں ایک بیماری لگ گئی تھی۔

میں حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ بیماری کی شکایت کی۔ آپ ﷺ نے مجھے کپڑے (یعنی قمیص وغیرہ) اتارنے کا حکم دیا۔ میں نے کپڑے اتار دیئے اور آپ ﷺ کے آگے بیٹھ گیا۔ آپ ﷺ نے اپنے دست مبارک پر پھونک ماری، پھر اپنا ہاتھ میری پیٹھ پر پھیرا۔ اس روز سے میرے پورے جسم میں یہ خوشبو مہکی ہوئی ہے۔

حضرت الشیخ علامہ یوسف بن اسماعیل النہبانی المتوفی ۱۳۵۰ھ وصال الوصول میں تحریر فرماتے ہیں کہ اسحاق بن راہویہ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کے جسم مبارک سے جو

محبوبِ خدا ﷺ کی دلزباواکیں -----
 خوشبو آتی تھی۔ وہ دوسری تمام خوشبوؤں سے مختلف ہوتی تھی۔ نیز فرماتے ہیں مسلم شریف
 میں انس بن مالک سے روایت ہے کہ نبی علیہ السلام کو کثرت سے پسینہ آتا تھا، چہرہ انور پر
 پسینہ آتا تو موتیوں کی طرح محسوس ہوتا اور اس کی خوشبو مشک اور اذفر سے بھی زیادہ ہوتی۔

(۲۱۰/۲) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ مَهْدِيٍّ حَدَّثَنَا عَزْرَةَ
 بِنْتُ ثَابِتٍ عَنْ ثُمَامَةَ بِنْتِ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ كَانَ أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ لَا يُرِدُّ الطِّيبَ وَ
 قَالَ أَنَسٌ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ لَا يُرِدُّ الطِّيبَ۔

ترجمہ! امام ترمذی کہتے ہیں ہمیں یہ روایت محمد بن بشار نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو
 اسے عبدالرحمن بن مہدی نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت عزرة بن ثابت نے
 ثمامة بن عبداللہ کے حوالہ سے بیان کی۔ حضرت ثمامہ کہتے ہیں کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ
 خوشبو کو رد نہیں کرتے تھے اور یہ فرماتے تھے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم بھی خوشبو کو رد نہ
 فرمایا کرتے تھے۔

مضمون حدیث تحت اللفظ ترجمہ سے واضح ہے کہ جب کبھی بھی خوشبو تھفتہ یا ہدیہ
 دی جائے تو قبول کر لی جائے۔ حضرت انس بن مالک کا یہی معمول تھا۔ لایرد الطیب،
 پھر ان کا یہ معمول حضور اقدس ﷺ کے عمل مبارک کا پرتو تھا، ان النبی ﷺ کان
 لایرد الطیب پھر ظاہر ہے کہ خوشبو کا ہدیہ خوش دلی سے دیا جاتا ہے تو خوش دلی سے لے لیا
 جائے، اس میں حکمت بھی یہی ہے کہ یہ ہدیہ اتنا قیمتی نہیں ہوتا کہ پیش کرنے والے پر گراں
 گذرے، پھر بھاری مقدار میں بھی نہیں ہوتا، چونکہ تھوڑی مقدار میں ہوتا ہے، اس لئے لینے
 والے کی طبیعت کو محسوس نہیں ہوتا، جیسا کہ مسلم شریف میں حدیث ہے، من عرض علیہ
 ریحان فلا یرد فانہ خفیف المحمل وطیب الریح (جمع ج ۲ ص ۲)

(جس شخص کو عطر اور خوشبو کا ہدیہ پیش کیا جائے وہ اسے رد نہ کرے کیونکہ اس کا بوجھ اور وزن تو
 ہے نہیں اور اس کی خوشبو اچھی ہے)

درحقیقت حضور اقدس ﷺ سب کی دلجوئی فرماتے تھے اور کسی کی دل شکنی پسند

ہی نہیں کرتے تھے۔ خوشبو کا رد کرنا ایک مخلص و محبت صادق کی دل شکنی کا سبب بن سکتا ہے۔ لہذا آپ قطعاً ہدیہ خوشبو کو رد نہ فرماتے تھے۔ دوسرا یہ بھی کہ آپ کو خوشبو بہت پسند تھی۔ اس لئے اس ہدیہ جلیلہ کو پسند کرنا ہی بہت احسن و اجمل بات تھی۔ علامہ ملا علی قاری فرماتے ہیں: المعنى انه ليس بثقيل بل قليل المنه ومع هذا طيب الرائحة فالهدية اذا كانت قليلة و تتضمن منفعة فلا ترد لئلا يتأذى المهدي اذا لم يكن طماعاً (جمع ج ۳ ص ۴) (مطلب یہ کہ یہ کوئی وزنی چیز نہیں بلکہ وہ احسان کرنے میں کوئی بڑی چیز بھی نہیں اس کے باوجود اس کی خوشبو اچھی ہے۔ ہدیہ اگرچہ معمولی ہو، لیکن اس کا نفع اگر زیادہ ہے تو اس کو رد نہ کیا جائے تاکہ ہدیہ کرنے والے کی دل شکنی نہ ہو جب کہ وہ لالچی اور حریص نہ ہو)

(۲۱۱/۳) حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي فُدَيْكٍ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مُسْلِمٍ بَنِي جُنْدَبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلَاثٌ لَا تُرَدُّ الْوَسَائِدُ وَالذُّهْنُ وَاللَّبَنُ۔

امام ترمذی کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت قتیبہ بن سعید نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے ابن ابی فدیک نے بیان کی۔ انہوں نے یہ روایت عبداللہ بن مسلم بن جندب سے ان کے باپ کے واسطے سے اخذ کی۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تین چیزیں نہیں لوٹانی چاہئیں، تکیہ، اور خوشبودار تیل اور دودھ۔

راویان حدیث (۴۷۳) ابن ابی فدیک (۴۷۴) عبداللہ بن مسلم اور (۴۷۵) عن ابیہ کے حالات ”تذکرہ راویان شمائل ترمذی“ میں ملاحظہ فرمائیں۔

بعض الفاظ حدیث کی تشریح :

الوسائد جمع وسادة کی ہے، جو سوتے وقت سر کے نیچے رکھا جاتا ہے۔ اسے منخدة بھی کہتے ہیں۔ اذ قد یوضع تحت الخد واللہن کل ما یلہن بہ والمرادہنا الذی فیہ طیب (منخدة کی وجہ تسمیہ بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ چونکہ وہ رخسار کے

محبوب خدا ﷺ کی دُرُ باادائیں -----
 نیچے بھی کبھی رکھا جاتا ہے اور دھن ہر وہ چیز ہے جو تیل کی جگہ استعمال کی جائے اور یہاں اس
 سے مراد خوشبودار تیل ہے) (اتحافات ص ۲۶۵)

مضمون حدیث کی تشریح :

مضمون حدیث تو تحت اللفظ ترجمہ سے واضح ہے۔ اس روایت میں مذکور تمام
 چیزیں خواہ وہ تکیے ہوں یا خوشبودار تیل یا خوشبو اور دودھ، خفیف الحمل ہیں اور باہمی اعتماد و
 محبت کا باعث ہیں۔ جیسے یہی بات علامہ ملا علی قاری فرماتے ہیں ولا بد من اعتبار معنی
 فی ثلاث من العظمة والشرف و قلة المؤنة و خفة المحمل (جمع ج ۲ ص ۴) لہذا جب
 ہدیہ کے طور پر پیش کئے جائیں تو لا ترد یعنی واپس نہ کی جائیں بلکہ انہیں اللہ کی نعمت سمجھ
 کر قبول کر لی جائیں۔

شمال میں بعض نسخوں میں الوسائد الدھن اور الطیب مذکور ہے، اللبن نہیں ہے۔
 بعض نسخوں میں اللبن ہے، الطیب نہیں ہے، وفی نسخة صحیحة بدله اللبن (مواہب
 ص ۱۵۷) اور نسخہ صحیحہ میں طیب کی بجائے لبن کا لفظ ہے ولعل المراد باللبن هو الذی له
 طیب فعبّر تارة بالطیب و اخرى باللبن (جمع ج ۲ ص ۴) (اور شاید کہ دھن سے مراد خوشبو
 دار تیل ہے تو کبھی اس کی تعبیر لفظ طیب (عطر) اور کبھی دھن (تیل) سے کی جاتی ہے)
 بعض روایات میں خوشبودار پودے اور پھول کا بھی ذکر آیا ہے۔ امام شافعی نے ایسی سات
 چیزیں گنوائی ہیں اور انہیں اشعار میں نظم کیا ہے

اذا ما بها قد اتحف المرء خلان

عن المصطفى سبع یسن قبولها

ورزق لمحتاج و طیب و ریحان

فحلو و البان و دهن و وسادة

(مواہب ص ۱۵۷)

(سات چیزوں کا قبول کرنا سنت نبویہ ہے جب کوئی انسان وہ اپنے دوستوں کو بطور ہدیہ
 دے پس وہ حلوہ (میٹھی چیزیں) دودھ۔ تیل۔ تکیہ اور مسکین کے لئے کھانا اور عطر و خوشبو
 ہیں)

(۲۱۲/۲) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ غَيْلَانَ حَدَّثَنَا أَبُو دَاوُدَ الْحَفَرِيُّ عَنْ سُفْيَانَ عَنِ الْجُرَيْرِيِّ عَنْ أَبِي نَضْرَةَ عَنْ رَجُلٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ طِيبُ الرَّجَالِ مَا ظَهَرَ رِيحُهُ وَخَفِيَ لَوْنُهُ وَطِيبُ النِّسَاءِ مَا ظَهَرَ لَوْنُهُ وَخَفِيَ رِيحُهُ. حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ عَنِ الْجُرَيْرِيِّ عَنْ أَبِي نَضْرَةَ عَنِ الطُّفَاوِيِّ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِثْلَهُ بِمَعْنَاهُ -

ترجمہ! امام ترمذی کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت محمود بن غیلان نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے ابو داؤد حفری نے سفیان کے واسطے سے ابو نضرہ کی وساطت سے روایت کی اور انہوں نے یہ ایک شخص (طفاوی) سے سنی۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا کہ مردانہ خوشبو وہ ہے کہ جس کی خوشبو پھیلتی ہوئی ہو اور رنگ غیر محسوس ہو (جیسے گلاب کیوڑہ وغیرہ) اور زنانہ خوشبو وہ ہے کہ جس کا رنگ غالب ہو اور خوشبو مغلوب (جیسے حنا، عفران وغیرہ)۔

امام ترمذی دوسری سند اس طرح بیان کرتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ روایت علی بن حجر نے بیان کی۔ ان کے پاس اسمعیل بن ابراہیم نے جریری کے واسطے سے بیان کی۔ انہوں نے یہ روایت ابو نضرہ سے طفاوی کے ذریعے روایت کی اور انہوں نے صحابی رسول حضرت ابو ہریرہ سے سنی جو رسول اللہ ﷺ سے نقل فرماتے تھے اور یہ روایت پہلی روایت سے معنی میں متفق ہے۔

راویان حدیث (۴۷۶) ابو داؤد الحفری اور (۴۷۷) عن رجل کے حالات ”تذکرہ راویان شمائل ترمذی“ میں ملاحظہ فرمائیں۔

مرد اور خواتین کے لئے خوشبو کا استعمال :

حضور اقدس ﷺ کا ارشاد گرامی واضح ہے۔ لہذا مردوں کو چاہئے کہ وہ تو ایسی خوشبو ضرور استعمال کریں جو محفل میں دوسروں کو بھی محسوس ہو اور فضا معطر ہو، مگر اس کا رنگ نہ ہو۔ کماء الورد والمسک والعنبر والكافور (جمع ج ۲ ص ۵) مگر عورتوں کی خوشبو

کارنگ نمایاں نہ ہو، وہ عطر انتہائی پوشیدہ ہو، کالزعفران والصندل، والحناء (جمع ج ۲ ص ۵) علماء کہتے ہیں خواتین کے لئے خوشبو کا استعمال اس وقت ممنوع ہے جب وہ گھر سے باہر نکلیں۔ فان مرورها علی الرجال مع ظهور رائحة الطيب منها منهي عنه (بے شک عورت کا خوشبو سے معطر ہو کر مردوں پر گزرنا شرعاً ممنوع ہے) گھر میں ہو یا اگر شوہر کے پاس ہو تب استعمال جائز ہے فاما اذا كانت عند زوجها فلتطيب بما شاءت (جمع ج ۲ ص ۵) اور جب عورت اپنے خاوند کے پاس ہو پھر جو عطر چاہے لگا سکتی ہے (جیسا کہ ترمذی شریف کی ایک حدیث سے اس کی تائید ہو جاتی ہے۔ عن ابی موسیٰ کل عین زانیة والمرأة اذا استعطرت فمرت بالمجلس فهي زانیة (جمع ج ۲ ص ۶) (حضرت ابو موسیٰ اشعریٰ فرماتے ہیں ہر آنکھ (غلط نظر کرنے میں) زنا کرنے والی ہے اور جب عورت عطر لگا کر کسی مجلس پر گزرتی ہے تو وہ (اس صورت میں گویا کہ) زانیہ ہے)

اسی طرح احمد، صحیح مسلم، ابوداؤد اور نسائی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ جو عورت بخور لے وہ ہمارے ساتھ عشاء کی نماز میں نہ آئے۔ ایما امرأة اصاب بخورا فلا تشهد معنا العشاء الآخرة (جمع ج ۲ ص ۴)

مسلمان خواتین کی غفلت و جہالت :

شیخ احمد عبدالجواد الدومیؒ نے یہاں مسلمان خواتین کے موجودہ اور مروجہ طرز عمل پر بہت رونا رویا ہے کہ عام مسلمان خواتین تو اپنی جگہ عرب مسلمان خواتین بھی فرنگی تہذیب کی لپیٹ میں ہیں۔

حضور اقدس ﷺ کے پاکیزہ اخلاق و تعلیمات سے غافل ہو گئی ہیں۔ واتت من الاعمال ما یندی له جین الاسلام (اتحافات ص ۲۶۷) (اور ایسے اعمال کرتی ہیں جس سے اسلام کا چہرہ داغدار ہو جاتا ہے) مسلمان خواتین مغربی تہذیب کی تقلید میں اندھا دھند چلی جا رہی ہیں، نہ حیا ہے نہ پردہ، نہ شرم نہ غیرت، بلکہ مختلف قسم کے سینٹ لگا کر بازاروں کی زینت بنتیں اور شیطان کا کردار ادا کرتی ہیں۔

حضور اقدس ﷺ ہی کے تعلیمات و ہدایات اور سنتوں میں عزت بھی ہے اور عظمت بھی،

نجات بھی ہے اور فلاح بھی۔

(۳۱۳/۵) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ خَلِيفَةَ وَعَمْرُو بْنُ عَلِيٍّ قَالَا حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ ذُرَيْعٍ حَدَّثَنَا حَجَّاجُ الصَّوَّافِ عَنْ حَنَّانٍ عَنْ أَبِي عُثْمَانَ النَّهْدِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أُعْطِيَ أَحَدُكُمْ الرِّيحَانَ فَلَا يَرُدُّهُ فَإِنَّهُ خَرَجَ مِنَ الْجَنَّةِ قَالَ أَبُو عِيْسَى وَلَا نَعْرِفُ لِحَنَّانٍ غَيْرَ هَذَا الْحَدِيثِ وَقَالَ عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ أَبِي حَاتِمٍ فِي كِتَابِ الْجَرَحِ وَالتَّعْدِيلِ حَنَّانُ الْأَسَدِيُّ مِنْ بَنِي أَسَدِ بْنِ شَرِيكٍ وَهُوَ صَاحِبُ الرَّقِيقِ عَمُّ وَالِدِ مُسَدَّدٍ وَرَوَى عَنْ أَبِي عُثْمَانَ النَّهْدِيِّ وَرَوَى عَنْهُ الْحَجَّاجُ بْنُ أَبِي عُثْمَانَ الصَّوَّافِ وَ سَمِعْتُ أَبِي يَقُولُ ذَلِكَ -

ترجمہ! امام ترمذی کہتے ہیں ہمیں یہ روایت محمد بن خلیفہ اور عمرو بن علی نے بیان کی۔ وہ دونوں کہتے ہیں کہ ہم کو اسے یزید بن ذریع نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت حجاج صواف نے حنان کے واسطے سے بیان کی۔

انہوں نے یہ روایت ابو عثمان نہدی سے روایت کی۔ ابو عثمان نہدی تابعی کہتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص کو ریحان دیا جائے اس کو چاہئے کہ لوٹائے نہیں، اس لئے کہ (اس کی اصل) جنت سے نکلی ہے۔

راویان حدیث (۴۷۸) محمد بن خلیفہ (۴۷۹) حجاج الصواف (۴۸۰) حنان اور (۴۸۱) ابو عثمان نہدی کے حالات ”تذکرہ راویان شمائل ترمذی“ میں ملاحظہ فرمائیں۔

سند کی بحث :

ابو عثمان نہدی تابعی ہیں۔ ظاہر ہے کہ انہیں حضور اقدس ﷺ کی زیارت و ملاقات کا شرف حاصل نہیں، مگر اس کے باوجود انہوں نے یہ روایت آپ سے مرفوعاً نقل کی ہے۔ لہذا یہ روایت مرسلات سے ہے۔ جیسے کہ علامہ سیوطی نے اس کی تصریح کی ہے، فالحدیث مرسل کما صرح به السيوطي (جمع ج ۲ ص ۶) جو اس صورت میں معتبر ہوتی ہیں، جب اس کے راوی ضعیف نہ ہوں بلکہ ثقہ ہوں۔

لفظ ”ریحان“ کی تشریح :

ریحان کا اطلاق عموماً ایک خاص قسم کے خوشبودار پودے ”نیازبو“ پر آتا ہے، جس کی ٹہنی اور پھول نہایت خوشبودار ہوتا ہے۔ لغوی اعتبار سے اس کی تعریف کل نبت طیب فہو ریحان (ہر خوشبودار پودا ریحان ہے) سے کی گئی ہے۔ علامہ ملا علی قاریؒ لکھتے ہیں وہو کل نبت طیب الريح من انواع المشوم علی ما فی النہایة (جمع ج ۲ ص ۶) (کہ مشومات (سونگھی جانی والی چیزوں) میں اچھے خوشبودار پودے کو کہتے ہیں جیسے کہ نہایہ میں بھی اس طرح ہے)۔

اہل مغرب ریحان کو ایک خاص درخت سے مخصوص کرتے ہیں، جسے آس کہتے ہیں اور ظاہر ہے کہ حدیث صحیح میں بھی یہی مراد ہے، جس میں آیا ہے کہ مثل المناق الذی یقرأ القرآن کمثل الريحانة ریحھا طیب و طعمھا مر (جمع ج ۲ ص ۶) (اس مناق کی مثال جو کہ قرآن پڑھتا ہے ایسی ہے جیسے کہ ریحانہ کا درخت کہ اس کی خوشبو تو اچھی ہے لیکن ذائقہ کڑوا ہے) اہل شام و عراق حق کو ریحان کہتے ہیں اور حق پودینہ کو کہتے ہیں۔ بہر حال لغوی اعتبار سے ریحان کا معنی خوشبو، رحمت آرام، چین، آسائش صاحب اور دوست کے بھی آتے ہیں۔ اس کے معنی میں وسعت ہے۔

جنت البقیع کا ایک واقعہ :

مجھے اس موقع پر ایک واقعہ یاد آ رہا ہے، جب اپنے ایک بزرگ اور مہربان دوست ماہنامہ الحق کے کاتب (جب کمپیوٹر اور کمپیوزنگ مروج نہ تھے) جناب الحاج عبدالواحد صاحب خوشنویس (جو معروف سکالر، عظیم مصنف حضرت مولانا عبدالعزیز صاحب مدظلہ صاحب تاریخ مکة المکترمة و مدینة المنورہ کے برادر بزرگ تھے) صبح سویرے چمن سے چنبیلی کے پھول کاٹ کر اپنے میز پر سجاتے اور با وضو الحق کی کتابت کرتے، احقر ان دنوں ماہنامہ الحق کی خدمت پر مامور تھا، بلکہ مادر علمی جامعہ دارالعلوم حقانیہ میں درس و تدریس، خطابت اور دیگر متنوع ذمہ داریوں سمیت الحق کی ادارت سے لے کر

پروف ریڈنگ اور کاپی پیسٹنگ تک کے تمام امور تنہا انجام دیتا تھا۔ مرحوم جب چنبیلی کے پھول سجا کر کتابت شروع کرتے اور میں حاضر ہوتا، تو فرماتے 'حقانی صاحب!' 'ریحانہ' سجا رکھا ہے، جنت کا پھول ہے جنت کا، ایک روز علی الصبح کچھ مسودات لے کر حاضر خدمت ہوا تو دیکھا کتابت بھی جاری ہے، وجود پر لرزہ بھی اور آنکھوں سے آنسو بھی ٹپ ٹپ گر رہے ہیں۔ میں نے سلام عرض کیا تو گلوگیر آواز میں جواب دیا اور پھر دھاڑیں مار مار کر رونے لگے۔ میں نے ہر چند تسلی دینی چاہی، مگر مرحوم کا رونا کب رکنے کا تھا اور پس منظر تو مجھے معلوم نہ تھا۔ آخر کیا تسلی دے سکتا تھا، جب جذبات پر قابو پایا اور قدرے بات کرنے کے موڈ میں ہوئے تو فرمانے لگے :

حقانی صاحب! کیا پوچھتے ہو کیا انجام ہوگا، اب کے بار جب عمرے پر گیا تھا تو جنت البقیع میں بھی حاضری کی سعادت حاصل ہوئی، دیکھا ایک نئی قبر کھودی جا رہی ہے، لوگ اچانک کسی چیز کے نمودار ہونے سے پریشان ہو گئے، میں بھی لپک کر ان کے پاس جا پہنچا تو دیکھا کہ نئی کھودی جانے والی قبر سے ایک خطرناک بچھو ظاہر ہوا، جس کی لمبائی کوئی آٹھ انچ کے برابر ہوگی۔ اسے دیکھا میں تو تب سے اب تک پریشان ہوں۔ حقانی صاحب! جب جنت البقیع (جس کے مدفون سعادت مند ہیں) میں اتنے بڑے بڑے خطرناک بچھو موجود ہیں، تو ہم گنہگاروں کا انجام کیا ہوگا اور پھر رونے میں ڈوب گئے بس اتنی سی بات بہ مشکل کر سکے کہ پھر گریہ طاری ہوا۔ اب پس منظر مجھے معلوم ہو چکا تھا، ان کے رونے سے میرا دل بھی پسچ گیا اور چند لمحے مجھے بھی ان کی معیت میں اشک ندامت کے حاصل ہوئے۔ یہ سارا واقعہ مجھے لفظ 'ریحانہ' کی بحث سے یاد آیا، امانت تھی جو قارئین کے حوالے کر دی۔ بات یہاں تک پہنچی تھی کہ اسی مضمون کی ایک نقل میں نے اپنے استاذ محترم حضرت مولانا قاضی عبدالکریم صاحب مدظلہ بانی و مہتمم مدرسہ عربیہ نجف المدارس کو بھیجی۔ غرض یہ تھی کہ واقعہ عبرتناک ہے، انہوں نے جو جواب مرحمت فرمایا، ذیل میں وہ بھی من و عن نقل کر دیا جاتا ہے کہ میری اصلاح ہو جائے گی اور قارئین کو نفع ہوگا۔

محبوبِ خدا ﷺ کی دُرُ باادائیں -----

جناب محترم حقانی صاحب سلمک اللہ معنا من الفتن ما ظهر و ما بطن
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

اخلاص نامہ کسی جدید حالت منتظرہ کے بغیر نعمتِ غیر مترقبہ ثابت ہوا۔

حکیم ابراہیم کا سانحہ ارتحال :

جناب محترم حکیم ابراہیم صاحب مرحوم کا اچانک حادثہ و ارتحال ہم جیسے عمر رسیدہ
پڑوسیوں کے لئے جس کی جگانے والی فریاد تھی مگر ہم پنبہ بگوش لوگ حسب سابق نومِ ارنبی
(خوابِ خرگوش) میں ہی مدہوش ہیں۔ اللہ کریم ہی معاف فرماویں۔ آمین۔

مرحوم خوش قسمت تھا کوئی ایک نماز بھی قضا کئے بغیر چلا گیا۔ موت فجاءة بظاہر ان
کے لئے رحمت ہی رہی کہ سکرات کی سختی کسی کو محسوس نہیں ہوئی۔ ماشاء اللہ والحقیقۃ عند
اللہ یہ سطور کافی نقاہت کی حالت میں لکھے گئے۔

مکتوباتِ قدسیہ :

مکتوباتِ قدسیہ (حضرت مولانا شمس الحق افغانی کے مکاتیب) کے لئے آپ کی
انتظار بجا سہی لیکن اپنی مجبوری بھی اختیار میں نہیں۔ پہلے ہی مکتوب پر چند سطریں لکھیں، اب
غالباً دو ہفتہ سے ہمت اور فرصت دونوں سدِ سکندری بنے ہوئے ہیں۔ جنت البقیع مبارک کی
کسی قبر مبارک سے بچھو کے واقعہ پر کچھ عرض کرنا ضروری سمجھ کر قلم کو ہاتھ میں لیا۔ ۲ جمادی
الثانیہ ۱۴۲۴ھ جمعہ کو یہاں تک لکھا، نہ معلوم کب تک پہنچ سکوں۔

جنت البقیع میں بچھو کا مسئلہ :

عرض ہے ہم گنہ گاروں کا بقیع کے بچھو سے ڈرنا کیا ضروری ہے۔ جناب کاتب کا
خوفِ خداوندی کے غلبہ سے رونا قابلِ صد تحسین ہے اور پھر آپ کی ان سے ہمنوائی میں متاثر
ہونا بھی باعث تبریک سہی لیکن یہ کسی کافر منافق اور فی زمانہ کے کسی ملحد زندیق کی قبر کا بچھو ہوگا
۔ کیا دجال کے علاوہ کسی کافر کا مدینہ منورہ میں داخلہ تکوینی طور پر کسی آیت سے ثابت ہے۔
دجال کی رفاقت کے لئے زلازل کا آنا خود اس کی دلیل ہے کہ اس وقت تک کافر بصورت

نفاق والحال بصورت الحادوزندقہ مدینہ پاک میں سکونت کر رہے ہوں گے اور خود دور مبارک میں تو آیت وَمِنْ أَهْلِ الْمَدِينَةِ مَرَكُوا عَلَى النِّفَاقِ (التوبہ: ۱۰۱) (اور کچھ مدینے والوں میں ایسے منافق ہیں کہ نفاق پراڑے ہوئے ہیں) اور وَآخِرِينَ مِنْ ذُرِّيَّتِهِمْ لَا تَعْلَمُونَهُمُ اللَّهُ يَعْلَمُهُمْ (الانفال: ۶۰) (اور ان کے سوا اوروں کو بھی، جنہیں تم نہیں جانتے، اللہ انہیں خوب جان رہا ہے) سے ثابت ہے اور یہ لوگ وہاں مرتے بھی ہوں گے اور وہیں صورتِ اسلام کی وجہ سے دفن بھی کئے گئے ہوں گے۔ ہاں تشریحی طور پر ان کا داخلہ ممنوع سہی لیکن یہ تو ہم کمزور مسلمانوں کا قصور ہے کہ ان کو نکالنے میں کوتاہی کریں اور آج کل کی عام بیماری ہیضہ اتحاد میں نہ صرف اس کو حرام نہیں بلکہ باعثِ حفاظت بھی کہتے رہیں۔

حقانی صاحب! کیا رئیس المنافقین کی قبر اسی پاک شہر کے کسی گوشہ میں نہیں رکھی گئی ہوگی۔ کسی اعرابی کے بیعت توڑ دینے اور پھر بھاگ جانے سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشاد سے عموم کا حکم غالباً کسی نے بھی نہیں لگایا ہوگا کہ کوئی کافر یہاں نہ رہ سکے گا۔

خاکِ یثرب میں دفن ہونے کی آرزو :

اگر گنہگاروں کو وہیں دفن ہونے پر عذابِ برزخ سے چھٹکارے کی امید اور بہت ہی بڑی امید نہ ہو تو وہ وہیں دفن ہونے کی رو رو کر کیوں دعائیں کرتے رہے ہیں۔ شاعر مشرق کے اس مصرعہ کو کہ.....

ع میں موت چاہتا ہوں زمینِ حجاز میں

اگر صرف شاعری بھی کہہ دیا جاوے تو سیدنا امام مالک بن انس رحمۃ اللہ علیہ کا نقلی حج پر نہ جانے کی وجہ کیا یہی نہیں کہی جاتی کہ کہیں مدینہ پاک سے باہر دفن نہ ہونا پڑے۔

کیا وہ اپنے آپ کو معصوم سمجھتے تھے۔ معصومین کو یہاں دفن ہونے کی زیادہ ضرورت ہے یا ماوشما مذنبین (گنہگاروں) کو۔

اچھا سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا یہ ارشاد بھی جو تقریباً بتواتر ثابت ہے کہ "اللَّهُمَّ ارزُقْنِي شَهَادَةً فِي سَبِيلِكَ وَاجْعَلْ مَوْتِي فِي بَلَدِ نَبِيِّكَ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ" (اے اللہ مجھے شہادت دے اپنے راستے میں اور میرے موت مقرر کرو اپنے حبیب

کے شہر میں) کے معلوم نہیں۔ اگر صرف روحانی زیارت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم و اصحابہ کی مقصود تھی تو وہ تو

..... ع بعد منزل نبود در سفر روحانی سے بھی ہو سکتی تھی۔ مدینہ پاک میں دفن سے یہی تو امیدیں ہیں کہ اب ان شاء اللہ گناہوں کے باوجود عذاب برزخ سے محفوظ رہیں گے۔

فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا اعترافِ ذنوب (و لو بالصغائر عند اللہ) آپ کو یقیناً معلوم ہوگا۔ موت کے خوف سے حضرت کیوں رو رہے ہو؟ کے جواب میں آپ کا ارشادِ گرامی ہے.....

مَالِي حَذَارَ الْمَوْتِ اِنِّي مَيِّتٌ
وَلَكِنَّ حَذَارَ الذَّنْبِ يَتَّبِعُهَا ذَنْبٌ
ظَلُومٌ لِنَفْسِي غَيْرَ اِنِّي مُسْلِمٌ
اُصَلِّي الصَّلَوَاتِ كُلَّهَا وَ اَصُومُ

نہیں ہے میرے لئے ڈرنا موت سے کہ میں مرنے والا ہوں، لیکن ڈرنا ہے گناہ سے جس کے بعد دوسرے گناہ ہوں، زیادہ ظلم کرنے والا ہوں اپنے آپ پر سوای اس کے کہ میں مسلمان ہوں، نمازیں پڑھتا ہوں سب اور روزہ رکھتا ہوں۔

حضرت نانوتویؒ کی تمنا :

پھر یہ کل کی بات ہے، حجۃ الاسلام حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ ارشاد کیوں یاد نہ رہا کہ.....

جیوں تو ساتھ سگانِ حرم کے تیرے پھروں
مروں تو کھائیں مدینہ کے مجھ کو مور و مار

ہاں یہ بھی ملحوظ رہے کہ مور و مار کا غذا بننا اور بات ہے اور بچھو اور سانپ کا کاٹنا اور ڈسنا شیء آخر ہے۔ پہلی صورت محبوب و مرغوب و مطلوبِ عشاق ہے۔

دیکھئے مشکوٰۃ شریف کی یہ حدیث..... "كُنَّا نَسْمَعُ تَسْبِيحَ الطَّعَامِ وَهُوَ يُؤْكَلُ"

(جب کھانا کھایا جاتا تو ہم اس کھانے کی تسبیح پڑھنا بھی سنا کرتے تھے) کسی صحابی کی غذا بننے پر لقمہ طعام کو کتنی خوشی ہو رہی ہے یہی حضرت قاسم نانوتویؒ کی تمنا ہے اور دوسری بات قابلِ صداستعاذہ ہے۔ وَاعُوذُبِكَ مِنْ أَنْ أَمُوتَ مُذْبِرًا أَوْ لِدِيغًا أَوْ كَمَا قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ میں پناہ چاہتا ہوں اس سے کہ مجھے موت آئے اس حالت میں کہ میں میدانِ جنگ سے پیٹھ پھرنے والا ہوں یا) سانپ بچھو وغیرہ) کا ڈسا ہوا ہوں)

خاکِ مَدِينَةٍ :

خاکِ مَدِينَةٍ مَنُورَةٍ کے متعلق مَنْ مَاتَ فِي أَحَدِي الْحَرَمَيْنِ بَعَثَهُ اللَّهُ مِنَ الْآمِنِينَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مشکوٰۃ شریف میں موجود ہے۔ مَنْ مَاتَ فِي مَدِينَةٍ بَعَثَهُ اللَّهُ مِنَ الْآمِنِينَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مشطور من الفزع الاكبر کے ساتھ اور من كل كدورة بھی لکھا گیا ہے۔ يَوْمَ الْقِيَامَةِ کے ساتھ مَنْ مَاتَ فَقَدْ قَامَتْ قِيَامَتُهُ (جو مر گیا اس کی تو قیامت قائم ہوگئی) کا خیال رہے تو برزخ کو بھی شامل ہے۔

اسی میں یہ بھی ہے کہ ما على الارض بقعة احب الى ان اكون قبرى بها منها (کہ آپ نے مدینہ منورہ کے متعلق یہ بھی فرمایا کہ دنیا میں مجھے اپنی قبر کے لئے مدینہ شریف سے کوئی دوسری جگہ زیادہ محبوب اور پیاری نہیں ہے)

اصلاحِ كِتَابٍ :

ایسی ترغیبات کے ہوتے ہوئے ہم گنہ گاروں کو کسی قبر کے کسی بچھو کا واقعہ بالخصوص مطالعہ کرانا اپنی ناقص خیال میں نہیں آیا۔ کتاب میں ضمناً آجانا تو ایک بات ہے اور ناچیز کا مشورہ تو یہی ہے کہ وہاں بھی اس واقعہ پر یہ حاشیہ لگا دینا چاہئے کہ یہ کسی کافر، منافق، ملحد اور زندیق کی قبر کا بقایا ہوگا۔

بِنِيَادِي عِقَائِدِ كَيْ انكار كا وبال :

اور اسی تاکید کے ساتھ کہ یہاں بنیادی عقائد کے انکار کرنیوالوں کو جلد از جلد توبہ

محبوبِ خدا ﷺ کی دلزبا دائیں -----
 کر لینی چاہیے۔ جن میں حضرت حق جل مجدہ کی ذات و صفات میں کسی مخلوق کو ولو کان
 ملکاً او نبیاً مرسلاً (اگرچہ وہ فرشتے یا نبی اور رسول کیوں نہ ہوں) شریک کرنا، قیامت
 رسالت یا ختم نبوت میں شک و تردد کرنا بھی شامل ہے اور اسی طرح صحابہ کرام علیہم الرضوان
 کی عظمت اور بزرگی بالخصوص عشرہ مبشرہ اور بالاخص خلفاء راشدین یا ران اربعہ ابو بکر و عمرو
 عثمان و علی رضی اللہ عنہم کی جنتی ہونے کا انکار کرنا بھی شامل ہے ورنہ شدید خطرہ ہے۔ یوں کہہ
 سکتے ہیں کہ خاک پاک مدینہ مثل الشہادۃ ہے یمحی السیئات لالنفاق والاحاد (کہ
 غلطیوں اور گناہوں کو تو مٹادے گی نہ کہ منافقت اور الحاد و بے دینی کو)

جو ار رسول ﷺ کی برکتیں :

ہاں عذابِ قبر سے حفاظت کے جتنے اسباب ہیں ان میں سب سے اقوی صحیح
 العقیدہ مسلمان کے لئے تو جو ار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم ہی ہونا چاہیے۔

قصیدہ بردہ کے اشعار :

قصیدہ بردہ کے یہ مبارک اشعار تو روزِ زبان رہنے چاہیے، نہ معلوم کیوں بروقت آپ کو یاد
 نہ رہے۔

حَاشَاہُ اَنْ یُّحْرَمَ الرَّاجِیْ مَکَارِمَہُ اَوْ یُرْجَعَ الْجَارِ مِنْہُ غَیْرَ مُحْتَرَمٍ
 اور حاشا یہ کہ آپ کا امیدوار بخششوں کا محروم رہے یا پناہ لینے والا ایوں ہی الٹا پھرے بے
 توقیر

وَلَنْ یَّقُوْتَ الْغَنِیْ مِنْہُ یَدَا تَرَبَّتْ اِنَّ الْحَبَا یُنْبِتُ الْاَزْہَارَ فِی الْاَکَمِّ
 اور ہرگز بے نیازی فوت نہ ہوگی، اس ہاتھ کی جو خاک پر پہنچا جس نے وسیلہ آپ کا لیا کیونکہ
 مینہ ٹیلوں پر سبزہ پیدا کرتا ہے۔

یَا اَکْرَمَ الْخَلْقِ مَالِیْ مَنْ الْوَدُیْہِ سِوَاکَ عِنْدَ حُلُوْلِ الْحَادِثِ الْعَمَمِ
 اے تمام مخلوق سے بزرگ تر آپ کے سوا میرا کوئی ایسا نہیں جس سے پناہ چاہوں حادثہ عام
 کے نازل ہونے میں۔

مَا سَأَمَنِي اللَّهْرُ ضَيْمًا وَاسْتَجَرْتُ بِهِ الْأَوَّلْتُ جَوَارًا مِّنْهُ لَمْ يُضْمِ
مجھ پر زمانہ نے جب کبھی رنج و خواری سے ستم کیا اور میں نے آپ کی پناہ کی فوراً
حمایت میں آ گیا اور اس کے ستم سے بچ گیا۔

اے فخر نوح کیا کہیں پوچھے اگر کوئی
! کشتی یہ ڈوبتی ہوئی کس نا خدا کی ہے
بہر حال ڈرائیں نہیں بلکہ مخلوص قلب دعا کرتے رہیں کہ اللہ تعالیٰ ایمان و ادب
کے ساتھ وہیں کی خاک پاک کا شرف عطا فرما دیں۔ آمین ثم و ثم۔

ناکارہ عبدالکریم غفرلہ ولوالدیہ (۱۳ جمادی الثانیہ ۱۲۲۴ھ)

خوشبو تحفہ رحمت ہے :

فانه خرج من الجنة..... شیخ احمد عبدالجواد الدومی لکھتے ہیں، ولعل المراد ان
اصل الطيب من الجنة فكل ریح طيب يذكر بالجنة ويشوق اليها ويرغب في
الاعمال الصالحة (اتحافات ص ۲۶۸) (اور شاید کہ اس سے مراد یہ ہو کہ خوشبو کی اصل اور
بنیاد جنت میں سے ہو پس ہر اچھی خوشبو جنت کی یاد اور شوق دلا کر اعمال صالحہ کی ترغیب پر
ابھارتی ہے) ظاہر ہے کہ جس چیز کی اصل جنت سے آئی ہو وہ رحمت ہوا کرتی ہے۔ لہذا
تحفہ رحمت یا ہدیہ رحمت کو رد نہیں کرنا چاہئے۔ علامہ ملا علی قاری فرماتے ہیں یعنی اصل
الطيب من الجنة و خلق الله الطيب في الدنيا ليدكر العباد بطيب الدنيا طيب
الآخرة و يرغبون في الجنة و يزيدون في الاعمال الصالحة ليصلوا بسببها الى
الجنة (جمع ج ۲ ص ۷) (کہ خوشبو کا اصل منبع جنت سے ہے اور دنیا میں اللہ تعالیٰ نے خوشبو کو
اس لئے پیدا کیا کہ اس دنیاوی خوشبوؤں کی وجہ سے آخرت کی خوشبوئیں یاد دلائیں اور یہ
لوگ جنت کی رغبت اور اعمال صالحہ میں زیادتی کے سبب جنت تک رسائی حاصل کریں)۔

(۲۱۳/۶) حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ بْنِ مُجَالِدٍ بْنِ سَهْدَةَ الْأَهْمَدَانِيُّ حَدَّثَنَا أَبِي
عَنْ بَيَانَ عَنْ قَيْسِ بْنِ أَبِي حَازِمٍ عَنْ جَرِيرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ عَرَضْتُ بَيْنَ

محبوبِ خدا ﷺ کی درُبا دائیں -----
 يَدِي عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ فَأَلْقَى جَرِيرٌ رِدَاءَهُ وَمَشَى فِي إِزَارٍ فَقَالَ لَهُ خُذْ
 رِدَاءَكَ فَقَالَ عُمَرُ لِلْقَوْمِ مَا رَأَيْتُمْ رَجُلًا أَحْسَنَ صُورَةً مِنْ جَرِيرٍ إِلَّا مَا بَلَّغْنَا
 مِنْ صُورَةِ يُوسُفَ عَلَيْهِ السَّلَامُ -

ترجمہ! امام ترمذی کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت عمر بن اسماعیل بن مجالد بن سعید ہمدانی نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو میرے والد نے بیان کے واسطے سے بیان کی۔ انہوں نے یہ روایت قیس بن ابی حازم سے روایت کی اور انہوں نے جریر بن عبد اللہ بجلي سے سنی جو کہ صحابی رسول ہیں۔ جریر بن عبد اللہ بجلي حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں (معائنہ کے لئے) پیش کئے گئے، انہوں نے چادر اتار کر صرف لنگی میں چل کر اپنا امتحان کرایا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ چادر لے لو (معائنہ ہو چکا) پھر قوم کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ میں نے جریر سے زیادہ خوبصورت کبھی کسی کو نہیں دیکھا، سوائے حضرت یوسف علیہ السلام کی صورت کے جیسا کہ ہم تک پہنچا۔

راویان حدیث (۲۸۲) عمر بن اسماعیل الہمدانی (۲۸۳) ابی اسماعیل الہمدانی ابو عمر الکوفی (۲۸۴) بیان (۲۸۵) قیس بن ابی حازم اور (۲۸۶) جریر بن عبد اللہ کے حالات ”تذکرہ راویان شمائل ترمذی“ میں ملاحظہ فرمائیں۔

ترجمۃ الباب سے مناسبت :

شمائل کے بعض نسخوں میں یہ حدیث نہیں ہے۔۔۔ وقال میرک و لعلہ من ملحقات بعض النساخ سهواً (جمع ج ۲ ص ۲) (ملا میرک فرماتے ہیں کہ شاید یہ حدیث ملحقاتِ کاتبین میں سے ہو) کیونکہ بظاہر اس حدیث کی ترجمۃ الباب سے کوئی مناسبت بھی نہیں ہے، تاہم شارحین حدیث نے وجہ مناسبت لکھی ہے اور وہ صرف اتنی ہے کہ ہر خوبصورت آدمی خوشبو کو پسند اور استعمال کرتا ہے، اگرچہ وہ خوشبو ہر کسی پر ظاہر نہ ہو۔

البتہ وہ لوگ جن کے حواس کدورات سے پاک و صاف ہوتے ہیں، وہ اس خوشبو کا ادراک کر لیتے ہیں، جیسے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے وجود کی خوشبو کو حضرت یعقوب علیہ السلام نے دور مسافت سے سونگھ لیا انی لاجد ریح یوسف (کہ میں تو حضرت یوسف

علیہ السلام کی خوشبو محسوس کرتا ہوں) لہذا حضرت جریرؓ کی خوبصورتی میں بھی خوشبو کا حصہ ہے۔ گویا اس روایت کو ترجمۃ الباب کے ساتھ التزامی مناسبت ہے۔

علامہ ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں، ولا یخفی مافیہ من التکلف بل التعسف والاقرب ان یتصرف فی عنوان الباب بزیادۃ و حسن صورة الاصحاب و عرضہم علی ابن الخطاب واللہ اعلم بالصواب (جمع ج ۲ ص ۹) (اور اس میں جو تکلف اور تعسف ہوا (یعنی غیر واضح توجیہ اختیار کرنے میں جو تکلف ہوا) وہ مخفی نہیں ہے اور زیادہ قریب توجیہ یہ ہے کہ باب کے عنوان میں تصرف کر کے یہ زیادتی کی جائے کہ حسن صورة الاصحاب و عرضہم علی ابن الخطاب

حضرت جریر کا معائنہ :

عرضت بین یدی عمر بن الخطاب حضرت جریر بن عبد اللہ کہتے ہیں کہ مجھے حضرت عمر بن الخطابؓ کے سامنے پیش کیا گیا، جیسے سپاہیوں کو امیر لشکر کے سامنے پیش کیا جاتا ہے تاکہ وہ ان کی جسمانی اہلیت جاننے کے لئے معائنہ کریں، جو معیار پر پورا اتریں، انہیں لے لیں اور جو معیار پر پورا نہ اتریں انہیں واپس کر دیں۔ او هو للبناء للمفعول ای عرضنی علیہ من و لاہ ذلک لینظر فی قوتی و جلا دتی علی القتال (جمع ج ۲ ص ۸) (عرضت فعل مجہول کے صیغے پر) یعنی حضرت عمرؓ نے جس کو معائنہ کا متولی بنایا تھا اس نے مجھے آپؓ کے سامنے اس لئے پیش کیا کہ حضرت عمرؓ میری قوت مضبوطی اور جنگ پر صبر و استقلال کا از خود ملاحظہ فرمائیں) اس موقع پر حضرت جریر نے چادر اتار دی اور صرف تہبند میں جسمانی ساخت کا معائنہ کرایا، قدرے چلے تو حضرت عمرؓ نے ان کے جسم کی ساخت سینہ، کندھے، چال ڈھال اور رفتار ملاحظہ فرمائی۔ انہ فعل ذلک جریر اظہاراً لقوته و تجلده فی شجاعته (جمع ج ۲ ص ۸) (جریرؓ نے اپنا معائنہ مذکورہ طریقہ پر اس لئے کرایا تاکہ حضرت عمرؓ پر آپؓ کی بہادری اور زور و قوت کا ظہور ہو جاوے) تب حضرت عمرؓ نے فرمایا خذ رداءک یعنی چادر اوڑھ لو تمہارے جسم کا معائنہ ہو چکا ہے ای و اترک مشیک فانہ قد ظہر امرک (جمع ج ۲ ص ۸) (اور اپنی یہ چال ڈھال چھوڑ دے

محبوبِ خدا ﷺ کی دلزبا دوائیں
 کہ آپ کا معائنہ اب مکمل ہو چکا ہے)
 حضرت جریرؓ کی خوبصورتی :

اس کے بعد حضرت عمر فاروقؓ نے حاضرین کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا ماریت
 رجلاً احسن صورة من جریر میں نے آج تک جریر سے قد و قامت ، جسم و اندام ،
 ساخت اور وضع قطع اور حسن و جمال میں بڑھ کر کسی دوسرے کو نہیں دیکھا۔
 جمالِ محمدؐ اور حسنِ یوسفؑ :

الا ما بلغنا من صورت يوسف الصديق عليه السلام پھر حضرت عمرؓ فرمانے
 لگے کہ اپنی معلومات کی حد تک حضرت یوسف علیہ السلام کے متعلق جو سنا تھا بس وہی ہیں جو
 حسن و جمال میں ان سے بڑھ کر ہو سکتے ہیں۔ یہاں یہ اشکال نہ کیا جائے، حضرت عمر
 فاروقؓ نے حضرت یوسف علیہ السلام کا استثناء تو کیا لیکن جمالِ محمدؐ کا تذکرہ نہ کیا حالانکہ
 آپؐ تو خلاصہ کائنات تھے، حسن و جمال کا مرقع اور جسم، قد و قامت اور ساخت و وضع میں
 تمام نسل انسانی میں معتدل اور متوازن ترین خوبصورت شخصیت کے مالک تھے۔ حضرات
 محدثینؒ جواب میں فرماتے ہیں، وسکت سیدنا عمر عن جمال النبی محمد صلی
 اللہ علیہ وسلم و ذکر جمال یوسف، لأن جمال نبینا فوق کل جمال ولا یقاس به
 ای جمال (اتحافات ص ۲۶۹) (اور حضرت عمرؓ نے حضرت یوسف علیہ السلام کے جمال کا
 تذکرہ کر کے آپؐ کے حسن و جمال کے بیان کرنے سے اس لئے خاموشی اور سکوت فرمایا
 کیونکہ ہمارے نبی کریم ﷺ کی خوبصورتی اور جمال جملہ خوبصورتیوں پر فوقیت رکھتا ہے اور
 اس پر کسی خوبصورتی کو قیاس نہیں کیا جاسکتا)

حضرت ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں و قال بعض المحققین ان جمال نبینا صلی
 اللہ علیہ وسلم کان فی غایة الکمال و ان من جملة صفاته و کثرة ضیائه علی
 ماروی ان صورته کان یقع نورها علی الجدار بحيث یصیر کالمراة یحکی ما قابله
 من مرور المار لکن اللہ ستر عن اصحابه کثیرا من ذلك الجمال الزاهر والکمال

الباهر اذ لو برز اليهم لصعب النظر اليه عليهم (جمع ج ۲ ص ۹) (اور بعض محققین یہ کہتے ہیں کہ ہمارے نبی کریم ﷺ کا حسن و جمال بے حد اور انتہائی درجہ کمال میں تھا اور آپ ﷺ کے حسن و جمال کی صفائی کی روشنی کی ایک معمولی سی جھلک کا اندازہ اس روایت سے کیا جاسکتا ہے جس میں یہ مذکور ہے کہ آپ ﷺ کے چہرہ مبارک کا نور جب آئینہ کی مانند دیوار پر پڑتا تو اس کے پرتاؤ میں سامنے کی چیزیں اور گزرنے والوں کی شکلیں صاف نظر آ جاتی تھیں اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے آپ کے صحابہؓ سے بارہا ان کے حسن و جمال کی رونق اور خوشنمائی کو اس لئے پوشیدہ اور چھپائے رکھا کہ اگر ان پر آپ کے حسن و جمال کی خوبصورتی اور چمک دمک ظاہر کر دی جاتی تو پھر آپ کی طرف دیکھنا بھی مشکل ہو جاتا)

=====

بَابُ كَيْفَ كَانَ كَلَامُ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

باب ! اس بیان میں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کیسی گفتگو فرماتے تھے

باب کیف ای علی ای صفة کان کلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم ۔ درحقیقت یہاں پر مضاف الیہ مقدر ہے ای باب جواب کیف کان کلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (مناوی ص ۹)

لفظ کلام کی بحث :

کلام اسم مصدر ہے، بمعنی تکلم کے یا بمعنی ما یتکلم بہ (جس چیز کے ساتھ بات کی جائے) کے اور اگر دونوں معانی مراد لئے جائیں تب بھی درست ہے۔ ویصح ارادة کل منهما هنا اذ يلزم من بيان كيفية التكليم بيان كيفية ما يتكلم به و بالعكس (مواہب ص ۱۶۰) اور یہاں دونوں معانی کا ارادہ بھی کیا جاسکتا ہے اس لئے کہ تکلم کی کیفیت کے بیان سے جس چیز کے ساتھ تکلم کیا جائے کی بیان کیفیت خود بخود معلوم ہو جاتی ہے) اس بات میں حضور اقدس ﷺ کے انداز گفتگو کا بیان ہے کہ آپ کا بیان اور طرز بیان کیا تھا الفاظ کتنے مناسب اور موزون تھے۔

حقیقت یہ ہے کہ فصاحت و بلاغت اور عربی ادب کو آپ پر ناز تھا اور کیوں نہ ہوتا کہ آپ کی گفتگو بھی تو وحی الہی تھی۔ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ ۝ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ (النجم: ۳، ۴) (اور نہیں بولتا خواہش اپنی نہیں وہ مگر وحی کہ بھیجی جاتی ہے)

حدیث رسول ﷺ کا شغل رکھنے والے جانتے ہیں کہ آپ ﷺ کے کلام

میں کس قدر محبوبیت ہے

نہ تنہا عشق از دیدار خیزد بسا کیں دولت از گفتار خیزد

ں باب میں مصنف نے تین احادیث درج فرمائی ہیں۔

(۲۱۶/۱) حَدَّثَنَا حُمَيْدُ بْنُ مَسْعَدَةَ الْبَصْرِيُّ حَدَّثَنَا حُمَيْدُ بْنُ الْأَسْوَدِ عَنْ أُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا قَالَتْ مَا كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْرُدُ سَرْدَكُمْ هَذَا وَ لَكِنَّهُ كَانَ يَتَكَلَّمُ بِكَلَامٍ بَيْنَ فَصْلِ يَحْفَظُهُ مَنْ جَلَسَ إِلَيْهِ۔

ترجمہ! امام ترمذی کہتے ہیں کہ ہمیں یہ حدیث حمید بن مسعدہ بصری نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں اسے حمید بن اسود نے بیان کیا۔ انہوں نے یہ روایت اسامہ بن زید سے اور انہوں نے زہری سے روایت کی۔ انہوں نے یہ روایت عروہ سے سنی، جنہوں نے ام المؤمنین عائشہ صدیقہ سے نقل کی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور اقدس ﷺ کی گفتگو تم لوگوں کی طرح سے لگاتار جلدی جلدی نہیں ہوتی تھی بلکہ صاف صاف ہر مضمون دوسرے سے ممتاز ہوتا تھا۔ پاس بیٹھنے والے اچھی طرح ذہن نشین کر لیتے تھے۔

راویان حدیث (۴۸۷) حمید بن مسعدہ اور (۴۸۸) اسامہ بن زید کے حالات ”تذکرہ راویان شمائل ترمذی“ میں ملاحظہ فرمائیں۔

شیرینی گفتار :

قالت ما كان رسول الله ﷺ يسرد يسرد كما معنى جوڑنا، ٹانگنا، فر فر بولنا اور بلا توقف پڑھتے چلے جانا۔ علامہ ملا علی قاری فرماتے ہیں يسرد ای فی کلامہ والمعنی لم يصل بعضه ببعض بحيث لا يتبين بعض حروفه لسامعه (جمع ج ۲ ص ۱۰) (یعنی آپ لگاتار گفتگو نہ فرماتے تھے مطلب یہ کہ آپ ﷺ اپنی گفتگو میں ایسا خلط ملط نہ فرماتے جس سے سننے والے کو بعض حروف سمجھ میں نہ آسکیں)

بین کا معنی واضح اور ظاہر۔ فصل یہ بین کی تاکید ہے۔ والمراد به انه كلام فاصل بين الحق والباطل (جمع ج ۲ ص ۱۰) (اور فصل سے مراد ایسا کلام جو حق و باطل کے درمیان امتیاز اور حدِ فاصل ہو) معنی ظاہر ہے کہ سرور عالم ﷺ کی گفتگو میں سکون

محبوب خدا ﷺ کی دلزبا دائیں -----
 اطمینان، تسلی اور تشفی ہوا کرتی تھی۔ اپنی بات واضح طور پر سمجھاتے، گفتگو میں ٹھہراؤ ہوتا، ٹھہر
 ٹھہر کر کلام فرماتے۔ حاضرین آپ کی سنجیدہ، حکیمانہ اور میٹھی گفتگو بہ آسانی سمجھ کر یاد کر لے
 کرتے تھے۔ يحفظه من جلس اليه . وفي الجامع الصغير أحبوا العرب لثلاث
 لأنى عربى ، والقرآن عربى و كلام اهل الجنة عربى رواه الطبرانى والبيهقى عن
 ابن عباس (جامع صغير میں طبرانی اور بیہقی ابن عباس سے روایت کرتے ہیں کہ حضور ﷺ
 نے فرمایا کہ عرب لوگوں سے تین وجوہ سے محبت کیا کرو۔ اس لئے کہ میں عربی ہوں اور
 قرآن مجید عربی میں ہے اور جنت والوں کی گفتگو بھی عربی ہوگی)

حافظ ابن حجر کا ارشاد :

قال ابن حجر كان رسول الله ﷺ افصح الخلق لساناً ، واعدبهم كلاماً
 واسرعهم رداً ، واحلاهم منطقاً و احلهم جناحاً ، و اوضحهم بياناً ، كيف و لسانه
 أعظم سيف من سيف الله بين عنه مراده ، و يقصم بساطع نوره حجج المبطلين ،
 ويهدى الله به عباده (اتحانات ص ۲۷۰) (ابن حجر فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ سب مخلوق
 ہیں خوش بیانی کے لحاظ سے فصیح ترین اور گفتگو میں زیادہ شیرین اور جواب دہی میں حاضر
 جواب تھے ان کا بیان انتہائی واضح اور دلوں پر زیادہ اثر انداز ہوتا تھا اور کیوں نہ ہو جبکہ آپ
 کی زبان مبارک اللہ کی تلواروں میں ایک بڑی تلوار تھی کہ اس کے ذریعہ اپنے مقصد اور مراد
 کو واضح کیا اور نور کی بلندی اور پھیلاؤ سے اہل باطل کے دلائل کو توڑ دیا اور اللہ تعالیٰ نے اس
 کے ذریعہ اپنے بندوں کو ہدایت سے سرفراز فرمایا)

صحیحین میں سیدہ عائشہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس ﷺ اس قدر تسہیل،
 ٹھہراؤ اور میٹھا بولتے تھے کہ اگر کوئی سامع آپ کے الفاظ گفتگو گننا بھی چاہتا، تو وہ اس میں
 کامیاب ہو جاتا لوعده العاد لأحصاه (جمع ج ۲ ص ۱۱)

(۲۱۷/۲) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيَى حَدَّثَنَا أَبُو قَتَيْبَةَ سَلْمُ بْنُ قَتَيْبَةَ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ
 - بِنِ الْمُثَنَّى عَنْ ثَمَامَةَ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يُعِيدُ

الْكَلِمَةَ ثَلَاثًا لَتُعْقَلَ عَنْهُ -

ترجمہ! امام ترمذی کہتے ہیں کہ ہمیں یہ حدیث محمد بن یحییٰ نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے قتیبة نے بیان کیا۔ انہوں نے یہ روایت عبداللہ بن ثنیٰ سے سنی۔ انہوں نے اسے شامہ سے روایت کیا۔ جنہوں نے اسے خادم رسول حضرت انس بن مالکؓ سے نقل کیا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ (بعض مرتبہ) کلام کو (حسب ضرورت) تین تین مرتبہ دہراتے تاکہ آپ کے سننے والے اچھی طرح سمجھ لیں۔

راوی حدیث (۲۸۹) ابوقتیبة سلم بن قتیبة کے حالات ”مذکرہ راویان شمائل ترمذی“ میں ملاحظہ فرمائیں

حضور اقدس ﷺ کا تین مرتبہ کلام دہرانا :

قال كان رسول الله ﷺ يعيد الكلمة ثلاثا لتعقل عنه حضور اقدس ﷺ کا تین مرتبہ ایک ایک بات کا دہرانا اپنی امت پر کمال درجہ کی شفقت سے تھا، تاکہ صحابہ کرامؓ آپ کے ارشادات احکام اور اوامر اور ہدایات کو ذہن نشین کر کے حفظ کر لیں اور امت مرحومہ تک پہنچادیں۔ حدیث میں لفظ الكلمة سے مراد کلمہ مفردہ جملہ قصیرہ اور الطویلہ تینوں مراد لئے جاسکتے ہیں۔ تطلق على كلمة المفردة ، والجملة القصيرة والطويلة (اشحاکات ص ۲۷۲) شفیق انسانیت ﷺ کی گفتگو نہایت ہی دلجمعی، اطمینان قلب اور بھرپور توجہ کے ساتھ ہوتی۔

تکرار کلام کیوں؟

تکرار کی وجہ بھی یہی تھی تاکہ ادنیٰ، اوسط اور اعلیٰ سب آپ ﷺ کے کلام سے برابر مستفید ہو سکیں۔ تین مرتبہ غایت اکثر یہ ہے، ورنہ ایک مرتبہ یا دو مرتبہ سے بھی اگر مقصد حاصل ہو جاتا، تو اسی پر اکتفا فرما لیتے۔ علامہ مناوی فرماتے ہیں کہ تین مرتبہ بات کو دہرانا آخری درجہ ہوتا اس کے بعد پھر اسی بات کو نہ دہراتے۔ ان الثلاثة غاية وبعده لا مراجعة (مناوی ص ۱۱)

محبوب خدا ﷺ کی دلِ باادائیں -----
یہ تکرار کلام بھی تب ہوتی، جب سامعین کی کثرت ہوتی اور مجلس میں مختلف
الاذہان حاضرین موجود ہوتے یا کبھی ایسا ہوتا کہ بعض الفاظ یا ارشاد سامعین پر مختلط ہو جاتا
اور وہ مراد حاصل نہ کر پاتے تو آپؐ اس جملہ کا تکرار فرمادیتے و لعل التکرار کان حین
یدعو الی ذلک حاجة (اتحافات ص ۲۷۲) (اور آپؐ کلام میں تکرار بھی حسبِ ضرورت کیا
کرتے) الشیخ ابراہیم البجوریؒ لکھتے ہیں والمراد انه کان یکرر الکلام ثلاثاً اذا اقتضی
المقام ذلک لصعوبة المعنی او غرابته او كثرة السامعین لادائما فان تکریر الکلام
من غیر حاجة لتکریرہ لیس من البلاغة (موہب ص ۱۶۱) (اور مطلب یہ کہ حضور ﷺ کا
بات کو تین بار دہرانا بھی اس وقت ہوتا کہ جب کلام کا معنی مشکل یا اس میں کوئی غرابت
(اجنبیت وغیرہ) ہوتی اور یا پھر سننے والوں کی کثرت نہ کہ دائمی طور پر اس لئے کہ کلام کو بلا
ضرورت مکرر لانا علمِ بلاغت کے اصول میں سے نہیں) و حملہ علی ما اذا عرض
للسامعین نحو لفظ فاختلط علیہم فیعیدہ لہم لیفہموہ او علی ما اذ کثر
المخاطبون فیلنفت مرة یمیناً و اخرى شمالاً لیسمع الكل (مناوی ص ۱۱) (علامہ مناویؒ
فرماتے ہیں اور اس کا حمل کرنا اس صورت پر کہ سامعین کو شور وغیرہ پیش ہونے سے چونکہ
ان پر گفتگو خلط ملط ہو گئی پس اس کلام کو اس لئے دہرایا کہ وہ سمجھ جائیں یا چونکہ مخاطبین کثیر
تعداد میں تھے تو آپؐ کبھی دائیں طرف متوجہ ہوتے اور پھر بائیں طرف متوجہ ہو کر وہی
کلام مکرر دہراتے تاکہ سب سن لیں) تو اس توجیہ کو عصام نے رد کیا ہے لیکن شارحؒ نے بھی
اسے تسلیم نہیں کیا۔

نیز امام مناویؒ نے آپؐ کے تکرار کلام کی مزید حکمتیں بھی لکھی ہیں و حکمتہ ان
الاولی للاسماع والثانیة للوعی والثالثة للفکر او الاولی اسماع والثانیة تنبیہ والثالثة
امر (مناوی ص ۱۱) (فرماتے ہیں کہ آپؐ کے تکرار کلام کی علت اور حکمت یہ ہے کہ پہلا کلام تو
سنانے کے لئے اور دوبارہ تکرار اس کے محفوظ کرنے کے لئے اور تیسری بار اس میں غور و فکر
کرنے کے لئے یا پھر پہلی بار تو سنانے کے لئے اور دوسری بار تنبیہ کے لئے اور تیسری بار حکم
کے لئے)

مبلغ، واعظ اور مدرس کے لئے ہدایات :

لتعقل عنه ! یہ حضور اقدس ﷺ کے کمال حسن خلق، کمال شفقت و عنایت اور رحمت علی الخلق کی دلیل ہے۔ ہذا دلیل علی کمال حسن الخلق والشفقة والمرحمة علی الخلق (جمع ج ۲ ص ۱۱)

لہذا ایک مبلغ، واعظ اور مدرس کو بھی چاہئے کہ اپنی گفتگو میں تسہیل اور تکرار رکھے تاکہ سامعین اس کی بات کو اچھی طرح سمجھ کر یاد کر لیں اور عمل کر سکیں۔ ویوخذ من الحدیث ان المعلم یتانی فی القائه الموعظة لیفہمها السامعون (اتحافات ص ۲۷۲)

(۲۱۸/۳) حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ وَكِيعٍ أَبَانَا جُمَيْعُ بْنُ عَمْرِو بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ الْعِجْلِيُّ حَدَّثَنِي رَجُلٌ مِنْ بَنِي تَمِيمٍ مِنْ وُلْدِ أَبِي هَالَةَ زَوْجِ خَدِيجَةَ يُكْنَى أَبَا عَبْدِ اللَّهِ عَنِ ابْنِ أَبِي هَالَةَ عَنِ الْحَسَنِ بْنِ عَلِيٍّ قَالَ سَأَلْتُ خَالَي هِنْدَ بْنَ أَبِي هَالَةَ وَكَانَ وَصَافًا قُلْتُ صِفْ لِي مَنْطِقَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُتَوَاصِلَ الْأَحْزَانِ دَائِمَ الْفِكْرَةِ لَيْسَتْ لَهُ رَاحَةٌ طَوِيلُ السَّكْتِ لَا يَتَكَلَّمُ فِي غَيْرِ حَاجَةٍ يَفْتَحُ الْكَلَامَ وَيَخْتِمُهُ بِأَشْدَاقِهِ وَ يَتَكَلَّمُ بِجَوَامِعِ الْكَلِمِ كَلَامُهُ فَضْلٌ لَا فَضُولَ وَلَا تَقْصِيرَ لَيْسَ بِالْجَا فِي وَلَا الْمُهَيَّنِ يُعْظِمُ النِّعْمَةَ وَإِنْ دَقَّتْ لَا يَذُمُّ مِنْهَا شَيْئًا غَيْرَ أَنَّهُ لَمْ يَكُنْ يَذُمُّ ذَوَاقًا وَلَا يَمْدَحُهُ وَلَا تَغْضِبُهُ الدُّنْيَا وَلَا مَا كَانَ لَهَا فَإِذَا تُعْدِيَ الْحَقُّ لَمْ يَقُمْ لِعُضْبِهِ شَيْءٌ حَتَّى يَنْتَصِرَ لَهُ وَلَا يَغْضِبُ لِنَفْسِهِ وَلَا يَنْتَصِرُ لَهَا إِذَا أَشَارَ بِكَفِّهِ كُلِّهَا وَإِذَا تَعَجَّبَ قَلْبَهَا وَإِذَا تَحَدَّثَ اتَّصَلَ بِهَا وَضَرَبَ بِرَاحَتِهِ الْيُمْنَى بَطْنَ إِبْهَامِهِ الْيُسْرَى وَإِذَا غَضِبَ أَعْرَضَ وَأَشَاحَ وَإِذَا فَرِحَ غَضَّ طَرْفَهُ جُلُّ ضِحْكِهِ التَّبَسُّمُ يَفْتَرُّ عَنْ مِثْلِ حَبِّ الْغَمَامِ-

ترجمہ ! امام ترمذی کہتے ہیں کہ ہمیں یہ حدیث سفیان بن وکیع نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اس کی جمیع بن عمرو بن عبدالرحمن عجلی نے خبر دی۔ وہ کہتے ہیں کہ مجھے یہ روایت بنی

تیم کے ایک آدمی ابو عبد اللہ نے بیان کی جو کہ ام المؤمنین حضرت خدیجہؓ کے پہلے شوہر ابو ہالہ کی اولاد میں سے تھا۔ اُس نے یہ روایت ابن ابی ہالہ سے روایت کی۔ وہ یہ روایت حضرت حسن بن علیؓ سے کرتے ہیں۔ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے ماموں ہند بن ابی ہالہ سے جو حضور ﷺ کے اوصاف اکثر بیان فرماتے تھے عرض کیا کہ حضور اقدس ﷺ کی گفتگو کی کیفیت مجھ سے بیان فرمائیے۔ انہوں نے فرمایا کہ حضور ﷺ (آخرت کے) غم میں متواتر مشغول رہتے۔ ہر وقت سوچ میں رہتے تھے۔ ان امور کی وجہ سے کسی وقت آپ ﷺ کو بے فکری اور راحت نہیں ہوتی تھی، اکثر اوقات خاموش رہتے تھے۔ بلا ضرورت گفتگو نہ فرماتے تھے۔ آپ ﷺ کی تمام گفتگو ابتدا سے انتہاء تک منہ بھر کر ہوتی تھی۔ جامع الفاظ کے ساتھ کلام فرماتے تھے۔ آپ ﷺ کا کلام ایک دوسرے سے ممتاز ہوتا تھا نہ اس میں فضولیات ہوتی تھیں نہ کوتاہیاں کہ مطلب پوری طرح واضح نہ ہو۔ آپ ﷺ نہ سخت مزاج تھے نہ کسی کی تذلیل فرماتے تھے۔ اللہ کی نعمت خواہ کتنی ہی تھوڑی ہو، اس کو بہت بڑا سمجھتے تھے۔ اس کی مذمت نہ فرماتے تھے۔ البتہ کھانے کی اشیاء کی نہ مذمت فرماتے نہ زیادہ تعریف۔ دنیا اور دنیاوی امور کی وجہ سے آپ ﷺ کو کبھی غصہ نہ آتا تھا۔ البتہ کسی دینی امر اور حق بات سے کوئی شخص تجاوز کرتا تو اس وقت آپ ﷺ کے غصہ کی کوئی شخص تاب نہ لاسکتا تھا اور کوئی اس کو روک بھی نہ سکتا تھا۔ یہاں تک کہ آپ ﷺ اس کا انتقام نہ لے لیں۔ اپنی ذات کے لئے نہ کسی پر ناراض ہوتے تھے نہ اس کا انتقام لیتے تھے، جب کسی وجہ سے کسی جانب اشارہ فرماتے تو پورے ہاتھ سے اشارہ فرماتے۔ جب کسی بات پر تعجب فرماتے تو ہاتھ پلٹ لیتے تھے اور جب بات کرتے تو اس کو ملا لیتے (کبھی گفتگو کے ساتھ ہاتھوں کو بھی حرکت فرماتے) اور کبھی داہنی ہتھیلی کو بائیں انگوٹھے کے اندرونی حصہ پر مارتے اور جب کسی پر ناراض ہوتے تو اس سے منہ پھیر لیتے اور بے توجہی فرماتے یا درگزر فرماتے اور جب خوش ہوتے تو حیا کی وجہ سے آنکھیں گویا بند فرما لیتے۔ آپ ﷺ کی اکثر ہنسی تبسم ہوتی تھی۔ اُس وقت آپ ﷺ کے دندان مبارک اولے کی طرح چمک دار سفید ظاہر ہوتے تھے۔

(صلی اللہ علیہ والہ : بحسب جمالہ و کمالہ)

حضرت حسن بن علیؑ سے منقول اس حدیث کا کچھ حصہ پہلے باب کی حدیث نمبر سات (۷) میں بھی نقل ہو چکا ہے۔ کچھ حصہ بعد میں بھی بیان ہوا ہے، کچھ حصہ اس روایت میں اور کچھ بعد والی روایات میں نقل ہوا ہے۔

”وصافا“ کی مراد :

وکان وصافاً ہند بن ابی ہالہ جو حضرت خدیجہؓ کے پہلے خاوند سے فرزند تھے اور اُن کے ساتھ حضور اقدس ﷺ کی آغوشِ تربیت میں آئے تھے۔ اُن کی یہ خصوصیت تھی کہ آپؐ کے گھر میں پرورش پانے اور آپ ﷺ کی صحبت میں رہنے کی وجہ سے آپ ﷺ کی ذاتِ اقدس احوال و اعمال اور اوصاف کا بہت قریب سے مشاہدہ کیا تھا۔ اس لئے آپ ﷺ کے اوصاف بہت واضح اور عشق و محبت سے بیان کیا کرتے تھے۔ حضور اقدس ﷺ کے ارتحال کے وقت حضرت حسنؑ کی عمر چھوٹی تھی۔ لہذا آپ اپنے ماموں ہند بن ابی ہالہ سے آپ ﷺ کے اوصاف سنانے کا مطالبہ کیا کرتے تھے۔

یہاں وصافاً سے مراد حضور اقدس ﷺ کے حلیہ مبارک کے وصف کا بیان ہے

- ای لحلیۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کما صرحت بہ الروایۃ السابقۃ اول الكتاب (

مناوی ص ۱۱) (جیسے کہ کتاب کے شروع میں ایک گذشتہ روایت میں اس کی تصریح ہے)

ذکر حبیب کم نہیں وصلِ حبیب سے :

کان متواصل الاحزان سوال تو صرف حضور اقدس ﷺ کی گفتگو سے

متعلق تھا، لیکن جواب میں تفصیل ہے یہ تو حضور ﷺ سے محبت، عشق و والہیت اور ذکر

محبوب میں حصولِ لذت و محبت کی اک ادا ہے کہ ع

ذکر حبیب کم نہیں وصلِ حبیب سے

اس میں امت کے محبین صادقین کے لئے بھی بہت کچھ سامانِ فرحت و محبت اور

بہت سے علمی فوائد کا حصول ہے جیسا کہ صاحبِ اتحافات لکھتے ہیں۔ ولکن المجیب

محبوب خدا ﷺ کی دلزبا دوائیں -----
 استرسل فی الجواب واستطرد فیہ ، فأفادنا فوائد كثيرة (اتحافات ص ۲۷۳)

متواصل الاحزان :

متواصل الاحزان ، یعنی آپ ﷺ غم متواتر میں مشغول رہتے تھے۔ حزن سے یہ مراد نہیں کہ آپ ﷺ کو ترکِ مطلوب پر الم یا فوتِ مرغوب پر ملال ہوتا تھا کیونکہ آپ ﷺ ان چیزوں سے بری تھے لایحزون لشیء من هذا کله (اتحافات ص ۲۷۳) بلکہ تواصل سے مراد فکرِ اُمت کے اہتمام کا تسلسل تھا۔ فروغِ دعوت کی فکر تھی اور مستقبل کے چیلنجز کے مقابلہ کے لئے امت کو تیار کرنے کی مساعی کا غم ہوتا تھا، گویا بہبودِ اُمت کی ہمہ وقتی فکر رہتی تھی یا حزن سے مراد ذات و صفات باری تعالیٰ کا مشاہدہ ہے او المراد بالحنن الهدؤ الذی یشملہ ﷺ والجلال الذی یحیط بہ من کثرة مشاہدته لجلال اللہ و عظمتہ (اتحافات ص ۲۷۳) علامہ بیجوری فرماتے ہیں والتواصل یفید معنی الایمومة وقد صرح بها فی المعطوف والحنن صفة الانبیاء قدیمًا اذ هو حالة خوف وهو علی قدر المعرفة كما قال بعضهم
 علی قدر علم المرء یعظم خوفه فلا عالم الا من اللہ خائف

(المواہب ص ۱۶۱)

(کہ متصل الاحزان میں دوامِ حزن کے معنی کا فائدہ ہے اور اس کی تصریح معطوف میں کر دی یعنی دائم الفکرۃ کے لفظ سے ہو گئی اور یہ حزن اور متواتر غم تو انبیاء کرام علیہم السلام کی عادتِ مستمرہ قدیمہ ہی ہے اور پھر ان میں ہم و حزن بھی اللہ تعالیٰ کی معرفت کے بقدر ہوتا ہے۔ جیسے کہ بعض حضرات نے فرمایا انسان کے علم ہی کی مقدار پر اس کے خوف کی عظمت ہوتی ہے پس کوئی عالم نہیں مگر اللہ ہی سے ڈرنے والا ہوتا ہے)

ایک تعارض کا جواب :

یہ جو بظاہر متصل الاحزان کا ان روایات سے جن میں آپ کا وصف کان دائم البشر اوضحوک السن (کہ آپ ہمیشہ خندہ رواور متبسم ہوا کرتے) بیان کیا گیا

ہے سے جو تعارض ہے ہمارے بیان کردہ معنی سے اس کا بھی دفعیہ ہو گیا ہے۔ آپؐ کا دائم البشر ہونا قطعی ثابت ہے لان خزنہ لا یمنع اشراق جبینہ، والذین و صفوہ بلوام البشر، و صفوہ بہ لأن اشراقہ و بشرہ کان ہادئین یلقیان بجمال النبوة و أدبها و قال بعض المحبین.....

اذا ما شرعت فی ملیحک راقنی لحسنہ و استجلالہ فاغیب
و یتبع بعض بعضا لارتباط و کثرہ، و الكل منه عجیب

(اتحافات ص ۲۷۲)

(اس لئے کہ آپؐ کی غمگینی اور حزن آپؐ کے چہرہ کی رونق اور خوش روئی سے مانع نہ ہوتا اور جن لوگوں نے آپؐ کو ہمیشہ خندہ پیشانی اور بارونق ہونے سے ہمیشہ موصوف کیا ہے وہ اس لئے کہ یہ تو آپؐ کی ایک عادت اور دائمی خصلت تھی جو کہ نبوت کے پرتاؤ اور اچھی روش کا نتیجہ ہوتی تھی اور بعض مجہین (عشاق) حضرات کہتے ہیں کہ جب کبھی میں آپؐ کی مدح اور تعریف کرتا ہوں تو ان کے حسن و جلاء سے متعجب ہو کر مستغرق ہو جاتا ہوں اور مدائح بوجہ اپنی کثرت اور مربوط ہونے کے پے درپے اور مسلسل وارد ہوتے رہے اور یہ سب کچھ اس سے عجیب اور حیران کن ہے)

دائم الفکرہ :

الفکرہ، العبرۃ من الاعتبار کی طرح الافکار سے اسم ہے۔ الفکر، کالغوی معنی علامہ بیجوریؒ تردد القلب بالنظر والتدبر لطلب المعانی (دل کا معانی کی طلب اور تلاش میں تدبر اور سوچ میں پڑ جانا) سے کرتے ہیں اور اصطلاحی تعریف یوں نقل فرماتے ہیں ترتیب امور معلومہ لیوصل بہا الی مطلوب علمی أو ظنی (مواہب ص ۱۶۲) (امور معلومہ کو ایسی ترتیب دینا جس کے ذریعہ ایک یقینی یا ظنی مطلوب اور نتیجہ تک پہنچ جائیں)

اللہ تعالیٰ کی عظمت و جلالت، کبریائی و بے نیازی اور جلوہ جمال میں آپؐ کو جو شہود تھا، اس کی وجہ سے ہر وقت تفکر میں رہتے۔ بقول شیخ ابن حجرؒ ہر وقت صنائع الہی میں فکر

محبوبِ خدا ﷺ کی دلربا دانیوں کی

کرتے رہتے تھے۔ علامہ احمد عبدالجواد الدومی لکھتے ہیں فی خلق السموات والارض و
ادارة الملكوت العظيم و قد جاء في الخبر تفكر ساعة خير من عبادة سبعين سنة
(الاتحافات ص ۲۷۲) (کہ آپؐ اکثر اوقات آسمان وزمین کی پیدائش اور اس کائناتِ عظیمہ
کو متحرک رکھنے وغیرہ میں غور و فکر فرمایا کرتے تھے اور حدیث شریف میں ہے کہ ایک لمحہ کا
تفکر و تدبر کرنا ستر سال کی عبادت سے بہتر ہے)

لیست له راحة :

یہ دائم الفکر کے لوازم سے ہے کہ آپؐ کو آرام نہیں ملا۔ آپؐ نے مکی زندگی
انتہائی جہد و مشقت، محنت و مجاہدہ میں گذاری، پھر ہجرت بجائے خود ایک محنت و امتحان ہے
۔ مدنی زندگی کفار کے ساتھ جہاد میں گذاری۔ اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے مسلسل ہر لمحہ فکر اور عمل
میں رہے۔ عبادات، مجاہدات اور ریاضت میں انہماک اس کے علاوہ تھا، دعوت و تبلیغ کے
امور اس پر مستزاد۔ آرام کہاں اور راحت کیسے؟ و کیف یستريح والراحة فرع فراغ
الخاطر وله الفكر المتواتر والصلاة والجهاد والتعليم والاعتبار والاهتمام باظهار
الاسلام والذب عن اهلہ و حماية بيضتہ (مناوی ج ۲ ص ۱۲) (اور آپؐ کیسے آرام فرما سکتے
جب کہ راحت و آرام دل و دماغ کی فراغت اور اطمینان پر متفرع ہے حالانکہ حضور ﷺ یا تو
متواتر اور مسلسل فکر و تدبر میں مشغول ہوتے یا پھر نماز، جہاد، تعلیم و تبلیغ اور اظہار اسلام کے اہتمام
اور اسلام و مسلمانوں کی مدافعت اور حفاظت کے امور میں فکر مند ہوا کرتے) فظاہرہ مشغول
بذلک و باطنہ موصول بذی الجلال والاكرام (اتحافات ص ۲۷۲) (پس آپؐ ظاہری طور
پر تو ان امور میں فکر مند اور مشغول ہوا کرتے اور باطنی طور پر اللہ تعالیٰ کی عظمت جلالت
و کبریائی میں مستغرق ہوتے)

طویل السکت :

طویل السکت، طویل خاموشی بھی دوام الفکر کے لوازم میں سے ہے لمنافاة
الفکر النطق (مناوی ج ۲ ص ۱۲) (کیونکہ غور و فکر اور تدبر بول چال کے منافی ہے) چونکہ

آپ اکثر اللہ تعالیٰ کی قدرتوں، اس کی عجیب مخلوقات، عظمت و کمال اور دلائل و براہین توحید میں غور فرماتے رہتے۔ لہذا اکثر خاموش رہتے، جیسے کہ ترمذی اور احمد نے حضرت ابن عمرؓ سے روایت کی ہے من صمت نجا (جو خاموش رہا نجات پائی) ایک دوسری روایت ہے من کان یومن باللہ والیوم الآخر فلیقل خیرا او لیسکت (جو شخص اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان و یقین رکھتا ہے پس چاہئے کہ وہ نیکی اور بھلائی کی بات کرے یا پھر چپ رہے) ایک روایت میں حضرت ابو بکر صدیقؓ کا یہ قول منقول ہے لیتنی کنت اخرس الا عن ذکر اللہ (جمع ج ۲ ص ۱۲) (کاش کہ میں اللہ کے ذکر کرنے کے سوا گونگا ہوتا)

حسبِ ضرورت گفتگو :

لا یتکلم فی غیر حاجتہای لنفسہ او لغيرہ (مواہب ص ۱۶۲) یعنی آپؐ بلا ضرورت گفتگو نہ فرماتے تھے کہ بے ضرورت گفتگو لغو باتوں اور بلا یعنی قصوں میں مشغولیت ہے اور آپؐ تو ان سے محفوظ ہیں لان الکلام فی غیر حاجۃ من العبث و هو مصون عنہ (مواہب ص ۱۶۲) جبکہ حضور اقدس ﷺ کی عام گفتگو بھی توحی الہی ہوا کرتی تھی۔ وما ینطق عن الہوی ان هو الا وحی یوحی (اور نہیں بولتا خواہش اپنی سے نہیں وہ مگر وحی کے بھیجی جاتی ہے) پھر آپؐ ہی کے تعلیمات ہیں من حسن اسلام المرء ترکہ مالا یعنہ (کسی انسان کے اسلام کی خوبی یہ ہے کہ وہ فضول اور بے فائدہ چیزیں چھوڑ دے) ایک جگہ یہ بھی ارشاد فرمایا من کان یومن باللہ والیوم الآخر فلیقل خیرا او لیصمت (مواہب ص ۱۶۲) (جس کا اللہ اور یوم آخرت پر ایمان و یقین ہو تو پھر چاہئے کہ نیکی اور بھلائی کی گفتگو کرے یا پھر خاموشی اختیار کرے)

آغاز و اختتامِ کلام کی کیفیت :

یفتح الکلام و یختمہ بأشداقہ یعنی حضور اقدس ﷺ اپنے کلام کا آغاز و اختتام بھرے منہ کیا کرتے تھے۔ شوق طرف انم کو کہتے ہیں۔ یہاں اشداق سے

مراد ما فوق الواحد ہے۔ لان له شلقین (مواہب ص ۱۶۲) (اس لئے کہ آپ کے منہ کے دو طرف تھے) یعنی آپ مغروروں اور متکبروں کے طرح ادھوری بات نہیں کرتے تھے، نہ الفاظ چباتے اور نہ ناز و انداز سے حروف توڑتے نہ صرف ہونٹوں کی حرکت پر اکتفا کرتے بلکہ آپ بھرے منہ کلام فرماتے۔ علامہ بیجوریؒ کے الفاظ یہ ہیں انہ کان يستعمل جميع فمه للتكلم ولا يقتصر على تحريك شفثيه كما يفعله المتكبرون (مواہب ص ۱۶۲) بعض روایات میں اشفاق کی جگہ اسم اللہ نقل ہوا ہے جو دونوں افعال افتتاح و اختتام سے مربوط ہے علی سبیل التنازع کیونکہ آپ کا کلام اللہ کے نام کی برکت کے ساتھ محفوف ہوا کرتا تھا۔ مراد یہ ہے کہ آغاز کلام میں بسملہ پڑھتے تھے اور اختتام کلام میں حمد لہ۔ اختتام میں خصوص بسملہ مراد نہیں جیسا کہ یہ آپ کا مشہور معمول بھی نہ تھا۔ لہذا متکلم کے لئے بھی یہی سنت ہے کہ وہ کلام کا آغاز بسملہ پر اور اختتام حمد لہ پر کریں۔ علامہ ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں۔ ما ظن انہ صدر من صدره الشريف كلمة ولا حرف الا مقروناً بذكر الله المنيف لان بعض اتباعه يقول۔

ولو خطرت لي في سواك ارادة علي خاطري سهواً حكمة بردتي

(جمع ج ۲ ص ۱۲)

(میں تو یہ گمان نہیں کر سکتا کہ آپ کے دل سے کوئی کلمہ یا حرف نکلا ہو اور وہ اللہ کے ذکر کے ساتھ مقرون نہ ہوا کرتا ہو اس لئے بعض تبعین کا تو یہ کہنا ہے کہ اگر میرے دل میں تیرے سوا کوئی ارادہ غلطی سے بھی آئے تو پھر میں اپنے مرتد ہونے کا حکم دوں گا)

و يتكلم بجوامع الكلم :

الجوامع جامعۃ کی جمع ہے اور الکلم (بفتح الکاف و کسر اللام) اسم جنس ہے۔ ویؤیدہ قولہ تعالیٰ الیہ یصعد الکلم الطیب (جمع ج ۲ ص ۱۳) حدیث میں اضافت من قبیل اضافه الصفة الی الموصوف (جوامع الکلم کی اضافت از قبیل اضافت صفت کی موصوف کی طرف) کے ہے۔ معنی یہ ہے کہ آپ گفتگو میں کم سے کم الفاظ استعمال فرماتے تھے، جو کثیر معانی کو متضمن ہوا کرتے تھے و هذا یسمنی عند علماء المعانی

بالایجاز و هو من البلاغة ان اقتضاه المقام (مواہب ص ۱۶۲) (اور علماء معانی و بیان کے نزدیک اس کا نام ایجاز ہے یہ بلاغت سے شمار ہوتا ہے اگر مقام اس کا مقتضی ہو) بعض حضرات کہتے ہیں کہ جوامع الکلم سے مراد قرآن ہے جیسا کہ ابن حجر وغیرہ سے منقول ہے، مگر زیادہ صحیح یہ ہے کہ اس کی مراد اس سے اعم ہے جو قرآن کے علاوہ احادیث کو بھی شامل ہے۔

بعض حضرات نے اس سے قواعد لئے ہیں و قيل المراد بجوامع الکلم القواعد الكلية الجامعة للفروع الجزئية (مواہب ص ۱۶۳) (اور بعض نے کہا کہ جوامع الکلم سے ایسے قوانین کلیہ مراد ہیں جو فروع جزئیہ کے جامع ہوں) بعض روایات میں جوامع الکلم کے ساتھ حضور ﷺ کی فضیلت کی تخصیص کی گئی، جیسے کہ مسلم شریف میں ہے۔ فضلت علی الانبیاء بست منه جوامع الکلم (مجھے دوسرے انبیاء کرام پر چھ چیزوں کے ساتھ فضیلت دی گئی ہے انہی میں سے جامع کلمات بھی ہیں)

تاہم جب عموم راجح ٹھہرا تو وہ قواعد کلیہ کو بھی متضمن ہے۔ ملا علی قاری نے جمع الوسائل ج ۲ ص ۱۴ میں چہل حدیث نقل کر دی ہیں، جو جوامع الکلم کی ایک مثال ہے۔ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب نے بھی چہل حدیث مرتب کی ہے جو باقاعدہ دینی مدارس کے ابتدائی نصابِ تعلیم میں شامل ہے۔ شیخ احمد عبدالجواد الدوی نے جوامع الکلم کی چند مثالیں نقل کی ہیں۔

- (۱) الذنب لا ینسی ، والبر لا یلی ، والدیان لا یموت ، فکن کیف شئت . (۲)
- صنائع المعروف تطفئ غضب الرب (۳) صدقة السر تطفئ غضب الرب (۴)
- الحیاء خیر کلہ (۵) الاقتصاد فی النفقة نصف المعیشتہ ، والتودد للناس نصف العقل وحسن السؤال نصف العلم (اتحافات ص ۲۷۵) (۱) (گناہ بھلایا نہیں جاسکتا اور نیکی پرانی نہیں ہوتی اور بدلہ دینے والی ذات (اللہ جل جلالہ) پر موت نہیں ہوگی پس تو رہ جیسے تیرے مرضی ہو) (۲) نیکی اور بھلائی کے کام اللہ کے غصہ کو بھادیتے ہیں (۳) خفیہ طور پر صدقہ کرنا بھی اللہ کے غصہ کو بھادیتا ہے (۴) حیا میں مکمل بہتری اور خیر ہے (۵) خرچ میں

محبوبِ خدا ﷺ کی دُرُ باادائیں -----
اعتدال اور میانہ روی آدھی معیشت ہے (۶) لوگوں کے دل میں محبت پیدا کر لینا آدھا
عقل ہے (۷) اور اچھے انداز سے سوال کرنا نصف علم ہے

گفتگو مبارک :

کلامہ فصل 'اس کا معنی پہلے واضح کیا جا چکا ہے۔ فصل مصدر ہے بمعنی اسم
فاعل یا بمعنی اسم مفعول کے۔ پہلی صورت میں معنی یہ ہوں گے فاصل بین الحق
والباطل وهو من قبیل رجل عدل للمبالغة (جمع ج ۲ ص ۱۴) (کہ آپؐ کی گفتگو حق
وباطل کے درمیان حد فاصل ہوتی تھی یہ بطور مبالغہ کہ از قبیل رجل عدل کے ہے کہ جیسے وہ
عدل بھی بمعنی عادل کے ہے یہاں بھی فصل بمعنی فاصل کے ہے) ہوگا۔ دوسری صورت
میں معنی مفصول من الباطل ومصنون عنه (جمع ج ۲ ص ۱۴) (کہ آپؐ کا کلام باطل سے
محفوظ اور جدا ہوتا تھا) ہوگا، یعنی آپؐ کی گفتگو صاف اور واضح، حق اور باطل کے درمیان
فرق کرنے والی تذبذب تردد اور ہر قسم کے شک و شبہ سے پاک ہوتی تھی۔ لافضول ولا
تقصیر یہ پچھلے جملے کے لئے بمنزلہ بیان اور تفسیر کے ہے۔ وفي الاصول المعتمدة بفتح
الاسمین بناءً علی ان لا لئفی الجنس والخبر محذوف ای لا فضول فی کلامہ
ولا تقصیر فی تحصیل مرامہ (جمع ج ۲ ص ۱۵) (اور بعض معتبر نسخوں میں دونوں اسم (لا
فضول ولا تقصیر) مفتوح ہیں بناءً بر اسم لائے نفی جنس کے اور ان کی خبر محذوف ہے
یعنی اصل عبارت یہ ہوگی لا فضول فی کلامہ (آپؐ کی گفتگو میں زائد بات نہ ہوتی
تھی) ولا تقصیر فی تحصیل مرامہ (اور مقصد حاصل کرنے میں کوئی کمی نہ ہوتی)
آپؐ کا کلام مبارک جملہ جملہ ہوتا تھا، جس میں خفیف سکتہ ہوتا تھا، جبکہ کلام طویل سے
آدمی اکتا جاتا ہے اور کلام قصیر مغل فی الفہم ہوتا ہے۔ احمد عبدالجواد الدومیؒ لکھتے ہیں۔ ای
کان کلامہ حسبما یقتضیہ المقام من ایجاز واطناب وهو المساواة (اتحافات ص
۲۷۵) (کہ آپؐ کا کلام مبارک مطابق اقتضاء مقام ہوتا نہ تو مختصر اور نہ طویل بلکہ متوسط اور
درمیانی درجہ کا ہوتا تھا)

اجتبا اور اعداء کے ساتھ معاملہ :

لیس بالجافی 'یہاں تک تو حدیث کا وہ حصہ بیان ہوا جو سائل کو مطلوب تھا۔ مزید اوصاف کا بیان گویا سائل کو اس کے سوال سے بڑھ کر نوازا جا رہا ہے، جیسے کہ محبت صادق کا حال ہوتا ہے۔ ذرہ محبوب کا ذکر چھڑے تو دل کے بندھن کھل جاتے ہیں اور وصف محبوب جاری رہتا ہے 'الجافی' الجفا سے ماخوذ ہے جو البر اور الوفا کی ضد ہے معنی ہوگا، علیم البر قولاً و فعلاً (جمع ج ۲ ص ۱۵) گویا آپؐ عدیم البر والوفانہ تھے۔ آپ کی نیکیاں، شفقتیں، محبتیں اور احسانات تو اجانب کو بھی حاصل تھیں، چہ جائیکہ اقارب کی بات کی جائے۔ احباب کی محرومی کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اعداء بھی مالا مال ہو جاتے تھے۔ لانہ نعمة مهداة للمؤمنين و رحمة مرسله للعالمين (جمع ج ۲ ص ۱۵) (کیونکہ آپؐ کی ذات اقدس ایک ایسی نعمت جو مؤمنین کے لئے تو ہدیہ اور تحفہ ہے اور سب جہاں والوں کے لئے ایک رحمت مرسلہ ہیں)

یا معنی یہ ہے کہ آپؐ کی طبیعت میں اکڑ پن، غلاظت، طبع، بدگوئی نہ تھی، جیسا کہ حدیث میں آیا ہے۔ من بدا جفا ای سکن البادية غلظ طبعه لقله مخالطة الناس (جمع ج ۲ ص ۱۵) (یعنی جو جنگل میں رہتا ہے اس کی طبیعت سخت ہو جاتی ہے کیونکہ اس کا لوگوں کے ساتھ ملنا جلنا بہت کم ہوتا ہے) مقصد یہ ہے کہ آپؐ از روئے صلہ رحمی، نیکی و احسان کے اپنے احباب و اقارب بلکہ اجانب تک کے ساتھ صرف اجتبا ہی نہیں، اعداء کے ساتھ بھی انتہائی بھلائی، حلیمی، بردباری، نرمی اور رواداری کے ساتھ پیش آتے تھے یہ فطرت اللہ ہی نے آپؐ کو بخشی تھی۔

وَلَوْ كُنْتَ فُظًا غَلِيظًا الْقَلْبِ لَا نَفَضُوا مِنْ حَوْلِكَ (آل عمران : ۱۵۹) (اور اگر آپؐ بد زبان اور سخت دل ہوتے، تو یہ سب آپؐ کے پاس سے چھٹ جاتے)

عظمتِ مقام و رفعتِ شان :

ولا المهين (۱) میم کی فتح کے ساتھ پڑھیں تو صفت مشبہ کا صیغہ بنتا ہے۔ بمعنی

محبوب خدا ﷺ کی دلزبا دائیں -----
 حقیر و ضعیف کے، یعنی آپؐ حقیر و ضعیف اور معاشرے میں پست و خلیق نہ تھے بلکہ انہیں
 عظمت و رفعت اور اعتماد و محبت کا مقام حاصل تھا۔ آپؐ کے وقار و مہابت اور جلالتِ قدر
 سے کفار و فجار کانپتے تھے اور عرب کے جابر و ظالم لوگ آپؐ کی عظمت و مہابت کے سامنے
 جھک جھک جاتے تھے۔ آپؐ کے دروازے پر کوئی چوکیدار اور دربان نہ تھا، مگر بایں وصف
 بھی بڑے بڑے رئیس، سردار اور بادشاہ تک اپنی سرداری اور شان و شوکت کے باوصف آپؐ
 کی عظمت و مقام کے قائل اور صلابت فکر پر اعتماد کرتے تھے۔

(۲) بعض روایات میں میم کے ضمہ کے ساتھ منقول ہوا ہے، تو بمعنی اسم فاعل کے ہوگا
 تو معنی یہ ہوگا کہ آپؐ نہ تو کسی کی توہین کرتے تھے اور نہ کسی کو حقیر سمجھتے تھے جیسے ملا علی قاریؒ
 فرماتے ہیں لایہین ولا یحقر احدا من الناس (جمع ج ۲ ص ۱۵)

والمعنی انہ غیر جاف للاحباء ولا ذلیل لدی الاعداء بل متواضع
 للمومنین و متکبر علی المتجبرین فیطابق فی قوله تعالیٰ (اور مطلب یہ ہوا کہ آپؐ نہ تو
 اپنے دوستوں سے بے وفائی اور سخت مزاجی فرماتے اور نہ دشمنوں کی نظر میں کمزور اور عاجز
 بلکہ آپؐ ایمان والوں کے لئے تو متواضع اور سرکشوں کے لئے مغرور ہوا کرتے تو پھر یہ اللہ
 تعالیٰ کے اس ارشاد کے مطابق ہوا) اذلة علی المؤمنین اعزة علی الکافرین ۵
 (المائدہ: ۵۴) (وہ نرم دل ہوں گے مسلمانوں پر اور سخت اور تیز ہوں گے کفار پر) و یوافق
 قوله عز وجل اشداء علی الکفار رحماء بینہم ۵ (النح: ۲۹) (کافروں پر سخت ہیں،
 آپس میں رحمدل ہیں)

تعظیمِ نعمت :

يعظم النعمة یعنی آپؐ نعمت کی کبھی تحقیر نہ فرماتے، اگرچہ وہ بہت ہی
 قلیل ہوتی، ادنیٰ سے ادنیٰ نعمت کو بڑی وقعت و اہمیت سے دیکھتے تھے۔ قولاً تعظیم یہ تھی کہ
 نعمت ملنے پر زبان سے خدا تعالیٰ کا شکر ادا کرتے اور فعلاً تعظیم یہ تھی کہ نعمت سے حاصل
 ہونے والی صحت و قوت کو اپنے رب کی رضا میں صرف فرماتے تھے۔ وان دقت ای وان

صغرت و قلت النعمة سواء كانت نعمة ظاهرية او باطنية دنيوية او اخروية فان القليل من الخليل جليل، و ما يشكر الكثير من لم يشكر القليل (جمع ج ۲ ص ۱۵) آپ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی بہت قدر دانی فرماتے اگرچہ وہ نعمت بہت تھوڑی اور کم قیمت ہوتی اور چاہے وہ نعمت ظاہری ہوتی یا باطنی اسی طرح چاہے وہ دنیوی ہوتی یا اخروی اس لئے کہ دوست کی عطا کردہ چیز اگرچہ قلیل ہو دراصل وہ بڑی اور عظیم ہوتی ہے اور جو چھوٹی نعمتوں کا شکر یہ نہ ادا کر سکے وہ بڑی نعمتوں کا شکر ہرگز نہیں کر سکتا)

لا یدم منها، یہ بھی تعظیمِ نعمت ہی کی ایک نوع ہے کیونکہ نعمت کی برائی درحقیقت منعم کی برائی ہے لان ذم النعمة هو فى الواقع ذم المنعم و ليس هذا خلق النبي ﷺ (اتحافات ص ۲۷۲) ولا یمدحه کیونکہ نعمت کی تحقیر یہ متکبرین کا کام ہے اور بھرپور توجہ سے پل پڑنا حریصوں کا کام ہے۔ علامہ مناویؒ کے الفاظ یہ ہے وذلک لان ذمه شأن المتكبرين والاعتناء بمدحه شأن المكثرين و ذوى الشرة والنهمة والحرص (مناوی ص ۱۶) شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا فرماتے ہیں، البتہ رغبت یا کسی کی دلداری کی وجہ سے کبھی کبھی خاص خاص چیزوں کی تعریف فرمائی ہے (خصائل)

دنیا اور امورِ دنیا سے تعلق کی نوعیت :

لا تغضبه الدنيا یعنی دنیا اور دنیا کے معاملات اور دنیوی امور کی وجہ سے آپ کو کبھی غصہ نہیں آتا تھا، کیونکہ آپ کو اس میں دلچسپی نہ تھی۔ لئلا تنها و سرعة فئانها و كثرة عنائها و خسة شركائها و زيادة لالمزيد تاكيد النفي (جمع ج ۲ ص ۱۷) اس لئے کہ دنیا ایک ردی اور گھٹیا اور جلد فنا ہونے والی چیز ہے نیز اس میں سخت تکلیف اور دنیا داروں کے لئے بڑی ذلت اور رسوائی کا باعث ہوتی ہے اور کلمہ لا کی زیادتی (ولاما كان الخ) میں مزید تاکید نفی کے لئے ہے (یہ معنی تب ہے جب لاثانیہ تاکید اولیٰ کے لئے ہو اور ما موصولہ ہے۔ بعض نے لاثانیہ کو زائدہ اور ما کو نافیہ قرار دیا ہے، تو اس صورت میں معنی یہ ہوگا کہ آپ کو دنیا غضب میں نہیں لاتی تھی اور نہ ہی آپ دنیا کے لئے تھے بلکہ دنیا میں رہتے ہوئے دنیا سے بے تعلق تھے۔ اذ اغضاب الدنيا ليس

محبوبِ خدا ﷺ کی دلزبا دائیں -----
 الاغضاب ما كان لها (مواہب ص ۱۶۳) (اس لئے کہ دنیا کا غضب و غصہ نہیں ہوتا مگر
 دنیاوی امور کی وجہ سے)

حضور اقدس ﷺ کا غصہ حق کے لئے ہوتا تھا :

واذا تعدى الحق ... اس کا معنی تو تحت اللفظ ترجمہ میں تفصیل سے بیان کر
 دیا ہے یعنی کوئی شخص دینی امور میں یا حق بات میں حد سے تجاوز کر لیتا ۔

بصيغة المجهول من التعدى اى اذا تجاوز احد (مناوی ج ۲ ص ۱۶) لم يقم لغضبه ' قام
 کے صلہ میں جب لام آجائے تو سامنے مقابلہ کے لئے ٹھہرنے کے معنی میں آتا ہے۔

جب اشارہ فرماتے :

اذا اشار ... جب آپ اشارے کا ارادہ فرماتے تو اشار بکفہ کلھا پورے
 ہاتھ کے ساتھ اشارہ فرماتے تاکہ ابھام رفع ہو اور افہام و تفہیم آسان ہو۔ چند انگلیوں سے
 اشارہ سے گریز کرتے۔ لانه شأن المتكبرين (مواہب ص ۱۶۲) (اس لئے کہ یہ تکبر
 کرنے والوں کا طریقہ و دستور ہے)۔

نہایت میں ہے، آپ کا اشارہ مختلف امور کے لئے مختلف ہوا کرتا تھا تو حید اور
 تشہد کے لئے مسبحہ کے ساتھ اشارہ فرماتے اور دیگر امور کے لئے پورے ہاتھ کے
 ساتھ، تاکہ دونوں اشاروں میں فرق واضح ہو کہ مسبحہ سے اشارہ کی غرض تو حید تھی، لہذا
 غیر اللہ کی طرف انگلی سے اشارہ نہ فرماتے۔

جب غصہ ہوتے :

واذا غضب اعرض و اشاح ' جب کسی سے ناراض ہوتے تو اس سے منہ پھیر
 کر اعراض فرماتے اور بے توجہی کرتے اور غضب کے مقتضا پر مزید عمل نہ کرتے جیسا کہ حکم
 ہے۔ وأعرض عن الجاهلين (اور اعراض (روگردانی) کر جاہل لوگوں سے) و
 اشاح ' اى بالغ فى الاعراض (والعفو والصفح) هذا هو المراد هنا (مواہب ص
 ۱۶۳) (اشاح کا معنی بیان کرتے ہوئے علامہ بیجوری کہتے ہیں کہ اعراض میں آپ نے

مبالغہ فرمایا اور یہی معنی یہاں مراد ہے) ورنہ اشاح لغةً بولا جاتا ہے۔ اذا تنحى و انكمش او منع او صرف او قبض وجہہ (مناوی ج ۲ ص ۱۷) (جب کوئی یکسو ہو جائے یا دوڑے یا روکے یا ہٹائے اور یا چہرے میں انقباضی کیفیت ہو جسے منہ چھڑانا کہتے ہیں) اشاح کا معنی اعراض میں مبالغہ کرنا نقل کر دیا ہے، گویا اعراض کی تاکید ہے۔ آج کل رواداری اور مدہانت کی جاتی ہے کہ دل میں بغض ہوتا ہے اور ظاہر لطف و عنایت کا معاملہ کیا جاتا ہے۔ یہی وہ معاملہ ہے جسے شریعت میں عملی نفاق کہتے ہیں۔ مومن کا ہرگز یہ کام اور مقام نہیں کہ وہ دل میں بغض رکھے اور بظاہر لطف و عنایت اور رواداری کا معاملہ کرے بلکہ اپنی ناراضگی کا اظہار کر دینا چاہئے تاکہ جس پر غصہ کیا جا رہا ہے، وہ بھی عملاً اس کا ازالہ کرے۔

جب خوش ہوتے :

اذا فرح غض طرفه ' اور جب خوش ہوتے تو حیا کی وجہ سے آنکھیں گویا بند فرما لیتے۔ لان الفرح لا يستخفه و لا يحرکه و لا يجعله متكلماً و انما غاية تائيره فيه هذا القدر (مناوی ج ۲ ص ۱۷) (اس لئے کہ خوشی نہ اس کو ہلکا بناتی ہے اور نہ اس کو حرکت دیتی ہے اور نہ اس کو متکلم بناتی ہے ہاں اس کی انتہائی تاثیر اسی قدر (آنکھیں بند کر لینا) ہے) ملا علی قاریؒ لکھتے ہیں، غض طرفه ای اطرق و لم يفتح عينه تواضعاً و تمكيناً و فی روایة كان اذا رضى و سرّ ای صار مسروراً و فرحاً فکان وجهه وجه المرأة (جمع ج ۲ ص ۱۷) (یعنی آپؐ سر جھکا دیتے اور بوجہ تواضع عاجزی اور تمکین (اللہ تعالیٰ کے پاس مرتبہ تلاش کرنا) کے اپنی آنکھیں مبارک نہ کھولتے اور ایک روایت میں ہے جب خوش اور راضی ہوتے تو آپؐ کا چہرہ مبارک شیشہ کی مانند ہوتا تھا)

آپ ﷺ کا تبسم :

و جمل ضحکہ جمل بمعنی معظم کے آتا ہے۔ ای معظم ضحکہ (مواہب ص ۱۶۳) یعنی حضور اقدس ﷺ کی ہنسی اکثر تبسم سے نہیں بڑھتی تھی، تبسم یہی ہوتا

محبوبِ خدا ﷺ کی دلزبا دانتیں -----
 ہے کہ ہنسی میں قہقہہ نہ ہو، جسے ہم مسکراہٹ بھی کہتے ہیں۔ التبسم وهو بشاشة الوجه
 من غیر تاثیر تام فی ہیئۃ الفم (مناوی ج ۲ ص ۱۸) (تبسم کا معنی چہرہ کا ہنس مکھ ہونا بغیر کسی
 اثر تامہ کے منہ کی ہیئت اور شکل میں) قہقہہ وقار کے بھی خلاف ہے۔ غفلت اور لاپرواہی
 سے ہوتا ہے۔ لفظ جُلن بمعنی اکثر کے استعمال ہوا ہے۔ یہی درست ہے۔ لانہ ربما
 ضحک حتی بدت نواجذہ (مواہب ص ۱۶۲) (اس لئے کہ بعض اوقات میں آپؐ ایسا
 بھی ہنستے کہ نواجذ (دانت) ظاہر ہو جاتے) جبکہ کچھ زیادہ منہ کھل جائے۔

ظہورِ نواجذ اور تبسم میں تعارض کا جواب :

نواجذ کے ظہور اور تبسم دونوں روایات میں بظاہر تعارض ہے تو ملا علی قاریؒ دونوں
 میں تطبیق کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ امور دنیا میں ہنسی تبسم سے نہیں بڑھتی تھی۔
 وجہ ظاہر ہے کہ دنیا میں آپؐ کی دلچسپی ہی نہیں تھی، نہ اس سے آپؐ کو خوشی
 ہوتی تھی اور نہ ناراضگی۔ البتہ امور آخرت میں ہنسی میں ظہورِ نواجذ ہو جاتا تھا۔

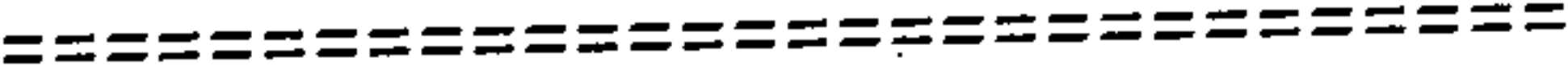
یفتہر : افتہر سے ہے بمعنی دانت کھلنا ای ضحک ضحکاً حسناً حتی بدت
 اسنانہ من غیر قہقہۃ (مناوی ج ۲ ص ۱۸) (یعنی آپؐ ایسا مبارک ہنسا ہنسے کہ آپؐ کے دانت
 مبارک صرف ظاہر ہوئے بغیر قہقہہ کرنے کے) مثل حب الغمام حب دانہ کو کہتے ہیں۔
 اسی مناسبت سے غلہ فروش کو حباب کہتے ہیں۔ الغمام بادل حب الغمام یعنی ژالہ اور
 اولہ آپؐ کے دانتوں کو اولے سے تشبیہ دی ہے۔ صفائی اور سفیدی اور لطافت میں

فالمعنی یضحک ضحکاً حسناً عن سن مثل حب الغمام فی البیاض والصفاء
 والبریق واللمعان وورد انه ﷺ کان اذا ضحک يتلأ لأ فی الجدر ای یشرق
 علیہا اشراقاً کاشراق الشمس (مواہب ص ۱۶۲)

(مطلب یہ ہوا کہ آپؐ ایسے خوبصورت دانتوں سے ہنسا کرتے جو کہ ژالہ اور اولوں کی مانند
 سفیدی اور چمک میں ہوا کرتے اور یہ بھی احادیث میں آیا ہے کہ جب آپؐ ہنستے تو
 دیواروں پر ایسی روشنی پڑتی جیسے سورج کی روشنی)۔

وقيل حب الغمام اللؤلؤ لانه يحصل من ماء المطر النازل من الغمام وهو
 انسب في باب التشبيه لما في الاول من البرودة ولما في الثاني من زيادة تشبيه الفم
 بالصدف والريق بماء الرحمة في بحر النعمة (جمع ج ۲ ص ۱۸) (اور بعض کہتے ہیں کہ
 حب الغمام سے مراد موتی ہیں کیونکہ یہ اس بارش کے پانی سے بنتے ہیں جو بادل سے نازل
 ہو کر برستا ہے اور یہی توجیہ باب تشبیہ سے زیادہ مناسب ہے۔

کیونکہ پہلی صورت ژالہ وغیرہ میں برودت ہے اور دوسری توجیہ پر کچھ زیادتی ہے
 کہ یہاں منہ کو صدف کے ساتھ اور لعاب کو اس رحمت کے پانی کے ساتھ جو رحمت کے
 سمندر میں ہو تشبیہ دی گئی ہے)



بَابُ مَا جَاءَ فِي ضِحْكِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

باب ! حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ہنسنے کے بیان میں

ضحک ہو یا تبسم دونوں فطری چیزیں ہیں۔ خوشی، مسرت اور سرور و انبساط کے موقع پر ہنسنایا مسکراتا قدرت کا عطیہ اور انسان کا خاصہ ہے۔ والضحک خاصية للانسان واصله من سرور يعرض للقلب وقد يضحك غير المسرور (مناوی ج ۳ ص ۱۸) (اور مسکراہٹ انسانی خاصیت ہے اور اس کا مبدأ وہ خوشی ہے جو دل میں آ جاتی ہے البتہ کبھی ناخوش انسان بھی ہنستا ہے) مگر بعض لوگ اس موقع پر بھی حدود سے تجاوز کر کے بد اخلاقی، کراہت اور بد روئی کی انتہاؤں تک چلے جاتے ہیں۔ اس سلسلہ میں حضور اقدس ﷺ کا اسوۂ حسنہ کیا تھا، یہی غرض انعقاد باب ہے۔ مصنف اس باب میں نواحادیث لائے ہیں۔

(۲۱۹/۱) حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ حَدَّثَنَا عَبَادُ بْنُ الْعَوَامِ أَخْبَرَنَا الْحَجَّاجُ وَهُوَ ابْنُ أَرْطَاةَ عَنْ سِمَاكِ بْنِ حَرْبٍ عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ كَانَ فِي سَاقِي رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حُمُوشَةٌ وَكَانَ لَا يَضْحَكُ إِلَّا تَبَسُّمًا فَكُنْتُ إِذَا نَظَرْتُ إِلَيْهِ قُلْتُ أَكْحَلَ الْعَيْنَيْنِ وَ لَيْسَ بِأَكْحَلَ .

ترجمہ : امام ترمذی کہتے ہیں کہ ہمیں یہ حدیث احمد بن منیع نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو بیان کیا عباد بن عوام نے۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں اس کی خبر حججاج نے جو کہ ابن ارطاة ہے۔ سماک بن حرب کے واسطے سے دی، انہوں نے یہ روایت صحابی رسول حضرت جابر بن سمرة سے سماعت کی۔ حضرت جابر کہتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ کی پنڈلیاں کسی قدر باریک تھیں، اور آپ کا ہنسا صرف تبسم ہوتا تھا، میں جب حضور اقدس ﷺ کی زیارت کرتا تو دل میں سوچتا کہ آپ سرمہ لگائے ہوئے ہیں، حالانکہ اُس وقت سرمہ لگائے

ہوئے نہیں ہوتے تھے۔

راوی حدیث (۴۹۰) الحجاج کے حالات ”تذکرہ راویان شمائل ترمذی“ میں ملاحظہ فرمائیں
پنڈ لیاں مبارک :

کان فی ساقی رسول ﷺ حموشة۔

الحموشة! پنڈلی، پتلی اور درمیانی باریک تھی۔ رقة الساق وھی مما یتمدح به
(اتحافات ص ۲۷۸) (پنڈلی کا باریک اور پتلا ہونا قابل مدح و فخر سمجھا جاتا تھا) بعض نے
الحموشة (بضم اولہ المعجم) نقل کیا ہے۔ ملا علی قاری فرماتے ہیں، فمخالف
للأصول و معارض للغة و مغیر للمعنی فان الخمش (بالمعجمة) هو خلش
الوجه و لطمه و قطع عضو منه (جمع ج ۲ ص ۱۸) (یہ تو قواعد اور اصول لغت کے بھی مخالف
اور معنی کو بھی تبدیل کرنے والا ہے کیونکہ خمش (خاء معجمہ کے ساتھ) چہرہ کو نوچنا اس پر تھپڑ
لگانا اور اس سے کسی عضو کا کٹنا مراد ہوتا ہے)

روایت میں حضور اقدس ﷺ کی تین صفات کا بیان ہے۔ یہ پہلی صفت ہے کہ
آپ کی پنڈ لیاں مبارک قدرے پتلی تھیں اور ان پر گوشت کم تھا، بھاری نہ تھیں، یہ ایک
صفت محمود ہے۔

غالب اوقات تبسم آپ کا معمول تھا :

و کان لا یضحک الا تبسماً یعنی حضور اقدس ﷺ غالب اوقات تبسم
ہی فرماتے اور مسکراتے۔ قہقہہ آپ کی عظمت شان اور مقام رفیع کے خلاف تھا۔ پہلے بھی
عرض کیا تھا کہ ہنسنے کی تین صورتیں ہیں۔ (۱) تبسم منہ کھل جاتا ہے، مگر آواز نہیں آتی۔ (۲)
ضحک (ہنسنا) منہ بھی کھل جاتا ہے، نواجذ بھی ظاہر ہو جاتے ہیں اور ہنسنے کی ہلکی سی آواز بھی
آتی ہے۔ (۳) قہقہہ انسان کا پورا منہ کھل جاتا ہے، خوب آواز سے ہنستا ہے، یہ ہنسنے کی
آخری اور انتہائی قسم ہے، جو ناپسندیدہ ہے۔

حضور اقدس ﷺ سے تبسم اور ضحک تو ثابت ہے، مگر قہقہہ ثابت نہیں، جو قساوت

محبوبِ خدا ﷺ کی دلِ بادا میں -----
 قلبی اور غفلت کی علامت ہے۔ حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے، لا تكثر الضحك فان
 كثرة الضحك تميت القلب (ترمذی) ایاک و كثرة الضحك فانه يميت القلب. (مجموعہ صغیر للطبرانی ج ۲، ص ۱۰۴)

(زیادہ نہ ہنسا کر کیونکہ کثرت سے ہنسنا دل کو مردہ کر دیتا ہے) (ترمذی) اور طبرانی کی روایت
 میں ہے زیادہ ہنسنے سے بچا کر کیونکہ یہ دل کو مردہ بنا دیتی ہے)

یہ بھی پہلے عرض کیا گیا ہے کہ آپ کا ہنسا امور آخرت کی وجہ سے اور تبسم امور دنیا
 میں ہوتا تھا۔ علامہ بیجوری فرماتے ہیں، هو انه كان يضحك في امور الآخرة و
 يتبسم في امور الدنيا (موہب ص ۱۶۵) حدیث کا یہی حصہ ترجمۃ الباب سے مناسبت رکھتا
 ہے۔ علامہ احمد عبد الجواد الدومی فرماتے ہیں ویظہر ان التبسم هو خلق الانبياء، قال
 سبحانه تعالیٰ فی سلیمان فَبَسَّمَ ضَاحِكًا مِّن قَوْلِهَا (نمل: ۱۹) (اس سے ظاہر ہوا کہ
 تبسم انبیاء کرام کی خصلت و عادت ہے اللہ تعالیٰ سورہ نمل میں سلیمان کے بارے میں فرماتا
 ہے پس مسکرایا ہنستا ہوا اس (چیونٹی) کی بات سے)

سرملین آنکھیں :

فكنت اذا نظرت..... یہ آپ کی تیسری صفت کا بیان ہے کہ جب کوئی شخص حضور
 اقدس ﷺ کی زیارت کرتا، تو سمجھتا کہ آپ اکحل العينین ہیں، یعنی آپ نے
 آنکھوں میں سرمہ لگا رکھا ہے۔ ویس باکحل، حالانکہ آپ نے سرمہ نہیں لگایا ہوتا تھا۔
 سید اکائنا حضور اقدس ﷺ سر اپا حسن و جمال تھے۔ آپ کے دونوں پلکوں کی سیاہی
 آپ کی خلقتِ اصلیہ سے تھی۔ آپ کی آنکھیں خلقی اور فطری طور پر سرملین تھیں۔ شیخ احمد
 عبد الجواد الدومی لکھتے ہیں، انما هو الجمال الخلقى الذی لا مثیل له (اتحافات ۲۷۸)
 (بے شک آپ کا حسن و جمال ایسا فطری اور خلقی تھا جس کی کوئی نظیر و شبیہ نہیں) دیکھنے
 والا سمجھتا ہے کہ آپ نے سرمہ لگایا ہوا ہے، حالانکہ یہ قدرتی سرمہ تھا، جو خارجی سرمہ کی
 سیاہی سے زیادہ خوبصورت، دیدہ زیب اور پائیدار تھا، جو ہمیشہ رہتا اور زائل نہ ہوتا۔ زوال
 پذیر کا جل کے بارے میں بچپن میں سنا ہوا بہادر شاہ ظفر کا شعر یاد آ گیا.....

ہوتا ہے کالا جہاں مردم آزاروں کا منہ

پاگئے یہ رمز چشمِ شوخ کے کاجل سے ہم

تاہم متعدد فوائد و مقاصد کے حصول کے لئے حضور اقدس ﷺ سرمہ بھی

استعمال فرماتے ہیں۔ اس حدیث سے یہ لازم نہیں آتا کہ آپ نے کبھی سرمہ نہ کیا ہو، تاکہ

منافی ہو حدیثِ اکتحال کے ساتھ، تاہم دوسرے مقاصد اور فوائد کے لئے گاہے گاہے سرمہ

استعمال فرمایا ہے۔ اس روایت میں الفاظ 'فكنت نظرت'، 'قلت'، 'کو متکلم کے بجائے

مخاطب کے صیغے بنا کر بھی پڑھ سکتے ہیں۔

(۲۲۰/۲) حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ أَخْبَرَنَا ابْنُ لَهَيْعَةَ عَنْ عُبَيْدِ اللَّهِ بْنِ الْمُغِيرَةَ عَنْ
عَبْدِ اللَّهِ بْنِ الْحَارِثِ بْنِ جَزْءٍ قَالَ مَا رَأَيْتُ أَحَدًا أَكْثَرَ تَبَسُّمًا مِنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى
اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

ترجمہ : امام ترمذی کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت قتیبہ بن سعید نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں
کہ ہمیں اس کی خبر ابن لہیعہ نے دی۔ انہوں نے یہ روایت عبید اللہ بن مغیرہ سے روایت کی
۔ انہوں نے یہ روایت عبد اللہ بن حارث بن جزء سے سنی۔ عبد اللہ بن حارث کہتے ہیں کہ
میں نے حضور اقدس ﷺ سے زیادہ تبسم کرنے والا نہیں دیکھا۔

راویان حدیث (۴۹۱) عبید اللہ بن المغیرہ اور (۴۹۲) عبد اللہ بن الحارث کے حالات
”مذکرہ راویان شمائل ترمذی“ میں ملاحظہ فرمائیں۔

متواصل الاحزان سے تعارض اور جواب :

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا اس کی شرح میں تحریر فرماتے ہیں۔ اس حدیث

میں یہ اشکال ہے کہ اس سے پہلے باب کی اخیر حدیث میں یہ گزر چکا ہے کہ حضور اقدس

ﷺ دائم الفکر اور پے در پے غموم میں مبتلا رہتے تھے۔ یہ بظاہر اس کے منافی ہے، اس لئے

اس حدیث کی دو توجیہیں کی گئی ہیں۔ ایک تو یہ کہ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ آپ کا تبسم

آپ کے ہنسنے سے زیادہ ہوتا تھا، ایسا کوئی اور شخص نہیں دیکھا، جس کا تبسم اس کے ہنسنے سے

محبوبِ خدا ﷺ کی دلزبا دوائیں -----
 زیادہ ہو، چنانچہ آئندہ حدیث جو انہی صحابی سے روایت کی جا رہی ہے، اس میں یہی
 مطلب متعین ہے۔ دوسری توجیہ یہ کی جاتی ہے کہ حضور اقدس ﷺ باوجود طبعی غموم کے
 صحابہ کی دلداری اور انبساط کے خیال سے خندہ پیشانی اور تبسم فرماتے ہوئے پیش آتے تھے
 اور یہ کمال درجہ اخلاق و تواضع ہے۔ اسی باب کی حدیث نمبر ۵ اور نمبر ۶ میں حضرت جریرؓ
 فرماتے ہیں کہ جب بھی حضور اقدس ﷺ مجھے دیکھتے، تبسم فرماتے یعنی خندہ پیشانی سے
 مسکراتے ہوئے ملتے تھے۔ اب پہلی حدیث سے کوئی تعارض نہیں ہے، اکثر ایسا ہوتا ہے کہ
 آدمی کسی رنج و فکر میں مبتلا ہوتا ہے، لیکن دوسروں کی دلداری یا ضرورت سے وہ خندہ پیشانی
 سے ملتا ہے، جو لوگ دل میں عشق کی چوٹ کھائے ہوئے ہیں، ان کو اس کا تجربہ بہت ہوتا
 ہے (خصائل ص ۱۷۱-۱۷۲)

 (۳۱/۳) حَلَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ خَالِدٍ، الْخَلَّالُ، حَلَّثَنَا يَحْيَى بْنُ إِسْحَاقَ السَّيْلِحَانِيُّ حَلَّثَنَا
 لَيْثُ بْنُ سَعْدٍ عَنْ يَزِيدَ بْنِ أَبِي حَبِيبٍ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ الْحَارِثِ قَالَ مَا كَانَ
 ضِحْكُ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَّا تَبَسُّمًا قَالَ أَبُو عَيْسَى هَذَا حَلِيبٌ
 غَرِيبٌ مِنْ حَلِيبِ لَيْثِ بْنِ سَعْدٍ.

ترجمہ : امام ترمذی کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت احمد بن خالد خلیل نے بیان کی۔ ان کو
 یہ روایت یحییٰ بن اسحاق سیلحانی نے بیان کی۔ ان کو یہ روایت لیب بن سعد نے یزید بن ابی
 حبیب کے واسطے سے بیان کی اور انہوں نے یہ حدیث صحابی رسول حضرت عبداللہ بن
 حارث سے روایت کی۔ حضرت عبداللہ بن حارث ہی کی یہ بھی روایت ہے کہ حضور اقدس
 ﷺ کا ہنسنا تبسم سے زیادہ نہیں ہوتا تھا۔

راوی حدیث (۴۹۳) احمد بن خالد الخلیل اور (۴۹۴) یحییٰ بن اسحاق السلیحانی کے
 حالات ”تذکرہ راویان شمائل ترمذی“ میں ملاحظہ فرمائیں۔

حصہ اضافی :

ماکان ضحک یہ حصہ اضافی ہے۔ حقیقی نہیں، کیونکہ آپ سے ہنسنا بھی

ثابت ہے، لما تقرر انه ضحك احياناً حتى بدت نواجذہ (مناوی ج ۲ ص ۲۰) (کیونکہ یہ پہلے ہی ثابت ہو چکا کہ آپؐ کبھی ایسے ہنستے کہ آپؐ کے نواجذ (دانت) مبارک ظاہر ہو گئے) البتہ آپؐ کا اکثر اوقات تبسم اور مسکرانا ہی ہوتا تھا، ہنسنے کی نوبت کم آتی تھی۔

قال ابو عیسیٰ ہذا حدیث غریب من حدیث لیث بن سعد : اصطلاح

محدثین میں غریب حدیث وہ ہوتی ہے، جس کا صرف ایک ہی راوی ہو۔ امام ترمذیؒ جو فرماتے ہیں کہ یہ حدیث یہاں پر لیث بن سعد کی وجہ سے جو کہ یگانہ راوی ہیں، غریب ہے، یہ غرابت اسناد میں ہے، متن حدیث میں نہیں، لہذا غرابت سند، صحت متن حدیث کے منافی نہیں، اس روایت میں منفرد راوی لیث بن سعد کی جلالت علم اور امامت پر اتفاق، بلکہ اجماع ہے۔ علامہ ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں، قيل ان غرابة ناشئة من تفرد الليث وهو مجمع على امامته و جلالته فهي غرابة في السند وهي لا تنافي صحته (جمع ج ۲ ص ۲۰) دائمی تفکر و حزن اور ہمیشہ مسکراہٹ کی تطبیق :

یہاں بھی اشکال نہ کیا جائے، کہ اس سے قبل حدیث میں آپؐ کی صفت تو متواصل الاحزان دائم الفكرة بیان کی گئی ہے اور یہاں اکثر الاوقات تبسم کا ذکر ہے، جو بظاہر متعارض ہے، کیونکہ علماء فرماتے ہیں کہ :

(۱) حزن کا تعلق ضحک سے ہے، آپؐ کا ہنسنے کا عام معمول نہیں تھا، قہقہہ کی نوبت کم آتی ہے، البتہ تبسم آپؐ کا اکثر معمول تھا، جو قابل اعتراض نہیں۔

(۲) آپؐ ذہنی فکری اور عملی طور پر تو متفکر اور متواصل الاحزان رہتے تھے، مگر حضرات صحابہؓ سامعین اور مخاطبین کے رعایت کے لئے مسکراہٹ فرماتے تھے تاکہ انہیں بے تکلفی رہے اور حصول فیض میں کوئی چیز مانع نہ ہو۔

(۲۲۲/۳) حَدَّثَنَا أَبُو عَمَارٍ ۙ الْحُسَيْنُ بْنُ حُرَيْثٍ اَنْبَاؤًا وَ كَيْعٌ حَدَّثَنَا الْاَعْمَشُ عَنِ الْمَعْرُورِ بْنِ سُوَيْدٍ عَنْ أَبِي ذَرٍّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنِّي لَا اَعْلَمُ اَوْلَ رَجُلٍ يَدْخُلُ الْجَنَّةَ وَ اَخِرَ رَجُلٍ

يَخْرُجُ مِنَ النَّارِ يُوتَى بِالرُّجْلِ يَوْمَ الْقِيَمَةِ فَيَقَالُ اَعْرِضُوا عَلَيْهِ صِغَارَ ذُنُوبِهِ
وَتُخْبَأُ عَنْهُ كِبَارُهَا فَيَقَالُ لَهُ عَمِلْتَ يَوْمَ كَذَا، كَذَا وَ كَذَا وَهُوَ مُقِرٌّ لَا يُنْكِرُ
وَهُوَ مُشْفِقٌ مِنْ كِبَارِهَا فَيَقَالُ اَعْطُوهُ مَكَانَ كُلِّ سَيِّئَةٍ عَمِلَهَا حَسَنَةً
فَيَقُولُ اِنَّ لِي ذُنُوبًا لَا اَرَاهَا هُنَّهَا قَالَ اَبُو ذَرٍّ فَلَقَدْ رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى
اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ضَحِكَ حَتَّى بَدَتْ نَوَاجِذُهُ.

ترجمہ : امام ترمذی کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت ابوعمار حسین بن حریث نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اس کی وکیع نے خبر دی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں اسے اعمش نے معرور بن سوید کے واسطے سے بیان کیا اور انہوں نے یہ روایت صحابی رسول حضرت ابوذر غفاریؓ سے سنی۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں اُس شخص کو خوب جانتا ہوں، جو سب سے اول جنت میں داخل ہوگا اور اس سے بھی واقف ہوں، جو سب سے آخر میں جہنم سے نکالا جائے گا۔

قیامت کے دن ایک آدمی دربار الہی میں حاضر کیا جائے گا، اس کے لئے یہ حکم ہوگا کہ اس کے چھوٹے چھوٹے گناہ اس پر پیش کیے جائیں اور بڑے بڑے گناہ مخفی رکھے جائیں، جب اس پر چھوٹے چھوٹے گناہ پیش کیے جائیں گے کہ تو نے فلاں دن فلاں گناہ کیے ہیں، تو وہ اقرار کرے گا، اس لئے کہ انکار کی گنجائش نہیں ہوگی اور اپنے دل میں نہایت خوف زدہ ہوگا کہ ابھی تو صغائر ہی کا نمبر ہے، کبار پر دیکھیں کہ کیا گذرے کہ اس دوران میں یہ حکم ہوگا کہ اس شخص کو ہر گناہ کے بدلے ایک ایک نیکی دی جائے تو وہ شخص یہ حکم سنتے ہی خود بولے گا کہ میرے تو ابھی بہت سے گناہ باقی ہیں، جو یہاں نظر نہیں آتے۔ ابوذرؓ کہتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ اس کا مقولہ نقل فرما کر ہنسے یہاں تک کہ آپ کے دانت مبارک ظاہر ہو گئے۔ ہنسی اس بات پر تھی کہ جن گناہوں کے اظہار سے وہ ڈر رہا تھا ان کے اظہار کا خود طالب بن گیا۔

راویان حدیث (۴۹۵) المعرور بن سوید اور (۴۹۶) ابوذرؓ کے حالات ”تذکرہ راویان شمائل ترمذی“ میں ملاحظہ فرمائیں۔

حضور اقدس ﷺ سب سے پہلے جنت میں داخل ہوں گے :

انسی لَاَعْلَمُ ! آپ کو علم یا وحی کے ذریعہ ہوا ہو گا یا الہام کے ذریعہ یا کسی اور ذریعہ سے اعلم بمعنی اعرف کے ہے (جمع ج ۲ ص ۲۰) اول رجل یدخل الجنة ! مراد یہ ہے کہ دوزخ سے نکل کر جنت میں اول داخل ہونے والا اول آدمی مراد ہے، کیونکہ علی الاطلاق تو سب سے پہلے جنت میں حضور اقدس ﷺ داخل ہونے والے ہیں جیسے ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں۔ وحاصله اول رجل یدخل الجنة ممن ینخرج من النار لان اول من یدخل الجنة علی الاطلاق انما هو النبی صلی اللہ علیہ وسلم (جمع ج ۲ ص ۱۹) علامہ عبدالجواد الدومیؒ تحریر فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ ہی پہلے وہ مبارک شخص ہیں، جو جنت میں داخل ہوں گے اور عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے، و آخر من یدخل الجنة هو جہینة ینخرج من النار زحفاً أو حیواً (احکامات ۱۸۰) (اور آخری وہ شخص جو جنت میں داخل ہو گا وہ جہینہ ہے۔ دیرے دیرے گھسٹتے ہوئے یا پھر گھٹنوں کے مل چل کر دوزخ سے نکلے گا)

حدیث میں ذکر کس کا ہے ؟

خلاصہ یہ کہ حدیث میں اول و آخر کا بیان نہیں ہے اور ظاہر ہے کہ یہ آدمی نہ تو اول ہے کہ حقیقی معنوں میں اول داخل ہونے والے خود حضور اقدس ﷺ ہیں یا وہ لوگ جنت میں اول داخل ہوں گے جو بغیر حساب والے ہیں اور یہ شخص تو مقام حساب میں ہے اور یہ شخص آخری بھی نہیں کہ ترمذی کی دوسری روایت میں آخری شخص ایک اور بیان کیا گیا ہے، تو یہ جملہ مستانفہ ہے اور بیان عجائبات کے لئے ہے،

جیسے ملا علی قاریؒ لکھتے ہیں ہو استیناف بیان لحال رجل ثالث غیر الاول والآخر (جمع ج ۲ ص ۲۱) علامہ ملا علی قاریؒ نے ایک اور توجیہ و تطبیق کی صورت ان الفاظ سے بھی بیان کر دی ہے۔ علی ان فی روایة الترمذی و ہما و الصواب انی لا علم آخر رجل یدخل الجنة الخ، فانه حکنا رواہ مسلم وغیرہ من حدیث ابی فر و یوتی الخ، علی ہذا

محبوب خدا ﷺ کی لڑباوا میں
 الروایۃ ایضاً بیان لحال رجل ثالث کما تقدم او بیان لآخر رجل یدخل الجنة من
 غیر ان یدخل النار تأمل واللہ اعلم (جمع ج ۱ ص ۱۱) (اس کے علاوہ یہ بھی کہ ترمذی کی
 روایت (انی لا علم لول رجل الخ) میں وہم ہوا ہے اور صحیح عبارت انی لا علم آخر
 رجل یدخل الجنة الخ ہے کیونکہ مسلم وغیرہ نے ابو ذرؓ کی حدیث میں یہی الفاظ روایت
 کیے ہیں تو پھر اسی روایت پر بھی یونہی بالرجل الخ میں ایک تیسرے شخص کے حال کا
 بیان ہوگا جیسے پہلے گزر چکا ہے اور یا پھر اس آخری شخص کا بیان جو جنت کو داخل ہوگا بغیر اس
 کے کہ وہ پہلے دوزخ میں داخل ہوا ہو)

ماراھا ہینا کی تشریح :

اس جملہ میں مانا فیه اور اراھا کی ضمیر کا مرجع ذنوب ہے۔ ہینا کا مشار الیہ یا
 مقام عرض و حساب ہے یا صحائف اعمال۔ مطلب یہ کہ میرے بعض بڑے گناہ ہیں، جو
 یہاں مجھے نظر نہیں آرہے۔

قسم کیوں لی گئی :

قال ابو ذر و لقد رایت جناب ابو ذرؓ نے فرمایا کہ پس قسم ہے کہ میں نے
 آپؐ کو دیکھا کہ ہنسے، یہاں تک کہ اگلے دانت مبارک نظر آئے۔ اس روایت کو مسلسل
 بالضحک کہتے ہیں کہ سب ہنسے پڑھنے والے، پڑھانے والے، حضرات صحابہ کرامؓ حضور
 اقدس ﷺ اور خود باری تعالیٰ کما یلیق بشانہ۔ (جیسا کہ اس کی شان کے لائق ہو)
 ولقد ! قسم اس لئے لی گئی تاکہ ان کی خبر میں شک نہ کیا جائے، کیونکہ مشہور تو یہی ہے کہ
 آپؐ کا اکثر معمول تبسم کا تھا جیسا کہ علامہ بیجوریؒ بھی یہی لکھتے ہیں وانما اقسام لتلا یرتاب
 فی خبرہ لما اشہر ان المصطفیٰ کان لا یضحک الا تبسما (مواہب ص ۶۷)

روایاتِ ضحک و تبسم کا حاصل :

اس سلسلہ میں جس قدر روایات بھی آئی ہیں، سب کا حاصل یہی ہے کہ آپؐ اکثر
 اوقات اور بطور معمول کے تبسم ہی فرمایا کرتے تھے، جب کبھی اس میں زیادتی ہوتی، تو ہنس

دیتے تھے، مگر مکروہ تو کثرتِ ضحک ہے، نہ نفسِ ضحک (کیونکہ کثرت اور افراطِ ضحک انسانی وقار ختم کر دیتا ہے۔ جیسے کہ علامہ مناویؒ فرماتے ہیں وربما زاد فضحک والمکروہ الاکثار او الافراط لانها به الوقار) (مناوی ج ۲ ص ۱۲) حدیث سے یہ مسئلہ بھی معلوم ہوا کہ حیرت و استعجاب کے مقام پر ضحک بھی مکروہ نہیں ہے، جب وہ مسنون حدود سے متجاوز نہ ہو، علامہ بیجوریؒ کے الفاظ یہ ہیں و یؤخذ من الحلیث انه لایکره الضحک فی مواطن التعجب اذا لم یجاوز الحد (مواہب ۱۶۷/ منادی ج ۲ ص ۱۲)

ذکر نواجذ کا ہے مراد ضواحک ہیں :

حسی بدلت نواجذہ! نواجذ کی مفرد نواجذہ ہے، بمعنی اقصیٰ اضراس یعنی دائرہ، مگر یہاں اس کا حقیقی معنی مراد نہیں، بلکہ مبالغہ مقصود ہے، ای بالغ فی الضحک حتی ظہرت نواجذہ (مواہب ۱۶۷) (کہ آپ نے ہنسنے میں اتنا مبالغہ کیا کہ آپ کے نواجذ دانت) (بھی ظاہر ہو گئے) تو ذکر نواجذ کا ہے، مراد ضواحک ہیں۔ شیخ ابراہیم البجوریؒ بھی یہی لکھتے ہیں کہ وکانت مبالغتہ فی الضحک نادرۃ والمکروہ الاکثار منه (مواہب ص ۱۶۷) (اور حضور ﷺ کا ضحک (ہنسنے) میں مبالغہ کرنا نادر ہوتا تھا اور دراصل کراہت کثرت اور افراطِ ضحک میں ہے)

(۲۲۳/۵) حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ حَدَّثَنَا مُعَاوِيَةُ بْنُ عَمْرٍو حَدَّثَنَا زَائِدَةُ عَنْ بَيَانَ عَنْ قَيْسِ بْنِ أَبِي حَازِمٍ عَنْ جَرِيرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ مَا حَجَبَنِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْذُ اسَلَّمْتُ وَلَا رَأَيْتُ إِلَّا ضَحِكًا.

(۲۲۳/۶) حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ حَدَّثَنَا مُعَاوِيَةُ بْنُ عَمْرٍو حَدَّثَنَا زَائِدَةُ عَنْ إِسْمَاعِيلَ بْنِ أَبِي خَالِدٍ عَنْ قَيْسِ بْنِ جَرِيرٍ قَالَ مَا حَجَبَنِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْذُ اسَلَّمْتُ وَلَا رَأَيْتُ إِلَّا تَبَسَّمَ.

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں احمد بن منیع نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے معاویہ بن عمرو نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں زائدہ نے یہ روایت بیان

(راوی) کی وساطت سے بیان کی۔ انہوں نے یہ روایت قیس بن ابی حاتم سے روایت کی اور انہوں نے صحابی رسول حضرت جریر بن عبد اللہ سے نقل کیا۔ حضرت جریر بن عبد اللہ کہتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے میرے مسلمان ہونے کے بعد کسی وقت مجھے حاضری سے نہیں روکا، اور جب مجھے دیکھتے تھے، تو ہنستے تھے اور دوسری روایت میں ہے کہ تبسم فرماتے تھے۔

ترجمہ : امام ترمذی کہتے ہیں کہ ہمیں احمد بن منیع نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو یہ روایت معاویہ بن عمرو نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں اسے زائدۃً نے اسمعیل ابن ابی خالد کے حوالہ سے بیان کیا۔ انہوں نے یہ روایت قیس سے اور انہوں نے جریر بن عبد اللہ صحابی رسول سے روایت کی۔ حضرت جریر بن عبد اللہ کہتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے میرے مسلمان ہونے کے بعد کسی وقت مجھے حاضری سے نہیں روکا، اور جب مجھے دیکھتے تھے، تو ہنستے تھے اور دوسری روایت میں ہے کہ تبسم فرماتے تھے

بارگاہِ نبوت میں حضرت جریر کا مقام :

ما حجبنی مفہوم حدیث تو تحت اللفظ ترجمہ میں واضح کر دیا گیا ہے۔ مجھے حضور اقدس ﷺ نے منع نہیں فرمایا، گویا میرے لئے آپ کے دروازے ہر وقت کھلے ہوتے تھے۔ حَجَبٌ کا فاعل تو حضور ﷺ ہیں، ممنوع حضرت جریر ہیں اور ممنوع عنہ کا ذکر نہیں، تو وہ محذوف ہے، ای ما منعی فی الدخول علیہ فی بیتہ مع خواصہ و خلمہ لشلۃ اقبالہ علی (موہب ص ۱۶۷) (یعنی حضور ﷺ نے مجھے اپنے گھر میں خواص اور خدام کی موجودگی میں داخل ہونے سے منع نہیں فرمایا اور آپ میری طرف انتہائی توجہ فرمایا کرتے)

والمقصود انی لم احتج الی الاستیذان و یحتمل ان یکون المعنی ما منعی ملتسانی عنہ بل اعطانی البتۃ مطلوباتی منہ (جمع ج ۲ ص ۲۲) (اور اس سے مطلب یہ تھا کہ مجھے اجازت لینے کی ضرورت نہ تھی اور یہ بھی احتمال ہے کہ معنی یہ ہو کہ آپ نے مجھ سے میرے مطالبات کو روکا نہیں بلکہ مجھے میرے مطالبات پورے پورے دے دیتے)

منذ اسلمت! یعنی جب سے میں نے اسلام قبول کیا اور حضور اقدس ﷺ کا غلام بنا، آپ نے مجھے اپنے دربار میں حاضری اور قدموں میں بیٹھنے سے کسی وقت بھی نہیں روکا، حضرت جریرؓ نے آپ کی وفات کے سال میں اسلام قبول کیا تھا۔ اسلم قبل وفاته اربعین یوماً (مواہب ص ۱۶۷) (حضرت جریرؓ آپ کی وفات سے چالیس دن پہلے مسلمان ہوئے)

ضحک بمعنی تبسم :

ولارآنی! اس کے بعد منذ اسلمت حذف ہے، اذا لحذف من الثانی لدلالة الاول کثیر (جمع ج ۲ ص ۲۲) (اس لئے کہ جملہ ثانیہ سے حذف کرنا بوجہ دلالت پہلے جملہ کے کثیر الوقوع عمل ہے) الا ضحک! یہاں پر ضحک بمعنی تبسم کے ہے، جیسا کہ حدیث نمبر چھ میں اس کی تصریح ہے، وفي هذا الحديث تخصيص الضحك بالتبسم (اتحافات ص ۱۸۱) (اور اس حدیث میں ضحک کی تخصیص تبسم سے ہے) حضرت ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں، ولعل وجه التبسم له كل مرة في رؤيته انه رآه مظهر الجمال فانه كان له صورة حسنة على وجه الكمال حتى قال عمر في حقه انه يوسف هذه الامة (جمع ج ۲ ص ۲۳) (حاشیہ مشکوٰۃ ص ۴۰۶) (اور حضور ﷺ کا ہر بار حضرت جریرؓ کو دیکھ کر تبسم فرمانے کی وجہ شاید یہ کہ آپ نے حضرت جریرؓ کو مظہر جمال، خیال کیا ہو کیونکہ حضرت جریرؓ کی خوبصورتی حد درجہ کمال کی تھی اس لئے تو حضرت عمرؓ نے اس کے بارے میں اس امت کے یوسف ہونے کا قول اور تذکرہ کیا ہے۔)

حضور ﷺ کا تبسم و خندہ روئی :

بہر حال شارحین حدیث فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ کا ہنسنا درحقیقت تبسم ہی ہوتا تھا، الشیخ یوسف بن اسماعیل النبیہانی وسائل الوصول میں تحریر فرماتے ہیں کہ :
عبداللہ بن حارث بیان فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ کا ہنسنا درحقیقت مسکرانا ہوا کرتا تھا، آواز کے ساتھ نہیں ہستے تھے، آپ جب گفتگو فرماتے تو مسکرا کر اور بڑی خندہ

محبوبِ خدا ﷺ کی دلربا دائیں -----
 روئی کے ساتھ فرماتے، آپ کے تمام ساتھی بھی آپ ہی کی طرح زور زور سے نہیں ہنستے
 تھے، صرف مسکراتے تھے، جب آپ کی مجلس میں بیٹھتے تھے، تو اس سنجیدگی اور متانت سے
 بیٹھتے تھے، گویا ان کے سروں پر پرندے بیٹھے ہیں اور انہیں خدشہ ہے کہ زور سے ہنسیں گے یا
 بات کریں گے تو پرندے اڑ جائیں گے، گویا پوری مجلس میں پاس ادب سے سناٹا ہوتا تھا،
 اتفاقاً کسی کو کسی بات پر پوری ہنسی بھی آ جاتی، تو وہ منہ پر ہاتھ یا رومال رکھ لیتا، کہیں آپ
 کے سامنے ہنسنے کی آواز نہ نکل جائے، اور گستاخی جانی جائے، حضرات صحابہ کرام کا یہ حال
 ادب اور احترام کی بنا پر تھا۔

 (۲۲۵/۷) حَدَّثَنَا هَنَادُ بْنُ السَّرِيِّ حَدَّثَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ عَنِ الْأَعْمَشِ عَنْ إِبْرَاهِيمَ عَنْ
 عَيْلَةَ السَّلْمَانِيِّ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى
 اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنِّي لَأَعْرِفُ أَحْرَ أَهْلِ النَّارِ خُرُوجًا رَجُلٌ يَخْرُجُ مِنْهَا زَحْفًا فَيَقَالُ لَهُ
 انْطَلِقْ فَادْخُلِ الْجَنَّةَ قَالَ فَيَلْهَبُ لِيَدْخُلَ الْجَنَّةَ فَيَجِدُ النَّاسَ قَدْ أَخْلَوْا الْمَنَازِلَ
 فَيَرْجِعُ فَيَقُولُ يَا رَبِّ قَدْ أَخَذَ النَّاسُ الْمَنَازِلَ فَيَقَالُ لَهُ أَتَذْكُرُ الزَّمَانَ الَّذِي كُنْتَ فِيهِ
 فَيَقُولُ نَعَمْ قَالَ فَيَقَالُ لَهُ تَمَنَّ قَالَ فَيَتَمَنَّى فَيَقَالُ لَهُ فَإِنَّ لَكَ الَّذِي تَمَنَيْتَ وَعَشْرَةَ
 أَضْعَافِ الثَّنِيَاءِ قَالَ فَيَقُولُ أَتَسْخَرُ بِي (مِنِّي) وَأَنْتَ الْمَلِكُ قَالَ فَلَقَدْ رَأَيْتُ
 رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ضَحِكَ حَتَّى بَدَتْ نَوَاجِذُهُ .

ترجمہ : امام ترمذی کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت ہناد بن سری نے بیان کی۔ وہ کہتے
 ہیں کہ ہم کو اسے ابو معاویہ نے اعمش کے واسطے سے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ انہوں نے یہ
 روایت ابراہیم کے واسطے سے عبیدۃ سلمانی سے روایت کی، اور انہوں نے یہ حدیث صحابی
 رسول حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت کی، عبداللہ بن مسعود کہتے ہیں کہ حضور اقدس
 ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں اس شخص کو جانتا ہوں جو سب سے اخیر میں آگ سے نکلے گا،
 وہ ایک ایسا آدمی ہوگا کہ زمین پر گھسیتا ہو اور زرخ سے نکلے گا۔ اس کو حکم ہوگا کہ جنت میں
 داخل ہو جا، وہ وہاں جا کر دیکھے گا کہ لوگوں نے تمام جگہوں پر قبضہ کر رکھا ہے، سب جگہیں

پُر ہو چکی ہیں، لوٹ کر بارگاہِ الہی میں اس کی اطلاع کرے گا۔ وہاں ارشاد ہوگا کیا دنیاوی منازل کی حالت بھی یاد ہے۔ وہ عرض کرے گا کہ رب العزت خوب یاد ہے، اس پر ارشاد ہوگا کہ اچھا کچھ تمنائیں کرو، جس نوع سے دل چاہے۔ وہ اپنی تمنائیں بیان کرے گا، وہاں سے ارشاد ہوگا کہ اچھا تم کو تمہاری تمنائیں اور خواہشات بھی دیں اور تمام دنیا سے دس گنا زائد عطا کیا، وہ عرض کرے گا کہ یا اللہ! آپ بادشاہوں کے بادشاہ ہو کر مجھ سے تمسخر فرماتے ہیں کہ وہاں ذرا سی بھی جگہ نہیں ہے اور آپ تمام دنیا سے دس گنا زائد مجھے عطا فرما رہے ہیں۔ ابن مسعودؓ کہتے ہیں کہ میں نے حضور اقدس ﷺ کو دیکھا کہ جب اس شخص کا یہ مقولہ نقل فرما رہے تھے، تو آپؐ کو ہنسی آگئی، حتیٰ کہ آپؐ کے دندان مبارک بھی ظاہر ہو گئے۔

راویان حدیث (۴۹۷) ابراہیم اور (۴۹۸) عبیدہؓ کے حالات ”تذکرہ راویان شمائل ترمذی“ میں ملاحظہ فرمائیں۔

بعض الفاظ حدیث کی تشریح :

منہوم حدیث تحت اللفظ ترجمہ سے واضح ہے۔ ذیل میں بعض الفاظ حدیث کی تشریح بھی کر دی جاتی ہے۔

زحف کا معنی :

رجل ینخرج منها زحفاً ، دوزخ سے نکلنے والے آخری آدمی کی صفت زحفاً مذکور ہے، زحف مفعول مطلق ہے، ای خروجاً زحفاً یا حال ہے بمعنی زاحف کے ہے بمعنی گھسٹتے ہوئے چلنا چوتھروں کے بل۔ والزحف المشی علی الاست مع اشراف الصلر وفی روایۃ حبوا وهو المشی علی الیلین والرجلین والرکتین ولاتنافی بین الروایتین لاحتمال انہ یزحف تارة ویحبو اخری (مواہب ص ۱۶۸) (دونوں روایتوں میں منافات اور تعارض نہیں کیونکہ یہ احتمال ہے کہ وہ گھسٹتے ہوئے چلے یا گھسٹوں کے بل) زحوف اور زحفات اس کے ہم معنی ہیں۔

محبوب خدا ﷺ کی دُرُ بادا میں -----
یہ آدمی علامۃ المسلمین میں ایک گنہگار ہوگا، من عصاة المومنین، اس کا نام
جہینۃ یا ہناد ہے۔ المنازل! مراد جنت کے درجات ہیں، اس کی مفرد منزل آتی
ہے، وہی موضع النزول (مواہب ۱۶۷) (منزل کا معنی رہنے کی جگہ)

آخری جنتی سے باری تعالیٰ کا خطاب :

اتذکر الزمان الذی کنت فیہ ' یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اسے فرمایا جائے گا،
کیا تجھے اپنی زندگی کا وہ زمانہ یاد ہے، جب تمہارا دنیا میں قیام تھا، وہ کہے گا، مجھے یاد ہے کہ
زمین کی وسعت کس قدر زیادہ تھی، اس پر کتنے ڈھیر سارے لوگ آباد تھے، اس کی نعمتیں،
آرام و آسائش کے اسباب حکومتیں، سلطنتیں، بادشاہتیں سب یاد ہیں۔ اب دنیا کی حالت
یاد کرو، جب بھر جاتی تھی، تو دوسرے کی جگہ نہ رہتی تھی، مگر یہاں تو معاملہ ہی کچھ اور ہے۔
ملا علی قاریؒ نے اسی مفہوم کو عبارتِ ہذا میں ذکر کر دیا ہے۔ والمعنی اتقیس زمنک هذا
الذی انت فیہ الآن بزمنک الذی کنت فی اللنیان الامکنۃ اذا امتلائت
بالساکنین لم یکن للاحق مسکن فیہا (جمع ج ۲ ص ۱۲۳)

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا فرماتے ہیں، اس عبارت کا ترجمہ اکابر علماء
نے وہی تحریر کیا جو تحت اللفظ میں لکھ دیا ہے۔ مگر بندہ ناچیز کے نزدیک اگر اس کا مطلب یہ
کہا جائے تو زیادہ اچھا معلوم ہوتا ہے کہ کیا دنیا کی وسعت اور فراخی بھی یاد ہے کہ تمام دنیا
کتنی بڑی تھی اور یہ اس لئے یاد دلایا کہ آئندہ تمام دنیا سے دس گنا زائد اس کو عطا فرمانے کا
اعلان ہونے والا ہے، تو ساری دنیا کا ایک مرتبہ تصور کرنے کے بعد اس عطیہ کی کثرت کا
اندازہ ہو۔

آخری جنتی کی تمنا :

تمن ! بمعنی ادع کے ہے، دعا کو تمن سے تعبیر کرنے کی وجہ یہ ہے کہ کہ تمنی غیر
ممکن اشیاء کی بھی ہوتی ہے، جہاں حصولِ اشیء کے اسباب بعید ہوں، مقصد دعا کا یہ ہے کہ
انتہائی عظیم چیز کی تمنا کرو، کیونکہ دعا ہوتی ایسی چیز کے بارے میں ہے جو مل سکے، ای تمن

من كل جنس و نوع تشهى من وسع الدار و كثرة الاشجار فان لك مع امتلائها مساكن كثيرة و اما كن كثيرة و جنت تجرى من تحها الاتهار كلها على طريق خرق العادة بقدره الملك الغفار (جمع ج ۱۳ ص ۱۳) (اس کو کہا جائے گا کہ تو ہر جنس اور نوع کی آرزو اور تمنا کر چاہے آپ گھر یعنی (جنت کی وسعت) چاہتا ہے درختوں کی کثرت مطلوب ہے جنت کے بھر جانے کے باوجود آپ کے لئے اس میں بہت بڑے مکانات اور ایسے باغات جن کے نیچے نہریں ہوں گے یہ سب کچھ خلاف عادت صرف اس ذات اقدس کی قدرت سے ہوں گے جو بادشاہوں کے بادشاہ اور بہت بخشنے والی ذات ہے) ولا تقس حال الأخرى بحال الدنيا فان تلک دار ضيقة و محنة و هذه دار متسعة و منحة (موہب ص ۱۲۸) (اور تو آخرت کے گھر کا قیاس دنیا کے گھروں پر نہ کر کیونکہ یہ تو بہت تنگ و تاریک اور تکلیف دہ ہیں اور آخرت کا گھر تو بڑا وسیع اور مخصوص حد یہ ہے)

ادنیٰ جنتی کا اعلیٰ مقام :

فیقال له ! پس اس شخص کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے کہا جائے گا کہ تیرے لئے وہ بھی ہے، جس کی تو تمنا کر رہا ہے، و عشرة اضعاف الدنيا، اور اس سے دس گنا بھی، اضعاف بمعنی امثال کے ہے فضعف الشئ مثله و ضعفه مثله و اضعافه امثاله (موہب ص ۱۲۹) (تو ایک چیز کا ضعف اس کا مثل ہو اور دو ضعف دو مثل ہوئے اور ایک چیز کے چند اضعاف اس کے چند امثال ہوئے) لیکن دس گنا مساحت و مقدار کے اعتبار سے نہیں بلکہ قدر و قیمت کے اعتبار سے ہے، جو کچھ اسے آخرت میں دیا جائے گا، وہ دنیا کی نعمتوں میں سے دس گنا بڑھ کر ہوگا، جیسے علامہ بیجوریؒ کی اس عبارت سے ظاہر ہے فما يعطاه في الآخرة يكون مقدار عشرة اضعاف الدنيا --- بحسب القيمة بل افضل و اجل (موہب ص ۱۲۹) جیسا کہ سونا، دنانیر وغیرہ، گھوڑے کے مقابلہ میں مساحت و مقدار میں کم ہیں، لیکن قیمت میں بڑھ کر ہیں، ہاں یہ بھی یاد رہے کہ اگر مساحت و مقدار کے اعتبار سے بھی اضعاف ہو، تو اس کے لئے بھی کوئی مانع نہیں ہے --- ولا مانع من المضاعفة بالمساحة و المقدار، کیونکہ ایک روایت میں تصریح ہے، کہ ادنیٰ سے ادنیٰ جنتی کا گھر ایک

محبوب خدا ﷺ کی دلزبا دانیں -----
 ہزار سال کی مسافت کے برابر وسیع ہوگا، وہ اس کی انتہاء کو ایسے دیکھے گا، جیسے ابتداء کو دیکھ رہا ہے، وینظر الی جناحہ و نعیمہ و خلعہ و سررہ مسیرۃ الف سنۃ و ارفعہم الذی
 ينظر الی ربہ بالغداة والعشی (مواہب ص ۱۶۹) (اور یہ جنتی شخص اس کے باغات اور اس کی
 نعمتیں اور اس کے خدام اور تخت وغیرہ کو ایک ہزار سال کی مسافت سے دیکھے گا اور ان میں
 سے سب سے مرتبہ کے لحاظ سے بڑا وہ ہوگا جو صبح و شام دیدارِ خداوندی سے مشرف ہوتا
 رہے)

آخری جنتی کی حیرت و استعجاب :

انسخریبی و انت الملک ! بعض نسخوں میں انسخرنی اور بعض میں
 انسخرمنی نقل ہوا ہے۔ سحر کا صلہ با اور من آتا ہے اور بغیر صلہ کے بھی تعدیہ ہوتا ہے۔
 ایسے الفاظ انسان سے خوشی اور جوشِ مسرت کے وقت نکلتے ہیں۔ جیسے حدیث میں ایک شخص
 کا واقعہ منقول ہے، جس کی اونٹنی گم ہو گئی تھی اور وہ نا اُمیدی کے بعد اچانک مل گئی، تو اس
 نے جوشِ مسرت میں کہا، انت عبدی و انار بک (تو میرا بندہ ہے اور میں تیرا رب
 ہوں) اس کو سبقت لسانی کہتے ہیں، یعنی بارِ الہا ! آپ تو ملک الملوک ہیں، شہنشاہ اور
 احکم الحاکمین ہیں اور میں بندہ فقیر، بادشاہوں کے بادشاہ کے شایانِ شان یہ نہیں کہ وہ ایک
 حقیر و فقیر اور ذرہ بے مقدار سے مذاق کرے۔ اسی کو علامہ ملا علی قاریؒ نے والحال انک
 الخ کی عبارت سے ذکر کیا ہے) والحال انک الملک العظیم الشان عظیم البرهان
 وانا العبد الذلیل المستهان والیک المشتکی وانت المستعان (جمع ج ۲ ص ۳۳) و هذا
 نہایۃ الخضوع و هو سبب لکمال جود الملک و لذالک نال ما نال من
 الاکرام۔ (مواہب ص ۱۶۹) (اور یہ انتہائی عاجزی ہے اور یہی بادشاہ (ذاتِ خداوندی) کے
 کمالِ جود و سخا کا سبب ہے اس لئے کہ جو اکرام و اعزاز ملتا تھا وہ مل گیا اور اس کو پالیا)
 بعض حضرات نے کہا کہ ممکن ہے کہ یہ خطاب اس شخص سے کسی فرشتہ کے ذریعہ
 ہوا ہو، تو انت الملک (تو اس وقت لفظ ملک بفتح اللام بمعنی فرشتے کے ہوگا تو پھر معنی یہ
 ہوگا کہ تو میرے ساتھ مذاق کرتا ہے حالانکہ تو فرشتہ ہے) (بفتح اللام) پڑھا جائے گا،

و خطر لی انه يمكن ان يكون المخاطب بهذا المقال و احد من الملائكة (جمع جمع) (جیسے کہ ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ میرے ذہن میں یہ خیال آیا کہ ممکن ہے کہ اس مقولہ کا مخاطب فرشتوں میں سے کوئی فرشتہ ہو) ضحک اس موقع پر حضور اقدس ﷺ نے ہنس دیا دو وجہ سے اس آدمی کی دہشت و حیرت اور رب قدر سے معاملہ اس آدمی کی اپنے گناہوں پر بھی اور وسعت رحمت پر نظر اور اللہ پاک کی شفقت و عنایت اور اس کے فضل و رحمت کا اس کے غضب پر غالب ہونے پر جیسے علامہ بیجوریؒ یہ لکھتے ہیں ای تعجباً من دهش الرجل و من غلبة رحمة تعالى على غضبه (مواہب ص ۱۶۹)

(۲۲۶/۸) حَدَّثَنِي قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ أَبَانَا أَبُو الْأَحْوَصِ عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ عَنْ عَلِيِّ بْنِ رَبِيعَةَ قَالَ شَهِدْتُ عَلِيًّا رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أُنِيَ بِبَدَايَةِ لَيْرِكَبْهَا فَلَمَّا وَضَعَ رِجْلَهُ فِي الرِّكَابِ قَالَ بِسْمِ اللَّهِ فَلَمَّا اسْتَوَى عَلَى ظَهْرِهَا قَالَ الْحَمْدُ لِلَّهِ ثُمَّ قَالَ سُبْحَانَ الَّذِي سَخَّرْنَا هَذَا وَمَا كُنَّا لَهُ مُقَرَّبِينَ وَإِنَّا إِلَى رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُونَ ثُمَّ قَالَ الْحَمْدُ لِلَّهِ ثَلَاثًا وَاللَّهُ أَكْبَرُ ثَلَاثًا سُبْحَانَكَ إِنِّي ظَلَمْتُ نَفْسِي فَاغْفِرْ لِي فَإِنَّهُ لَا يَغْفِرُ الذُّنُوبَ إِلَّا أَنْتَ ثُمَّ ضَحِكَ فَقُلْتُ لَهُ مِنْ أَيِّ شَيْءٍ ضَحِجْتَ يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ قَالَ رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَنَعَ كَمَا صَنَعْتُ ثُمَّ ضَحِكَ فَقُلْتُ مِنْ أَيِّ شَيْءٍ ضَحِجْتَ يَا رَسُولَ اللَّهِ قَالَ إِنْ رَبِّكَ لَيَعْجَبُ مِنْ عَبْدِهِ إِذَا قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِي ذُنُوبِي يَعْلَمُ أَنَّهُ لَا يَغْفِرُ الذُّنُوبَ أَحَدٌ غَيْرِي.

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ مجھے یہ روایت قتیبہ بن سعید نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں اس روایت کی خبر ابو الاحوص نے ابی اسحاق کے واسطے سے دی اور انہوں نے یہ روایت علی بن ربیعہ سے روایت کی۔ ابن ربیعہؒ کہتے ہیں کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے پاس (ان کے زمانہ خلافت میں) ایک مرتبہ (گھوڑا وغیرہ) کوئی سواری لائی گئی۔ آپ نے رکاب میں پاؤں رکھتے ہوئے بسم اللہ کہا اور جب سوار ہوئے تو الحمد للہ کہا، پھر یہ دعا پڑھی، سُبْحَانَ الَّذِي سَخَّرْنَا هَذَا وَمَا كُنَّا لَهُ مُقَرَّبِينَ وَإِنَّا إِلَى رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُونَ۔ پاک

ہے وہ ذات جس نے اس کو ہمارے لئے مسخر فرما دیا ورنہ ہم کو اس کے مطیع بنانے کی طاقت نہ تھی اور واقعی ہم سب لوگ اللہ ہی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔ پھر حضرت علیؑ نے الحمد للہ تین مرتبہ کہا، پھر اللہ اکبر تین مرتبہ کہا، پھر سُبْحَانَكَ اِنِّي ظَلَمْتُ نَفْسِي فَاغْفِرْ لِي فَانَّهُ لَا يَغْفِرُ الذُّنُوبَ اِلَّا اَنْتَ۔ تیری ذات ہر عیب سے پاک ہے اور میں نے تیری نعمتوں کا شکر ادا نہ کرنے میں اور اوامر کی اطاعت نہ کرنے میں اپنے ہی نفس پر ظلم کیا ہے، پس یا اللہ آپ میری مغفرت فرمائیں، کیونکہ مغفرت تو آپ کے سوا اور کوئی کر ہی نہیں سکتا، اس دعاء کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ ہنسے۔ ابن ربیعہؒ کہتے ہیں کہ میں نے ہنسنے کی وجہ پوچھی، تو حضرت علیؑ نے فرمایا کہ حضور اقدس ﷺ نے بھی اسی طرح دعائیں پڑھی تھیں اور اس کے بعد حضور اقدس ﷺ نے بھی تبسم فرمایا تھا۔ میں نے بھی حضور اکرم ﷺ سے تبسم کی وجہ پوچھی تھی جیسا کہ تم نے مجھ سے پوچھی تو حضور اطہر و اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا کہ حق تعالیٰ جل شانہ بندہ کے اس کہنے پر کہ میرے گناہ تیرے سوا کوئی معاف نہیں کر سکتا، خوش ہو کر فرماتے ہیں کہ میرا بندہ یہ جانتا ہے کہ میرے سوا کوئی شخص گناہ معاف نہیں کر سکتا۔

اللَّهُمَّ رَبِّ اغْفِرْ لِي وَلِوَالِدِي فَانَّهُ لَا يَغْفِرُ الذُّنُوبَ اِلَّا اَنْتَ ، اللَّهُمَّ لَا اُحْصِي ثَنَاءً عَلَيْكَ لَكَ الْكِبْرِيَاءُ وَالْعَظْمَةُ - (اے اللہ میری اور میرے والدین کی مغفرت فرمادیں کیونکہ آپ کی ذات اقدس کے سوا اور کوئی مغفرت کر ہی نہیں سکتا اے اللہ! میں تو تیری حمد ثنا شمار ہی نہیں کر سکتا۔ تیرے ہی لئے عظمت بڑائی اور کبریائی ہے)

راوی حدیث (۴۹۹) علی بن ربیعہؒ کے حالات ”تذکرہ راویان شمائل ترمذی“ میں ملاحظہ فرمائیں۔

تمہید :

مضمون حدیث تو تحت اللفظ ترجمہ سے واضح ہو گیا ہے۔ موضع استشہاد یا ترجمہ الباب سے مناسبت فقلت من ای شئی ضحکت یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (میں نے کہا یا رسول اللہ! آپ کس چیز سے ہنس پڑے) میں ہے، جس کی تفصیلی بحث

گذشتہ احادیث میں عرض کر دی گئی ہے ذیل میں بعض الفاظ حدیث کی قدرے تشریح نقل کر دی جاتی ہے۔

بعض الفاظ حدیث کی تشریح :

حدیث زیر بحث میں حضور اقدس ﷺ کے ایک معمول کا بیان ہے۔ یہ حضرت علیؑ کی خلافت کا دور تھا۔ ان القضية فی ایام خلافتہ (جمع ج ۲ ص ۲۶) آپ کہیں تشریف لے جانا چاہتے تھے۔ اتنی بدابہ، تو آپ کے لئے سواری لائی گئی۔

لفظ دابہ کی تشریح :

دابہ لغت میں ما یدب علی وجه الارض (ہر وہ چیز جو روئے زمین پر حرکت کرے) کو کہتے ہیں، جیسا کہ قرآن مجید میں بھی اسی مفہوم میں مذکور ہے۔ وما من دابہ فی الارض الا علی اللہ رزقها (زمین میں کوئی جاندار نہیں مگر اس کا رزق اللہ تعالیٰ پر ہے) پھر عرف عام میں اسے ذوات الاربع کے ساتھ خاص کر دیا گیا۔ ثم خصها العرف العام بذوات الاربع (جمع ج ۲ ص ۲۵)

فلما وضع رجلہ مراد ارادہ ہے یعنی جب گھوڑے پر سوار ہونے کے لئے رکاب میں پاؤں رکھنے کا ارادہ فرمایا، تو بسم اللہ کہا، جار مجرور ار کب محذوف سے متعلق ہے۔ حضرت علیؑ نے یہ عمل حضور اقدس ﷺ کی اتباع و پیروی میں کیا کہ آگے اس کی تفصیل نقل کر دی گئی ہے۔ گویا کہ حضور اقدس ﷺ کا یہ عمل حضرت نوح علیہ السلام کے عمل سے ماخوذ ہے۔ کما يدل عليه حكاية عن نوح عليه السلام قال ار کبوا فيها بسم اللہ لان الدابة بالبر كالسفينة بالبحر (موہب ص ۱۶۹) (جیسے کہ قرآن مجید میں بطور حکایت نوح علیہ السلام کا قول اس پر دلالت کر رہا ہے کہ اس کشتی میں اللہ کا نام لیکر سوار ہو جاؤ اس لئے کہ خشکی میں جانور پر سواری کا حکم بمنزلہ کشتی کے سوار کے سمندر میں ہونے پر) فلما استوى جب پیٹھ پر آرام سے بیٹھ گئے تو الحمد للہ کہا اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا کہ یہ کس قدر عظیم نعمت ہے کہ ایک طاقتور گھوڑے کو اللہ نے ان کا مطیع و فرمانبردار بنا دیا ہے

، علامہ بیجوری فرماتے ہیں وہی تذلیل هذه الدابة واطاقته لنا على ركوبها مع الحفظ عن شرها (مواہب ص ۱۶۹) یہ تمام اذکار بھی اللہ کے اس ارشاد سے ماخوذ ہیں ، وجعل لكم من الفلك والانعام ما تركبون لتستروا على ظهوره ثم تذكروا نعمة ربكم اذا استويتم عليه (الآية) (اور بنا دیا تمہارے واسطے کشتیوں اور چوپایوں کو جس پر تم سوار ہوتے ہوتا کہ چڑھ بیٹھو تم ان (کشتیوں اور چوپایوں) کی (سطح اور) پیٹھ پر پھر جب اس پر بیٹھ چکو تو اپنے رب کی نعمت تو یاد کرو اور کہو کہ اس کی ذات پاک ہے جس نے ان چیزوں کو ہمارے بس میں کر دیا اور ہم ایسے (طاقتور اور ہنرمند) نہ تھے جو ان کو قابو میں کر لیتے اور ہم کو اپنے رب کی طرف لوٹ کر جانا ہے) ثم قال سبحن الذي دعا میں اللہ کی تزییہ کا بیان ہے کہ باری تعالیٰ کی ذات استواء علی الدابة کی طرح استواء علی مکان سے پاک ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں، وہ شریک سے منزہ ہے، نیز وہ ہر قسم کے دلہ و حیوان کی تذلیل کے عجز سے پاک ہے، وہ قادر ہے، جس نے اس گھوڑے کی طرح ساری کائنات کو ہمارے لئے مسخر کر دیا۔

مقرنین ای مطیقین (اتحافات ص ۲۸۲) (مقرنین کا معنی مطیقین ہے یعنی ہماری یہ طاقت نہ تھی کہ ہم ان جانوروں کو مسخر کر لیتے) کو انا الی ربنا ای حکمہ و امرہ او قضائہ و قدرہ او جزائہ و اجرہ (جمع ج ۲ ص ۱۵) (اور بے شک ہم اپنے رب کی طرف یعنی اس کے حکم یا قضاء و تقدیر یا جزا اور اجر) کی طرف لوٹنے والے ہیں) اس کا مطلب یہ ہوا کہ لفظ ربنا سے پہلے مضاف محذوف ہے)

تکبیر و حمد لہ میں تثلیث کی حکمت :

ثم قال الحمد لله ثلاثاً ای ثلاث مرات 'تکرار میں تعظیمِ نعمت کی طرف اشارہ ہے۔ او الاول لحصول النعمة والثاني لدفع النعمة والثالث لعموم المنحة (جمع ج ۲ ص ۲۵) (یا پہلی بار الحمد للہ کہنا حصولِ نعمت پر اور دوسری بار عذاب اور تکلیف کے دفع ہونے پر اور تیسری بار بوجہ عموم عطا و کرم کے) واللہ اکبر ثلاثاً اما تعظيماً لهذه الصنعة او الاول ايماء الى الكبرياء والعظمة في ذاته والثاني للتكبير والتعظيم في صفاته

والثالث اشعار الى انه منزه عن الاستواء المکانی والاستعلاء الزمانی (جمع ج ۲ ص ۲۵)
 (اور آپ کا تین بار اللہ اکبر کہنا یا تو اس کا ریگری کی عظمت شان کے لئے یا پہلی بار تو اللہ
 کی ذات میں عظمت اور کبریائی کو اشارہ ہے اور دوسری بار میں اس کی صفات کی تعظیم و بڑائی
 کی طرف اور تیسری بار میں ذات باری تعالیٰ کا استواء مکانی اور زمانی سے تزیہ اور پاک
 اظہار ہے)

سبحانک ہوا اور زمین کی ہر سواری خواہ وہ حیوانات میں سے ہو یا گاڑی اور جہاز
 ہو پر سفر کرتے وقت مذکورہ دعائیں پڑھنا مسنون ہیں۔

البتہ کشتی یا پانی کے جہاز کے سفر میں بسم اللہ مجرہا و مرسہا ان ربی لغفور
 رحیم (ہود: ۴۱) اللہ کے نام کے ساتھ ہے چلنا اس کا اور تھمنا اس کا تحقیق رب میرا البتہ
 بخشنے والا مہربان ہے (پڑھنا مسنون ہے۔

تعجب بمعنی محبت و رضا کے :

ان ربک لیعجب عجب بمعنی تعجب کرنا ہے، مگر اللہ تعالیٰ
 کی ذات تعجب سے منزہ ہے، کیونکہ تعجب کسی نامعلوم چیز کے علم میں آنے پر ہوتا ہے اور اللہ
 تعالیٰ کو ہر چیز معلوم ہے، چنانچہ یہاں معنی ہے کہ اللہ اپنے بندے پر راضی ہو جاتا ہے۔
 و عجب ربنا کنایة عن رضا و سرورہ (اتحافات ص ۲۸۲)

حدیث سے ماخوذ افادات :

حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ انسان پر اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی بارش ہوتی ہیں اور
 وہ اس میں گھرا پڑا رہتا ہے، تو اس پر لازم ہے کہ وہ شکرِ نعمت میں تکثیر و مداومت اختیار
 کرے، ینبغی أن یکثر من شکر النعمة (اتحافات ص ۲۸۲)

وفی کلام النبی صلی اللہ علیہ وسلم إشارة الى سعة مغفرة اللہ و رحمته و
 رضوانہ (اتحافات ص ۲۸۲) (صاحب اتحافات فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ کے کلام میں اللہ
 تعالیٰ کی مغفرت، رحمت اور رضامندی کی طرف اشارہ ہے)

(۲۲۷/۹) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ أَبَانَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ الْأَنْصَارِيُّ حَدَّثَنَا ابْنُ عَوْنٍ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْأَسْوَدِ عَنْ عَامِرِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ قَالَ سَعْدٌ لَقَدْ رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ضَحِكَ يَوْمَ الْخَلْقِ حَتَّى بَدَتْ نَوَاجِذُهُ قَالَ قُلْتُ كَيْفَ كَانَ ضِحُّكَ قَالَ كَانَ رَجُلٌ مَعَهُ تُرْسٌ وَكَانَ سَعْدٌ رَامِيًا وَكَانَ يَقُولُ كَذَا وَكَذَا بِالتُّرْسِ يُغَطِّي جَبْهَتَهُ فَتَزَعُ سَعْدٌ بِسَهْمٍ فَلَمَّا رَفَعَ رَأْسَهُ رَمَاهُ فَلَمْ يُخْطِئِي هُنْدٌ مِنْهُ يَعْنِي جَبْهَتَهُ وَأَنْقَلَبَ وَشَالَ بِرِجْلِهِ فَضَحِكَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتَّى بَدَتْ نَوَاجِذُهُ قُلْتُ مِنْ أَيِّ شَيْءٍ ضَحِكَ قَالَ مِنْ فِعْلِهِ بِالرَّجُلِ .

ترجمہ : امام ترمذی کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت محمد بن بشار نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں اس کی خبر محمد بن عبد اللہ انصاری نے دی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں اسے ابن عون نے محمد بن اسود کے واسطے سے بیان کیا۔ ان کو یہ روایت عامر بن سعد نے نقل کی۔ عامر بن سعد کہتے ہیں کہ میرے والد سعد نے فرمایا کہ حضور اقدس ﷺ غزوہ خندق کے دن ہنسے، حتیٰ کہ آپ کے دندان مبارک ظاہر ہو گئے۔ عامر کہتے ہیں کہ میں نے پوچھا کہ کس بات پر ہنسے تھے۔ انہوں نے کہا کہ ایک کافر ڈھال لیے ہوئے تھا اور سعد کو بڑے تیر انداز تھے، لیکن وہ اپنی ڈھال کو ادھر ادھر کر لیتا تھا، جس کی وجہ سے اپنی پیشانی کا بچاؤ کر رہا تھا۔ سعد نے ایک مرتبہ تیر نکالا۔ جس وقت اس نے ڈھال سے سر اٹھایا، فوراً ایسا تیر مارا کہ پیشانی سے چوکا نہیں اور فوراً گر گیا، ٹانگ بھی اوپر کو اٹھ گئی، پس حضور اقدس ﷺ اس قصہ پر ہنسے۔ میں نے پوچھا کہ اس میں کونسی بات پر انہوں نے فرمایا کہ سعد کے اس فعل پر۔

راویان حدیث (۵۰۰) عبد اللہ بن عون (۵۰۱) محمد بن محمد بن الاسود اور (۵۰۲) عامر بن سعد کے حالات ”تذکرہ راویان شمائل ترمذی“ میں ملاحظہ فرمائیں۔

نقل روایت :

عامر اپنے والد حضرت سعد سے نقل کرتے ہیں۔ حضرت سعد قدیم الاسلام صحابی اور عشرہ مبشرہ میں سے ہیں، سترہ سال کی عمر میں اسلام لائے، فرماتے ہیں کنت ثالث الاسلام وانا اول من رمی بسهم في ميال الله (جمع ج ص ۲۷) (کہ میں اسلام لانے

میں تیسرا شخص تھا اور میں ہی پہلا وہ آدمی ہوں جس نے اللہ کی راہ میں تیر پھینکا اور چلایا (ہے)

بعض الفاظِ حدیث کی تشریح :

لفظِ خندق 'معرب ہے..... لان الخاء و الدال والقاف لا تجمع فی کلمة عربیة .

(اتحاقات ۱۸۳)

(اس لئے کہ خاء دال اور قاف کا اجتماع کلمہ عربیہ میں نہیں ہوا کرتا) اور جعفر کے وزن پر حفیر حول اسوار المدینة (جمع ج ۲ ص ۲۷) (خندق کا معنی ایک طویل گڑھا جو مدینہ کی شہر پناہ کے ارد گرد تھا)

الترس ! وهو ما یستر به حال الحرب (اتحاقات ص ۱۸۳) (ترس (ڈھال) کی تعریف میں کہتے ہیں کہ جس کے ذریعہ جنگ کے حال کو چھپایا جائے) ایک روایت میں ترس کی جگہ قوس منقول ہے (مواہب ص ۱۷۱) وکان سعد رامیاً (اور حضرت سعدؓ تیر انداز تھے) یہ اگر حضرت سعدؓ کا کلام ہے تو اس میں التفات ہے، کیونکہ وہ وکنت رامیاً (میں تیر پھینکنے والا) کہنے والے ہوتے۔ مراد اچھے تیر انداز ہونے کے ہیں، وان کان من کلام عامر فلا التفات (مواہب ص ۱۷۱) (اور اگر یہ عامر راوی کا کہنا ہے تو پھر اس میں التفات نہ ہوگا)

قول بمعنی فعل :

وکان الرجل ! یہ حضرت سعدؓ کا کلام ہے کہ یہ رجل مشرک وکافر تھا، یقول کنا وکنا بالترس سے مراد یفعل کنا وکنا بہ ہے، یعنی وہ ڈھال دائیں، بائیں کر کے اپنی حفاظت کرتا تھا، ذکر قول کا ہے مراد فعل ہے اور یہ عرب میں مستعمل ہے، والعرب تجعل القول عبارة عن جميع الافعال و تطلقه علی غیر الکلام تقول قال ییلہ ای اخذ و قال برجلہ ای مشی و قالت به العینان سمعاً و طاعة ای اومات به و قال بالماء علی ییلہ ای صبہ و قال بثر به ای رفعہ و قال بالترس ای اشار به و قلبہ و قس علی ہذہ

الافعال (موہب ص ۱۷۱) (عرب کا یہ دستور و طریقہ ہے کہ وہ قول کا ذکر کر کے اس سے ہر قسم کا فعل مراد لیتے رہتے ہیں اور اس کا اطلاق غیر کلام پر کر لیتے ہیں مثلاً تو کہے گا قال بیدہ اور اس کا معنی کرے گا اس نے اپنے ہاتھ سے اٹھایا یعنی (قال کو بمعنی اخذ کے لیا) اور قال بوجلہ کا معنی امشی بوجلہ (یعنی پاؤں سے چلا) کا کرتے ہیں اور قالت بہ العینان کا معنی او مات بہ کا کرتے ہیں یعنی آنکھوں سے اشارہ (فرمانبرداری کا کیا) اور قال بالماء علی بیدہ کا معنی اصبہ یعنی اس نے ہاتھوں پر پانی ڈالا اور قال بثوبہ کا معنی رفعہ یعنی اس نے کپڑا اٹھایا اور قال بالترس کا معنی اشارہ و قلبہ یعنی ڈھال سے اشارہ کیا اور اس کو الثایا اور ایسے دوسرے افعال اس پر قیاس کیے جاسکتے ہیں) و انقلب الرجل ای صار أعلاه أسفله و سقط علی استہ و شال بوجلہ ای رفعها (موہب ص ۱۷۱) (اور وہ شخص الثاگرا یعنی اس کا اوپر کا حصہ نیچے ہوا اور وہ اپنی سرین پر گر پڑے اور اپنے پاؤں کو اوپر کیا)

حضور اقدس ﷺ کیوں ہنسے؟

فضحک النبی صلی اللہ علیہ وسلم! حضور اقدس ﷺ حضرت سعد کی تیر اندازی قدرت کی مدد و یاوری، اور رجل کافر کے ماہرانہ کرتب کے باوجود تیر کے ہدف پر بیٹھنے پر ہنسے، چونکہ یہاں ہنسی کے متعدد احتمالات تھے، من رمی الرجل و اصابته او من رفعہ رجلہ و افصاحہ بکشف عورتہ (یا تو اس شخص (سعد) کی ٹھیک تیر اندازی سے یا اس کافر کے پاؤں اٹھ جانے اور کشف عورت کی وجہ سے شرمندگی ہونے سے) اس وجہ سے حضرت عامر نے حضرت سعد سے استفسار کیا کہ آپ کے ہنسنے کا سبب کیا تھا۔ قال من فعلہ بالرجل یعنی آپ حضرت سعد کی تیر اندازی اور ہدف کے نشانہ بننے کی مہارت پر فرحت و سرور سے ہنسے کہ اللہ کا دشمن ڈھیر ہو گیا۔ لا من رفعہ لرجلہ حتی بدلت عورتہ.

(مناوی ج ۳ ص ۱۸) (نہ اس کافر کے پاؤں اٹھانے اور کشف عورت ہو جانے پر)

حضرت عصام کا قول ہے کہ آپ اللہ کی قدرت کے ظہور اور کافر کی عاجزی و درماندگی پر ہنسے کہ اسے ڈھال اور بچاؤ کی تدبیروں نے کوئی فائدہ نہ پہنچایا۔ حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کفار کے ساتھ بھی ان کے کشف عورت یا کسی بھی نوعیت کی تحقیر و تذلیل اور

عارواہانت پر مشتمل کوئی ٹھٹھہ یا مذاق کرنا جائز نہیں ہے۔

خلاصۃ الباب :

احمد عبدالجواد الدومنی نے خلاصۃ الباب میں بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ وقد افادنا ان ضحك رسول الله صلى الله عليه وسلم كان تيسماً و ان الادب النبوي يقتضينا ان نقتل به ما استطعنا الى ذلك من سبيل ، ان القهقهة تنهب بالوقار ، وتبعث في الانسان السامة والملل (اتحافات ۱۸۳) (اور تحقیق ہمیں اس سے یہ معلوم ہوا کہ نبی علیہ السلام کا ہنسنا تبسم کی صورت میں ہوتا تھا اور حضور ﷺ کی یہ عادت اور نصیبت مبارکہ اس بات کی مقتضی ہے کہ ہم سے جتنا ہو سکے ان عادات میں اس کی متابعت کی کوشش کرنی چاہئے اور حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ قہقہہ انسان کے عزت و وقار کو ختم کر دیتا ہے اور انسان میں اکتاہٹ بے قراری دل تنگی کی کیفیت پیدا کرتا ہے)

=====

بَابُ مَا جَاءَ فِي صِفَةِ مِرَاحِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

باب ! حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے مزاح
اور دل لگی کے بیان میں

مزاح سنت ہے :

اس باب میں چھ ایسی احادیث درج کی جا رہی ہیں، جن میں حضور اقدس ﷺ کی خوش مزاجی، بذلہ سخی اور دل لگی کا بیان ہے۔ مزاح بھی حضور اقدس ﷺ کا ایک معمول اور سنت ہے، مگر اس میں آپؐ کبھی بھی وقار سے گری ہوئی یا دوسرے کو دکھ دینے والی یا غلط بات نہیں فرماتے تھے، بلکہ خوش طبعی اور دل لگی کے لہجے میں صحیح اور حق بات فرمایا کرتے، جیسا کہ آنے والی احادیث میں خود آپؐ کا ارشاد منقول ہے کہ انسی لامزح ولا اقول الا الحق (کہ میں مزاح اور دل لگی کرتا ہوں لیکن اس میں بھی حق اور صحیح بات کہتا ہوں) مزاح (بکسر المیم) ہو تو اس کا معنی ہنسی اور انبساط ہوتا ہے۔ وهو بمعنی الممازحة (اتحافات ص ۲۸۴) اور مُزاح (بضم المیم) ہو تو معنی خوش طبعی اور دل لگی اور مذاق کا ہوتا ہے۔ وهو الانبساط مع الغير من غير تنقيص أو تحقير له بأى لون من الالوان (اتحافات ص ۲۸۴) (وہ کسی سے ایسی خوش طبعی اور مذاق جس میں اس کی تنقیص و تحقیر کا پہلو نہ ہو چاہے پھر جس طرز میں ہو) صاحبِ مرقاۃ مزاح اور مسخرہ کا فرق ان الفاظ سے بیان کرتے ہیں۔ ثم المزاح انبساط مع الغير من غير ايداء فان بلغ الايداء يكون سخريه (حاشیہ مشکوٰۃ ص ۴۱۶) (کہ مزاح ایسی دل لگی اور انبساط ہے جو کسی شخص سے بغیر اسی ایداء دیے کی جاوے اور اگر اس میں ایداء یا تحقیر وغیرہ ہو تو پھر مسخرہ ہوا)

مزاح سے ممانعت کے وجوہ :

باقی رہی یہ بات کہ بعض روایات میں آپؐ سے مزاح کی ممانعت وارد ہوئی ہے۔ ملا علی قاریؒ دونوں قسم کی روایات میں تطبیق کی غرض سے امام نوویؒ کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ وہ مزاح جس کی نہی وارد ہوئی ہے، وہ ہے جس میں افراط ہو اور ہمیشہ کیا جائے، وہ جو کہ زیادہ ہنسی کا باعث ہو، قساوتِ قلب کا سبب ہو، اللہ کی یاد سے غافل کرنے والا ہو، مہماتِ دینی سے توجہ ہٹا دے، کینہ پیدا کرے اور وقار اور ہیبت کو گرا دے۔ فانہ یورث کثرة الضحك و قسوة القلب، و یشغل عن ذکر اللہ و الفکر فی مہمات الدین، و یوجب الأحقاد، و یسقط المہابة و الوقار (جمع ج ۲ ص ۲۹) اور جو مزاح ان مذموم امور سے خالی ہو، دوسروں کی دلداری، خوش طبعی، فرحت و سرور اور انبساط و نشاط کا سبب ہو، وہ مستحب ہے۔ واما ما سلم من هذه الامور فهو المباح الذی کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم یفعلہ علی النذرة لمصلحة تطیب نفس المخاطب و مؤانستہ و هو سنة مستحبة (جمع ج ۲ ص ۲۹)

حضورِ اقدس ﷺ کے لئے مزاح ضروری ہونے کی غرض :

حضورِ اقدس ﷺ خوش طبع تھے۔ دوسرا یہ کہ آپؐ کے لئے مزاح و خوش طبعی کی ضرورت بھی تھی، کیونکہ آپؐ کی عظمت و وقار اور رعب و شوکت اور ہیبت و دبدبہ اس قدر بڑھا ہوا تھا کہ ایک ماہ کی مسافت تک اس کے اثرات پڑتے تھے، اگر آپؐ خوشی طبعی، دل لگی، مسکراہٹ اور مزاح نہ فرماتے، تو حاضرین و خدام اور مستفیدین کے لئے آپؐ کی عظمت و رعب کی وجہ سے بھرپور استفادہ مشکل تھا اور آپؐ کی اتباع میں امت کے علماء، صلحاء، مصلحین، اساتذہ، مریدین اور مشائخ بھی اسی سنت پر عمل کر کے کام کرتے، تو عامۃ الناس کے لئے افادہ و استفادہ بہت مشکل ہو جاتا۔ اس لئے آپؐ کو مزاح کا مزاج دیا گیا۔ سنن بعض السلف عن مزاحہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال کانت لہ المہابة العظمیٰ، فلولم یمازح الناس لما اطافوا الاجتماع بہ و التلقى عنہ (اتحافات ص ۲۸۲)

محبوبِ خدا ﷺ کی درُ باادائیں -----
 (بعض اسلاف کرام سے حضور ﷺ کے مزاج کرنے کے متعلق پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ آپ کی ذاتِ اقدس تو ایک عظیم بارعب شخصیت تھی کہ اگر آپ ﷺ ان لوگوں سے کچھ خوش طبعی نہ فرماتے تو پھر ان کے لئے حضور ﷺ کی مجلس میں بیٹھنا اور ان سے استفادہ حاصل کرنے کی ہرگز طاقت نہ ہوتی) اس سلسلہ میں امام غزالی فرماتے ہیں کہ آپ نماز تہجد کے بعد گھر میں کچھ (دل لگی کی) باتیں کر کے باہر تشریف لاتے تھے، تاکہ ان تجلیات کا اثر زائل ہو جائے، جس کا عامۃ الناس تحمل نہیں کر سکتے تھے (تقریری ترمذی)

مزاج آفت نہیں سنت ہے :

شیخ احمد عبدالجواد الدومی رقمطراز ہیں کہ امام سفیان بن عیینہ سے کسی نے عرض کی کہ حضرت! مزاج بھی ایک آفت ہے، انہوں نے فرمایا نہیں! بلکہ یہ سنت ہے، لیکن جو مزاج کو سمجھے بھی اور اپنے مواقع اور محل میں استعمال کرے۔ قیل لسفیان بن عیینہ:

المزاج هجنة فقال بل هو سنة لكن لمن يحسنه ويضعه مواضعه (اتحافات ص ۲۸۶)

أفد طبعك المكثود بالجدراحة بجد وعلله بشئ من المزاج

ولكن اذا اعطيته المزاج فليكن على قدر ما يعطى الطعام من الملح

(مواہب ص ۱۷۲)

(اپنی تھکی ماندہ طبیعت کو سنجیدگی سے آرام پہنچا اور اس کو کچھ مزاج و خوش طبعی کا عادی بنا لیکن اس کو اتنی خوش طبعی اور بے تکلفی عطا کر جتنا کہ کھانے میں نمک مناسب ہوتا ہے)

(۲۲۸/۱) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ غِيلَانَ أَنبَانَا أَبُو أُسَامَةَ عَنْ شَرِيكِ عَنْ عَاصِمِ الْأَحْوَلِ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ إِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَا ذَا الْأُذُنَيْنِ قَالَ مُحَمَّدُ قَالَ أَبُو أُسَامَةَ يَعْنِي يُمَارِحُهُ .

ترجمہ : امام ترمذی کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت محمود بن غیلان نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اس کی ابو اسامہ نے شریک کی وساطت سے خبر دی۔ انہوں نے یہ روایت عاصم احوال سے روایت کی حضرت انس بن مالک فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے ان کو

ایک مرتبہ مزاحاً یا اذا الاذنین فرمایا (اے! دوکانوں والے)۔

یا اذا الاذنین کا مطلب :

حضرت انسؓ حضور اقدسؐ کے صحابی اور خادمِ خاص ہیں۔ آنحضرتؐ نے انہیں یا اذا الاذنین سے خطاب فرمایا، جو ازراہ مذاق و انبساط تھا۔ ایک طرف تو مذاق ہے اور دوسری طرف حق بھی، شاید اس جانب اشارہ مقصود ہو کہ حضرت انسؓ ہر چیز پر کڑی نظر رکھتے اور اسے یاد رکھتے ہیں اور یہ بھی مراد ہو سکتا ہے کہ جو کچھ تعلیم و ہدایت سن لیتے ہیں، اس کے مقتضی پر عمل کرتے ہیں، و یسکن ان یكون اشارة الى کمال انقیاد و حسن خلعتہ (جمع ج ۲ ص ۲۹)

توصیف بھی اور تعلیم بھی :

جو ایک مخلص خادم اور شب و روز کے ہمد و رفیق کے لئے بہت ہی اچھا وصف ہے اور یہ بھی خیال کیا جاسکتا ہے کہ حضرت انسؓ علم میں اور تحصیلِ علم میں حریص ہیں، بہت ہی عمدہ طریقے سے آپؐ کے ارشادات سنتے اور کان لگا کر سنتے ہیں۔ کان تو ہر انسان کے دو ہوتے ہیں، مگر مذکورہ خصوصی امتیاز کی وجہ سے انہیں یا اذا الاذنین کہہ کر پکارا اور یہ بھی ممکن ہے کہ ان کے کان چھوٹے ہونے میں یا بڑے ہونے میں دیگر لوگوں سے ممتاز ہوں علامہ بیجوریؒ اور صاحبِ اتحافات نے یہی مفہوم مندرجہ ذیل عبارات میں ذکر کیا ہے (ای صاحب الاذنین السميعتين الواعيتين الضابطين لما سمعناه وصفه بذلك مدحا لذكائه و فطنته۔ (مواہب ص ۱۷۲) ولعل اذنيه كانتا متميزتين بقصر او طول (اتحافات ص ۲۸۵)

اس میں ایک سبق بھی ہو سکتا ہے کہ حضرت انسؓ تو دبستانِ رسول ﷺ کے ایک ادنیٰ طالب علم تھے، انہیں سمجھایا جا رہا ہے کہ بیٹے! یا اذا الاذنین کہ دراصل کان وہ ہیں، جن سے حق بات سنی اور سمجھی جائے الحض و التبيه على حسن الاستماع (جمع ج ۲ ص ۲۹) کفار کے بھی تو کان ہوتے ہیں۔

محبوب خدا ﷺ کی درُبا دائیں -----
مگر قرآن نے گواہی دی ہے، وَلَهُمْ اَذَانٌ لَا يَسْمَعُونَ بِهَا (اعراف: ۷۹) کہ ان کے کان تو ہیں، مگر وہ سنتے نہیں۔

(۲۲۹/۲) حَدَّثَنَا هِنَادُ بْنُ السَّرِيِّ حَدَّثَنَا وَكِيعٌ عَنْ شُعْبَةَ عَنْ أَبِي التَّيَّاحِ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ إِنْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِيُخَالِطَنَا حَتَّى يَقُولَ لِأَخِي صَغِيرٍ يَا أَبَا عُمَيْرٍ مَا فَعَلَ النُّغَيْرُ قَالَ أَبُو عَيْسَى وَفَقَهُ هَذَا الْحَدِيثِ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُمَارِحُ وَفِيهِ أَنَّهُ كُنِيَ غُلَامًا صَغِيرًا فَقَالَ لَهُ يَا أَبَا عُمَيْرٍ وَفِيهِ أَنْ لَا بَأْسَ أَنْ يُعْطَى الصَّبِيُّ الطَّيْرَ لِيلْعَبَ بِهِ وَإِنَّمَا قَالَ لَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا أَبَا عُمَيْرٍ مَا فَعَلَ النُّغَيْرُ لِأَنَّهُ كَانَ لَهُ نُغَيْرٌ فَيَلْعَبُ بِهِ فَمَاتَ فَحَزِنَ الْغُلَامُ عَلَيْهِ فَمَارَحَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا أَبَا عُمَيْرٍ مَا فَعَلَ النُّغَيْرُ .

ترجمہ : امام ترمذی کہتے ہیں کہ ہمیں ہناد بن السری نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے وکیع نے شعبہ کے حوالہ سے بیان کیا، انہوں نے یہ روایت ابی تیاح سے اور انہوں نے حضرت انس بن مالک سے روایت کی۔ حضرت انس فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ ہمارے ساتھ میل جول، مزاح فرماتے تھے، چنانچہ میرا ایک چھوٹا بھائی تھا، حضور اکرم ﷺ اس سے فرماتے یا اباعمیر ما فعل النغیر، ارے عمیر وہ نغیر کہاں جاتی رہی۔

راوی حدیث (۵۰۳) ابوالتیاح کے حالات ”تذکرہ راویان شمائل ترمذی“ میں ملاحظہ فرمائیں۔

بعض الفاظ حدیث کی تشریح :

اس روایت کے راوی بھی حضور اقدس کے خادم خاص حضرت انس ہیں۔ تحت اللفظ ترجمہ میں مفہوم حدیث واضح ہے، قال ان كان یہ اصل میں انہ کان ہے، فان منخفضة من الثقبلة واسمها ضمير الشأن (موہب ص ۱۷۳)

لیخالطنا ! قاموس میں ہے خالطہ ای مازحہ اس کا ثلاثی خلط یخلط خلطاً ہے۔ لغوی معنی ملا دینا ہے۔ یہاں مراد مزاج اور مذاق ہے۔ ضمیر متکلم مع الغیر سے مراد حضرت انسؓ اور ان کا خاندان ہے کہ اس میں وہ اپنے بھائی کا قصہ نقل کرتے ہیں۔ محشی مشکوٰۃ شریف بحوالہ مرقات لکھتے ہیں کہ وفیہ کمال خلق النبی صلی اللہ علیہ وسلم وان رعاية الضعفاء من مکارم الاخلاق وانہ يستحب استحالة قلوب الصغار وادخال السرور فی قلوبہم وقد قال اللہ تعالیٰ وصفہ الکریم فی کلامہ القلیم و انک لعلی خلق عظیم (حاشیہ مشکوٰۃ ص ۴۱۶) (کہ اس میں حضور ﷺ کے کمال اخلاق کا علم اور یہ کہ ضعیف اور کمزور لوگوں کا خیال رکھنا بھی اچھے اخلاق میں سے ہے نیز یہ کہ چھوٹے بچوں سے خوش طبعی کرتے ہوئے ان کے دلوں میں خوشحالی پیدا کرنا مستحب ہے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں آپ کے اخلاق کریمہ کو خلق عظیم کے امتیازی وصف سے بیان کرتے ہوئے وانک لعلی خلق عظیم فرمادیا)

نغیر! یہ نغیر کی تصغیر ہے۔ اس کی جمع نغیران ہے، سرخ چونچ والی چڑیا کو کہتے ہیں۔ ہو طائر کالعصفور احمر المنقار و قیل ہو طائر له صوت و قیل هو الصقر و قیل غیر ذلک والاشهر الاول (مواہب ص ۱۷۳) علامہ بیجوریؒ نے نغیر کی تحقیق کرتے ہوئے لکھا ہے کہ چڑیا کی مانند ایک پرندہ سرخ چونچ والا ہے اور بعض نے کہا کہ ایک خوش آواز پرندہ اور بعض نے کہا کہ شکر ہے بعض نے کچھ اور کہا ہے لیکن پہلی بات زیادہ مشہور ہے) یہ ایک بلبل قسم کا پرندہ ہے۔ بعض نے اس کا ترجمہ لال سے اور بعض نے بلبل سے کیا ہے۔

استخراج مسائل :

حدیث میں بظاہر تو چند موٹی موٹی باتیں ہیں۔ مثلاً حضور اقدس ﷺ نے حضرت انسؓ کے چھوٹے بھائی کو کنیت سے پکارا، جب اس کا پالا ہوا پرندہ (بلبل) مر گیا تو وہ منموم تھا، آپ نے اسے چھیڑا، اور دل لگی کرتے ہوئے فرمایا کہ تمہارا وہ نغیر کیا ہوا، حالانکہ آپ کو معلوم تھا کہ وہ مر گیا ہے۔

محبوب خدا ﷺ کی دلربا دائیں -----
 قال ابو عیسیٰ! امام ترمذیؒ یہاں سے حدیث سے معلوم ہونے والے بعض مسائل کا
 ذکر کرتے ہیں بعض فقہاء نے تو آپ کے مزاج میں ارشاد فرمودہ اس ایک جملہ سے سو
 (۱۰۰) مسائل کا استخراج کیا ہے، جیسا کہ ابن القاصؒ نے اس پر مستقل رسالہ لکھا ہے۔
 واعلم ان فوائد هذا الحديث تزيد على المائة افردها ابن القاص بجزء (مواہب ص
 ۱۷۳) کیا شان ہے حضرت محمد ﷺ کے ارشادات کی ایک جملہ اور وہ بھی مذاق و مزاج کا
 اس میں بھی علوم اور معارف کے خزانے بھرے پڑے ہیں۔

جوازِ مزاج پر استدلال :

وفقه الحدیث امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ حدیث سے یہ ثابت ہوا کہ جائز
 مزاج اور مذاق مستحب ہے۔ حضور اقدس ﷺ سے ثابت ہے۔ کان یمازح مخاطب کی
 تطیب نفس کے لئے آپ مزاج کیا کرتے تھے ای لمصلحة تطیب نفس المخاطب
 و مؤانسته و ملاطفته و مداعبته و ذلك من کمال خلقه و مکارم اخلاقه و تواضعه
 ولین جانبہ حتی مع الصبیان و سعة صدره و حسن معاشرته للناس (مواہب ص ۱۷۳)
 (جس میں مخاطب سے انس و محبت پیدا کرنے اس سے نرمی کا معاملہ کرنے اور اس کو خوشحال
 رکھنے جیسے مصالح کے پیش نظر آپ ﷺ خوش طبعی فرمایا کرتے تھے حتی کہ چھوٹے بچوں کے
 ساتھ بھی اور یہی باتیں آپ ﷺ کے اخلاقِ کریمانہ کی بلندی اور کمالِ تواضع، ملاطفت
 ، وسعتِ صدر اور لوگوں کے ساتھ اچھے برتاؤ کی دلیل اور امت کے لئے سنہری اصول ہیں)
 صغیر کو کنیت سے پکارنا جائز ہے :

وفیه انہ کنی! دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے ایک چھوٹے بچے کو کنیت
 ابو عمیر سے پکارا، حالانکہ ابھی تو وہ بچہ تھا، تو حدیث سے اس بات کا جواب ہو گیا کہ یہ
 کذب نہیں بلکہ حقیقت ہے، کیونکہ آپ نے ان کی یہ کنیت نغیر کی مناسبت سے رکھی
 ۔ لطف و مزاج کے لئے، اور اب سے مراد ساتھی اور صاحب ہے۔ ابوالکلام ابوالحسنات
 وغیرہ کہ یہاں نہ تو کلام کا باپ مراد ہے اور نہ حسنات کا مراد صاحب ہے۔ نیز یہ تقاؤل

بھی ہے کہ یہ بچہ زندہ رہے اور اللہ اسے باپ بنا دے، جیسے علامہ بیجوریؒ نے بھی یہی لکھا ہے کہ وهو لا بأس به لأن الكنية قد تكون للفاول بانه يعيش و يصير أبا لكونه يولد له (موہب ص ۱۷۳)

پرندوں کا پالنا :

وفيه انه لا بأس امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ حدیث سے یہ بھی ثابت اور معلوم ہو گیا کہ چھوٹے بچوں کا پرندوں کو پالنا یا ان کے لئے کسی دوسرے کا پالنا اور ان سے کھیلنا جائز ہے۔ بشرطیکہ حفاظت خدمت اور ان کے حقوق برابر ادا کئے جاسکیں۔ البتہ اس پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ اس میں تعذیب الحيوان ہے اور وہ شرعاً منہی عنہ ہے، شارحین حدیث جواب میں کہتے ہیں کہ اس صورت میں تعذیب یقینی نہیں، بلکہ تحسین و رعایت قطعی ہے۔ عموماً پرندے پالنے والے ان کے اکرام و اطعام کا زیادہ اہتمام کرتے ہیں کہ انہیں ان سے محبت ہوتی ہے۔ ويقوم المؤنة على الوجه اللائق فيجوز تمكينه منه حينئذ و إلا حرم (موہب ص ۱۷۳) (اگر پرندہ پالنے والا اس کے حقوق کا پورا پورا خیال رکھتا ہے تو پھر اس کو اپنے پاس رکھنے کی گنجائش ہے ورنہ حرام ہے)

نیز اس سے چھوٹے بچوں کے لئے جائز کھلونے خریدنا اور ان کو دینے کا جواز بھی ثابت ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کسی جانور کا پالنا اور پنجرے میں بند رکھنا بھی جائز ہے، بشرطیکہ تعذیب الحيوان سے بچا جاسکے۔ اسی طرح ایک شخص گھر میں اکیلا رہا ہے، یا بیمار ہے اور وہ پرندہ رکھ لیتا ہے تو دل بہلانے کے لئے یہ اس کے لئے جائز ہے۔

حرم مدینہ میں شکار کا مسئلہ :

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حرم مدینہ میں پرندہ کا پنجرہ میں رکھنا جائز ہے، تو اس کا شکار بھی جائز ہے۔ حدیث زیر بحث احناف کا مستدل ہے، جس میں حضورؐ نے ابوعمیر پر نکیر نہیں کی بلکہ اس میں دلچسپی لی اور اس کی دلداری کی۔ جبکہ شوافع حضرات حرم مکہ کی طرح حرم مدینہ میں بھی شکار کو ناجائز قرار دیتے ہیں۔

سجع کا حکم :

حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بعض اوقات جب بلا تکلف بات بنے، مبالغہ آرائی مقصود نہ ہو اور لطف و دل لگی غرض ہو، تو کلام میں سجع بھی جائز ہے، جیسا کہ یا ابا عمیر ما فعل النغیر سے ظاہر ہے۔ ہاں اگر مبالغہ آرائی غرض ہو اور تصنع و تکلف کرنا پڑے تو سجع ممنوع ہے علامہ بیجوری فرماتے ہیں ویؤخذ من الحدیث جواز السجع و محل النهی عنه اذا كان فيه تكلف (مواہب ص ۱۷۳)

تصغیر اسماء بھی مباح ہے :

حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مخاطب کو اس کے اسم مصغر سے بھی پکارا جاسکتا ہے۔ جب بے تکلفی ہو، مخاطب کو حظ و فرحت ہو، تحقیر و تذلیل، اور اعتراض و نکیر غرض نہ ہو بلکہ انبساط و انشراح دل لگی اور باہمی موانست ہو، وفيه اباحة تصغير الاسماء (جمع ج ۲ ص ۳۲)

(۲۳۰/۳) حَدَّثَنَا عَبَّاسُ بْنُ مُحَمَّدٍ الدَّوْرِيُّ قَالَ أَخْبَرَنَا عَلِيُّ بْنُ الْحُسَيْنِ بْنِ شَقِيقٍ أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ الْمُبَارَكِ عَنْ أُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ عَنْ سَعِيدِ الْمَقْبُرِيِّ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّكَ تُدَاعِبُنَا قَالَ أَنَّى لَا أَقُولُ إِلَّا حَقًّا .

ترجمہ : امام ترمذی کہتے ہیں کہ ہمیں عباس بن محمد دوری نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو علی بن حسن بن شقیق نے خبر دی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں اس کی خبر عبد اللہ بن مبارک نے دی۔ انہوں نے یہ روایت اسامہ بن زید سے روایت کی۔ انہوں نے یہ روایت سعید مقبری سے سنی اور انہوں نے حضرت ابو ہریرہ سے سماعت کی۔ حضرت ابو ہریرہ کہتے ہیں کہ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ آپ ہم سے مذاق بھی فرمالتے ہیں، حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: ہاں ہاں مگر میں کبھی غلط بات نہیں کہتا۔

راوی حدیث (۵۰۴) علی ابن الحسن بن شقیق کے حالات ”تذکرہ راویان شمال ترمذی“

حضور کے مزاح پر صحابہ کا مکالمہ :

تداعبنا ! یہ الدعابة سے ہے، فکاهة اور مزاح کی طرح، داعب سے مصدر ہے، مداعبة، مفاعلہ کے وزن پر ہے۔

حضرات صحابہ کرام کے سوال کی غرض یہ تھی کہ آپ ہی نے تو مذاق سے منع فرمایا ہے۔ لا تمار اخاک ولا تمازحه ولا تعله موعدا فتخلفه (مواہب ص ۱۷۴) (کہ اپنے بھائی (مسلمان) سے جھگڑا اور مزاح نہ کیا کرو اور نہ اس سے ایسا وعدہ کرو کہ پھر اس کی خلاف ورزی کر دیں) پھر آپ کی عظمتِ شان اور علوِ مقام بھی تو اتنا رفیع ہے کہ بظاہر تو مذاق اس کے شایانِ شان نہیں۔ حضور اقدس ﷺ نے جواب میں یہی فرمایا کہ انسی لا اقول الاحقا ای مطابقاً للواقع (مواہب ص ۱۷۴) میری عام بات اور میرا مذاق بھی وہی ہوتا ہے، جو واقع کے مطابق اور حق ہو، مبالغہ، استہزاء، تمسخر، دلا زاری نہیں بلکہ دل لگی، دل جوئی، خوش طبعی، موانست و محبت اور حقیقت پر مبنی ہوتا ہے، فمن حافظ علی قول الحق مع بقاء المهابة والوقار فله المداعبة بل ہی سنة (مواہب ص ۱۷۴) (پس جو شخص اپنے مزاح میں حق بات کہنے اور اپنے عزت و وقار اور بارعب رہنے کی رعایت رکھے گا تو اس کے لئے تو خوش طبعی جائز ہے بلکہ سنتِ نبوی ﷺ ہے) یہ تو پہلے بھی عرض کیا جا چکا ہے کہ آپ کے ایک مزاحی جملہ سے بھی محدثین نے سینکڑوں مسائل کا استخراج کیا ہے۔

(۲۳۱/۴) حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا خَالِدُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ عَنْ حُمَيْدٍ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ أَنَّ رَجُلًا اسْتَحْمَلَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ إِنِّي حَامِلُكَ عَلَى وُلْدٍ نَاقَةٍ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللَّهِ مَا أَصْنَعُ بِوَلَدِ النَّاقَةِ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهَلْ تَلِدُ الْإِبِلَ إِلَّا النُّوقَ .

ترجمہ : امام ترمذی کہتے ہیں کہ ہمیں یہ حدیث قتیبہ بن سعید نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو خالد بن عبداللہ نے حمید کے حوالہ سے بیان کیا اور انہوں نے یہ روایت حضرت

محبوب خدا ﷺ کی دُرُ باوائیں -----
 انس بن مالکؓ سے نقل کی۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ کسی شخص نے حضور اقدسؐ سے درخواست کی کہ کوئی سواری کا جانور مجھے عطا فرما دیا جائے۔ حضور ﷺ نے فرمایا، ایک اونٹنی کا بچہ تم کو دیں گے، سائل نے عرض کیا کہ حضور ﷺ! میں بچے کو کیا کروں گا (مجھے سواری کے لئے چاہئے) حضورؐ نے فرمایا کہ ہر ایک اونٹ کسی اونٹنی کا بچہ ہوتا ہے۔
 راوی حدیث (۵۰۵) خالد بن عبداللہؓ کے حالات ”تذکرہ راویان شمال ترمذی“ میں
 ملاحظہ فرمائیں

بعض الفاظِ حدیث کی تشریح :

والابل اسم جمع لا واحد له من لفظه و هو بكسرتین و سمع تسکین الباء
 للتخفيف والنوق جمع ناقة و هی انثی الابل قال ابو عبیدة لا تسمى ناقة حتی تجذع
 (موہب ص ۱۷۵)

سوال و جواب میں حزم و احتیاط کرنا چاہئے :

قصہ سارا تحت الفظ ترجمہ میں آ گیا ہے۔ یہ رجل کوئی صاحبِ ضرورت سادہ بزرگ تھے۔ وکان بہ بلہ (موہب ص ۱۷۴) استحمل باب استفعال سے ہے۔ اس میں طلب کے معنی پائے جاتے ہیں، یعنی سواری طلب کی کہ انہیں کہیں سفر درپیش تھا۔ آپؐ نے فرمایا انی حاملک علی ولد ناقة (میں تجھے اونٹنی کے بچے پر سوار کروں گا) اور بعض نسخوں میں ولد الناقة بھی آیا ہے۔ آپؐ کے اس جملہ مبارک سے اولیٰ وھلہ میں بظاہر یہی متبادر بھی ہوتا ہے کہ آپؐ اسے اونٹ کا چھوٹا بچہ دینے کا فرما رہے ہیں۔ یتبادر منه ماھو الصغیر من اولاد الابل، حالانکہ اسے تو سفر درپیش ہے۔ اسے بچہ نہیں اونٹ چاہئے، مگر حضورؐ نے ایسا جملہ لطافتِ دل لگی اور موانست کے لئے اختیار فرمایا مداعبة و ملاطفة و
 مباسطة له (موہب ص ۱۷۴)

اس حدیث میں ایک تو آپؐ کا لطیف مزاح مذکور ہے۔ اس میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ غور و فکر کرنے کے بعد سوال کرنا چاہئے اور جواب پر بھی غور و فکر کرنا چاہئے۔

ملا علی قاری شرح حدیث میں فرماتے ہیں، فکانہ یقول له لو تلبرت فی الکلام لعرفت المرام ففیه مع المباشطة له الاشارة الی ارشاده و ارشاد غیره بانه ینبغی لمن سمع قولاً ان یتامله و لایبادر الی رده الا بعد ان یدرک غوره (جمع ج ۲ ص ۳۵) (حاشیہ مشکوٰۃ ص ۲۱۶) (گویا حضور ﷺ اس کو کہہ رہے ہیں کہ اگر آپ نے میری بات میں کچھ غور و فکر کیا ہوتا تو آپ مقصد کو جان لیتے آپ نے اس کہنے میں خوش طبعی کے ساتھ ساتھ اس شخص کو اور ایسے دوسرے لوگوں کی یہ رہنمائی فرمائی ہے کہ جب کوئی شخص کسی بات کو سنے تو مناسب ہے کہ اس میں تدبر اور غور و فکر کرے اور اس کے جلدی جواب دینے اور رد کرنے کی کوشش نہیں کرنی چاہئے)

(۲۳۲/۵) حَدَّثَنَا اسْحَقُ بْنُ مَنْصُورٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ حَدَّثَنَا مَعْمَرٌ عَنْ ثَابِتٍ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ أَنَّ رَجُلًا مِّنْ أَهْلِ الْبَادِيَةِ كَانَ اسْمُهُ زَاهِرًا وَ كَانَ يُهْدَى إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَدِيَّةً مِّنَ الْبَادِيَةِ فَيُجَهِّزُهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَرَادَ أَنْ يَخْرُجَ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ زَاهِرًا بَادِيَتَنَا وَ نَحْنُ حَاضِرُوهُ وَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُحِبُّهُ وَ كَانَ رَجُلًا دَمِيمًا فَاتَاهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمًا وَ هُوَ يَبِيعُ مَتَاعَهُ وَ اخْتَضَنَهُ مِنْ خَلْفِهِ وَ هُوَ لَا يُبْصِرُهُ فَقَالَ مَنْ هَذَا أَرْسَلَنِي فَأَلْتَفْتَ فَعَرَفَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَجَعَلَ لَا يَأْلُومَا الصَّقَ ظَهْرَهُ بِصَدْرِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِينَ عَرَفَهُ فَجَعَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَنْ يَشْتَرِي هَذَا الْعَبْدَ فَقَالَ الرَّجُلُ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِذَا وَاللَّهِ تَجِدَنِي كَاسِدًا فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَكِنَّ عِنْدَ اللَّهِ لَسْتُ بِكَاسِدٍ أَوْ قَالَ أَنْتَ عِنْدَ اللَّهِ غَالٍ

ترجمہ : امام ترمذی کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت اسحق بن منصور نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے عبد الرزاق نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت معمر نے بیان کی۔

انہوں نے یہ حدیث ثابت سے روایت کی اور انہوں نے اسے حضرت انس بن مالکؓ سے روایت کیا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک شخص جنگل کے رہنے والے جن کا نام زاہر بن حرام تھا، وہ جب حاضر خدمت ہوتے، جنگل کے ہدایا سبزی ترکاری وغیرہ حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں پیش کیا کرتے تھے اور وہ جب مدینہ منورہ سے واپس جانے کا ارادہ کرتے تھے، تو حضور اقدس ﷺ شہری سامان خورد و نوش کا ان کو عطا فرماتے تھے۔ ایک مرتبہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ زاہر ہمارا جنگل ہے، اور ہم اس کے شہر ہیں۔ حضور اقدس ﷺ کو ان سے خصوصی تعلق تھا۔

زاہر کچھ بد شکل بھی تھے، ایک مرتبہ کسی جگہ کھڑے ہوئے وہ اپنا کوئی سامان فروخت کر رہے تھے کہ حضور اقدس ﷺ تشریف لائے اور پیچھے سے ان کی آنکھوں پر ہاتھ رکھا کہ وہ حضور ﷺ کو دیکھ نہ سکیں، انہوں نے کہا ارے! کون ہے، مجھے چھوڑ دے لیکن کن آنکھوں وغیرہ سے دیکھ کر حضور ﷺ کو پہچان لیا، تو اپنی کمر کو بہت اہتمام سے پیچھے کو کر کے حضور اقدس ﷺ کے سینہ مبارک سے ملنے لگے (کہ جتنی دیر بھی تلبس رہے ہزار نعمتوں اور لذتوں سے بڑھ کر ہے) حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ کون شخص ہے، جو اس غلام کو خریدے۔ زاہر نے عرض کیا کہ حضور ﷺ! اگر آپ مجھے فروخت فرما دیں گے تو کھوٹا اور کم قیمت پائیں گے۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ نہیں اللہ کے نزدیک تو تم کھوٹے نہیں ہو، بلکہ بیش قیمت ہو۔

بارگاہِ نبوت میں دیہاتی ہدایا :

مضمون حدیث اور حضور اقدس ﷺ کے قولی مزاح کی طرح عملی مزاح کا ایک نمونہ بھی تحت اللفظ ترجمہ میں قارئین کے سامنے آ گیا ہے۔ ان رجلاً من اہل البادية یہ صاحب حضور اقدس ﷺ کے جلیل القدر بدری صحابی حضرت زاہر بن حرامؓ تھے جن سے آپؐ کو بے تکلفی تھی۔ دیہاتی آدمی تھے جب حاضر خدمت ہوتے تو حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں دیہاتی ہدیہ لایا کرتے تھے، ہدیہ دیہاتی ظاہر ہے سبزیاں ساگ اور پودینہ وغیرہ ہوا کرتا تھا ہدیہ من البادية ای حاصلہ منها مما یوجد فیہا من الازہار

والاثمار والنبات وغیرھا (جمع ج ۳ ص ۲۵) یہ ہدایا آپ ان سے قبول کرتے تھے، لانتھا
تکون مرغوبة عزيزة عند اهل الحضر (مواہب ص ۱۷۵) (اس لئے کہ سبزیاں پھول اور
میوے وغیرہ شہریوں کو پسند اور مرغوب ہوتے ہیں)

حضورِ اقدس ﷺ کے ہدایا :

فیجھزہ یعنی پھر جب واپس جاتے تو حضورِ اقدس ﷺ بھی ان کے لئے ان
کے مناسب حال شہری ضرورتوں کی تکمیل کر دیا کرتے تھے۔ ضروری برتن اور اہم اشیاء انہیں
مرحمت فرماتے 'مما یعینہ علی کفایتہم والقیام بکمال معیشتہم (مواہب ص ۱۷۵) (جو
ان کی کمال معیشت اور برتاؤ میں معین و مددگار ثابت ہوتے)

آپ کا قولی مزاج :

ان زاهراً بادیتنا یہ حضورِ اقدس ﷺ کے قولی مزاج کی مثال ہے، جو حق ہے۔
آپ فرمایا کرتے کہ زاہر ہمارا دیہات ہے اور ہم اس کے شہر ہیں۔ ملا علی قاری اس کی شرح
میں لکھتے ہیں ای نستفید منه ما یستفید الرجل من بادیتہ من انواع النباتات فصار کانه
بادیتہ و قیل من اطلاق اسم المحل علی الحال او علی حذف المضاف ای ساکن
بادیتنا کما حقق (جمع ج ۲ ص ۳۶) (یعنی ہم اس سے وہ چیزیں حاصل کرتے ہیں جو کوئی
شخص ان کو دیہات سے حاصل کرتا ہے یعنی سبزیاں میوہ وغیرہ تو گویا زاہر ہمارا دیہات
ہوا۔ بعض نے کہا کہ یہ از قبیل ذکر محل (دیہات) اور مراد حال (یعنی جو اس میں ہوں
سبزیاں وغیرہ) کے ہے۔ یا پھر یہاں مضاف محذوف ہے یعنی لفظ ساکن دراصل عبارت
ان زاهراً ساکن بادیتنا ہوگا یعنی زاہر ہمارے دیہات کے رہنے والے ہیں)

ونحن حاضرہ ! ای اهل النبوة او الجمع للعظیم حاضرہ ! ای
حاضرہ و الملینة له و فیہ کمال الاعتناء به والاهتمام بشأنه (جمع ج ۳ ص ۳۶) (نحن
حاضرہ۔ یعنی ہم اہل نبوت اس کے شہر ہیں یا یہ جمع صرف تعظیم کے لئے ہے مراد آپ
ﷺ ہیں اس کہنے میں حضرت زاہر کی شان کا اہتمام بخوبی معلوم ہو رہا ہے)

ہدیہ میں اسوۂ حسنہ :

مراد یہ ہے، ہم ان کو یہاں سے وہ چیز عنایت فرماتے ہیں، جنہیں انہیں اپنے دیہات میں ضرورت پڑتی ہے۔ اس میں اُمت کے لئے یہ ارشاد و پیغام ہے کہ ہدیہ کے مقابلہ میں اسی کے برابر بلکہ اس سے بہتر ہدیہ دینا چاہئے۔ علامہ مناویؒ فرماتے ہیں فانما هو ارشاد للامة الى مقابلة الهدية بمثلها او خیر منها. (مناوی ج ۲ ص ۲۶)

مدارِ قبولیت حسنِ باطن پر ہے :

وکان ... حضورِ اقدس ﷺ حضرت زاہرؓ سے محبت کرتے تھے۔ آپ کا ارشاد ہے تھا دوات حابوا یہ جملہ آئندہ آنے والی عبارت کے لئے بمنزلہ توطئة و تمہید ہے، وکان رجلاً یہ ان لوگوں میں سے تھے، جن کے بارے قرآن نے رَجَالٌ لَا تُلَهِیْهِمْ تِجَارَةٌ وَلَا بَیْعٌ عَنْ ذِکْرِ اللَّهِ (النور: ۳۷) (وہ ایسے مرد کہ نہیں غافل کرتی ان کو سوداگری اور نہ بیچنا، یا و خدا سے) گواہی دی ہے، دمیما! ای قیح الصورة مع کونہ ملیح السیرة (جمع ج ۲ ص ۳۶) (یعنی بد صورت ہونے کے باوجود نیک سیرت تھے) اس میں اس جانب بھی اشارہ ہے کہ بارگاہِ قدس میں قبولیت کا مدار حسنِ باطن پر ہے، حسنِ ظاہر یہ نہیں جیسا کہ ارشاد ہے ان اللہ لا ینظر الی صورکم و اموالکم و لکن ینظر الی قلوبکم و اعمالکم (بے شک اللہ تعالیٰ تمہاری صورتوں اور مال داری کو نہیں دیکھتے لیکن تمہارے دلوں اور اعمال پر نظر رکھتے ہیں)۔

ہوتے سیرت سے ہیں مردانِ دلاور ممتاز

ورنہ صورت میں تو کچھ کم نہیں شہباز سے چیل

حضورِ اقدس ﷺ کا فعلی مزاج :

فاتاہ بہر حال حضرت زاہرؓ صورت میں جیسے بھی تھے، سیرت میں اجمل و اکمل تھے، وہ بادیہ سے آتے تو بازار میں دیہاتی چیزیں فروخت کر کے اپنی ضروریات بازار سے خرید کر واپس تشریف لے جاتے۔ ایک مرتبہ آپ کا بازار جانا ہوا تو حضرت زاہرؓ

اتفاق سے بازار میں اپنا سامان فروخت کر رہے تھے، و متاعہ کان قرۃ لبن و قرۃ سمن (مواہب ص ۱۷۶) (اور ان کا سامان ایک مشکیزہ دودھ کا اور ایک مشکیزہ گھی کا تھا) اور اپنے کام میں انہماک تھا۔ حضور اقدس ﷺ نے انہیں دنیوی کام میں منہمک دیکھا تو پیچھے سے آئے اور ان کی آنکھوں پر ہاتھ رکھ لیا، تاکہ آپ کو پہچان نہ سکے۔ و اخذ عینہ بیدیہ کیلا یعرفہ (جمع ج ۲ ص ۳۶) اور پیچھے سے انہیں اپنے ساتھ ملا کر دبوچ لیا اور گود میں لے لیا احتضان کا معنی گود میں لینا ہے۔

ای ادخلہ فی حضنہ و هو مادون الابط الی الکشح و جاء من ورائہ و ادخل بیدیہ تحت ابطیہ (مواہب ص ۱۷۶) (یعنی حضور ﷺ نے حضرت زاہرؓ کو اپنے حضن میں لیا) (حضن بغل سے نیچے پہلو تک جگہ کا نام ہے) یعنی آپ ﷺ اس کے پیچھے سے آئے اور ان کے دونوں ہاتھ اس کی بغل کے نیچے ڈالے) آگے قصہ بڑھانے سے پہلے یہ بھی واضح کر دیا جائے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بازار میں داخلہ اور حسن مخالطت جائز ہے۔ یؤخذ منہ جواز دخول السوق و حسن المخالطۃ (مواہب ص ۱۷۶)

تقاضائے عشق و محبت :

فالتفت پس جب انہوں نے آنکھوں کے کناروں سے آپ کو پہچان لیا، ای عرفہ بنعت الجمال علی وجہ الکمال (جمع ج ۲ ص ۳۶) (یعنی جب حضرت زاہرؓ نے آپ ﷺ کو پوری طرح حسن و جمال کی صفت کے ساتھ پہچان لیا) تو اپنی پیٹھ کو بڑے اہتمام کے ساتھ پیچھے کر کے آپ کے سینہ مبارک سے ملنے لگے۔ تبرکاً و تلذذاً بہ و تدلاً علی محبوبہ (بطور تبرک تلذذ اور اپنے محبوب پر ناز برداری کے لئے) ظاہر ہے کہ اس وقت وہ آپ کے ہاتھوں میں بندھے ہوئے تھے، ورنہ مقتضائے عشق و محبت اور کمال ادب تو یہ تھا کہ ان يقع علی رجليہ و یقبلہما بمقلتیہ و یتبرک بغبار قلمیہ و یجعلہ کحل عینیہ۔ (وہ حضور ﷺ کے قدموں مبارک پر گر کر آنکھوں سے چومتے اور آپ ﷺ کے قدموں کی غبار کو تبرکاً اپنی آنکھوں کا سرمہ بنا لیتے) (جمع ج ۲ ص ۳۷)

هذا العبد کی بحث :

جب انہوں نے آپؐ کو پہچان لیا تب آپؐ نے مزاحاً فرمایا من يشتري هذا العبد (یہ غلام کون خریدے گا) یہ جملہ بھی خلاف واقع نہیں ہے کہ بعض نسخوں من يشتري العبد آیا ہے، جو بغیر اسم اشارہ کے ہے، گویا یہ ایک عام جملہ ہوا۔ حضرت زاہرؓ کی طرف اشارہ نہیں۔ مگر دیکھنے والا حضرت زاہرؓ کو ہی عبد سمجھ رہا ہے۔ بعض حضرات نے یہ بھی کہا ہے کہ اشتراء اور عبد کے ظاہری معنی متروک ہیں، کیونکہ نبی کا یہ حق ہے کہ عبد کو حر اور حر کو عبد قرار دے، النَّبِيُّ أَوْلَىٰ بِالْمُؤْمِنِينَ مِنْ أَنفُسِهِمْ ۝ (الاحزاب: ۶) نبی بہت شفقت کرنے والا ہے مسلمانوں پر ان کی جانوں سے بھی) یا پھر عبد کا معنی عام ہے، کیونکہ ہر انسان اللہ تعالیٰ کا عبد ہے ووجه تسميته عبداً واضح فانه عبد الله (جمع ج ۲ ص ۳۷) (اور حضرت زاہرؓ کو عبد کہنے کی وجہ تسمیہ تو ظاہر ہے کہ وہ اللہ کے بندے تو ہیں) کو کما فی قوله تعالیٰ اِنْ كُلُّ مَنْ اِلَى قَوْلِهِ تَعَالَىٰ اِلَّا اِنِّى الرَّحْمٰنُ عَبْدًا (مریم: ۹۳) (اور جیسے کہ اللہ تعالیٰ کے اس قول میں کہ نہیں کوئی شخص کہ بیچ آسمانوں اور زمین کے ہے مگر آتا ہے رحمن کے پاس بندہ ہو کر) اسی طرح اشتراء کا لفظ بعض اوقات اختیار کے معنی میں آتا ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ (التوبہ: ۱۱۱)

گویا اس جملہ میں ایک گونہ تو یہ ہے اشتراء کا معنی قریب تو خریدنا اور بیچنا ہے۔ مگر آپؐ نے اس کا معنی بعید اختیار فرمایا ہے، بمعنی اختیار کے، ای من يقابل هذا الانسان بالاکرام مع انه دمیم و من اهل البادية (جمع ج ۲ ص ۳۷) (کون پسند کرے گا اس انسان (زاہرؓ) کو عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھنا۔ باوجود یہ کہ وہ خوبصورت بھی نہیں اور دیہاتی ہے)

حضرت زاہرؓ کی انکساری :

فقال يا رسول الله اذا ! اس جملہ میں حضرت زاہرؓ کس قدر مجز و انکسار ظاہر کر رہے ہیں جواب و جزاء لشرط محذوف ای ان بعثتى اذا ' کاسدا ای متاعاً

رخیصاً او غیر مرغوب فیہ (جمع ج ۲ ص ۳۷) (اذا کاسداً الخ یہ جملہ جواب اور جزا شرطیہ محذوف ان بعثنی کے لئے ہے یعنی اگر آپ ﷺ نے مجھے بیچا تو میں تو بے کار اور سستا سامان ہوں جس کو لوگ پسند بھی نہیں کرتے) کہ یہ زشت رو تو بہت کم قیمت ہے، مگر نگاہ نبوت میں اس زشت رو کی کتنی قیمت ہے فرمایا لکن عند اللہ لست بکاسدٍ او قال، انت عند اللہ غال (لیکن تو اللہ کے نزدیک کم قیمت نہیں یا آپ ﷺ نے فرمایا تو اللہ کے نزدیک بڑا قیمتی ہے) یہ راوی کو شک ہے کہ آپ نے پہلا جملہ ارشاد فرمایا یا دوسرا۔ اسی حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مخلص دوست کی مناسب مدح جائز ہے۔ فیؤخذ منه جواز مدح الصدیق بما یناسبہ (مواہب ص ۱۷۶)

مزاحِ نبوت، علوم و معارف کا گنجینہ :

حضورِ اقدس ﷺ کا مزاحِ مبارک بھی علوم و معارف کا گنجینہ ہوا کرتا تھا۔ اس ایک مزاحی قول و فعل سے بھی دسیوں فقہی مسائل کا علماء نے استخراج کیا ہے۔ اساتذہ دورہ حدیث کے طلبہ اور اربابِ ذوق کے لئے امام شیخ عبدالرؤف مناویؒ کے نقل کردہ بعض استخراجی مسائل بھی نقل کر دیے جاتے ہیں۔

و فیہ جواز مصادقة اهل البادية و محبتهم، و دخول السوق و اعتناق من یحبہ من خلفہ و لایصرہ، و تسمیة الحر عبداً و حسن المخالطة، و مواساة الفقراء و عدم الالتفات الی الصور ان اللہ لا ینظر الی صورکم و لکن ینظر الی قلوبکم و اعمالکم، و رفع الصوت فی مقام العرض علی البیع، و عدم المبالاة بمنع الماخوذ علی اخذہ فی مقام المداعبة و جواز مداعبة الادنی مع الاعلی و مدح الصدیق بما یناسبہ و الاخبار بالعلم بمحبة من یحبک، و قبول الهدیة و المكافاة علیہا و ذلك معروف من عادته صلی اللہ علیہ وسلم، اما العمال بعدہ فیحرم علیہم قبولہا الا ما استثنی فی محله، و الاخبار بقدر من له قدر عند اللہ و غیر ذلك و ذلك کله من فوائد مزاح ذلك الجناب الافخم صلی اللہ علیہ وسلم فمزاحہ لیس مزاحاً الا باعتبار الصورة اذ لا یخلو عن بشری فاضلة او مصلحة شاملة او فائدة كاملة

فہو بالحقیقۃ غایۃ الجد و من ذلک مما زحتہ لعائشۃ و مسابقتہ لہا و تراخیہ حتی سبقتہ کما رواہ فی العلل عنہا فانہ مع ما فیہ من الملاطفۃ و المجاہرۃ فیہ ریاضۃ تنفع البدن و تفریح یذهب الحزن (مناوی، ص: ۳۷، ۳۸) (دیہاتیوں کے ساتھ دوستی اور محبت کا ثبوت بازار کو جانے اور اپنے محبوب کے ساتھ پیچھے سے ایسا معانقہ کرنا کہ وہ آپ کو نہ دیکھ پائے کا جواز اور ایک آزاد کو عبد کہنا اور اچھی مخالفت (ملنا جلنا) اور فقیروں کی غمخواری اور کسی کی صرف صورت کو مد نظر نہ رکھنا بلکہ اللہ تعالیٰ کے اس قول کو پیش نظر رکھنا کہ اللہ تمہاری صورتوں کی طرف نہیں دیکھتے بلکہ وہ تو تمہارے دلوں اور اعمال پر ہی نظر رکھتے ہیں اسی طرح کسی چیز کی فروخت کے وقت آواز بلند کرنا اور خوش طبعی ادنیٰ کی اعلیٰ کے ساتھ کا جواز اور اپنی دوست کی مناسب طریقہ پر مدح و تعریف کرنا اور محبوب کو اپنی محبت بتلا دینا اور ہدیہ قبول کر لینے اور اس کا بدلہ دینے کا جواز۔۔ اور یہ تو حضور ﷺ کی عادت معروفہ تھی رہا بعد کے عمال وغیرہ کا معاملہ تو ان کے لئے لوگوں سے ہدایا اور تحفے قبول کرنا ٹھیک نہیں مگر جن صورتوں کی استثناء اپنے محل میں ہوئی ہے اور اسی طرح جن کی اللہ تعالیٰ کے پاس قدر و منزلت ہو ان کو ان کے درجہ اور مرتبے کی خبر دینا وغیر ذلک۔ یہ سب مسائل و فوائد حضور ﷺ کے مزاح کرنے ہی سے مستنبط ہوئے معلوم ہوا کہ آپ ﷺ کا مزاح صرف صورتہ مزاح ہوتا (کیونکہ آپ ﷺ کا مزاح بشارتِ فاضلہ، مصلحتِ عامہ یا پھر فائدہ کاملہ سے خالی نہ ہوتا) ورنہ حقیقت میں وہ انتہائی حق و صدق پر مشتمل ہوتا تھا اور اسی نوعیت سے ہے مزاح اور خوش طبعی۔ آپ ﷺ اور حضرت عائشہؓ کے درمیان اور مسابقت یعنی ایک دوسرے سے آگے نکلنے کے لئے دوڑنا اور پھر آپ ﷺ کی تاخیر و تراخی تاکہ حضرت عائشہؓ آگے بڑھ جائے جیسے کہ کتاب العلل میں حضرت عائشہؓ سے روایت ہے دیکھو اس میں ان کی آپس میں ملاطفت اور مجاہرت کے ہاتھ ساتھ ایسی ورزش بھی ہے جو بدن کے لئے نافع اور ایسی تفریح بھی جو حزن اور غمگینی کو ٹالنے والی ہے)

غیر اللہ میں اشتغال، خواہشات کی بندگی ہے :

امام مناویؒ نے مزید حکم و اسرار بھی نقل کئے ہیں، کہتے ہیں کہ جب حضور اقدس

حضرت زاہرؓ نے حضرت زاہرؓ کو دیکھا کہ وہ دل کی گہرائیوں سے کاروبارِ دنیا میں مشغول ہیں، تو آپؓ پر یہ شاق گذرا کہ آپؓ کا ایک محبِ صادقِ حُبِّ دنیا کے قعرِ مذلت میں غرق ہو جائے اور اس کا دل ذکرِ حق سے غافل ہو، تو آپؓ نے اُن کو اپنی گود میں لیا، دبوچا، جس طرح ہلاکت کے گڑھوں کے کناروں پر کھڑے ہوئے گرنے والوں کو پکڑا جاتا ہے، تو آپؓ نے اسے پکڑا اور منِ یشتیری هذا العبد کہہ کر اسے تنبیہ فرمائی کہ وہ دنیاوی امور میں منہمک ہو کر عبد الدینار و الدرہم (درہم و دینار کی غلامی) کے راستے پر چل پڑا ہے۔ دنیاوی خواہشات کا غلام بن چکا ہے۔ اشارۃ الی ان من شغل بغير الله فهو عبد هواء (مناوی ج ۲ ص ۳۸) (اس میں یہ اشارہ ہے کہ جو بھی اللہ کے سوا دوسرے امور میں ہمہ تن مشغول ہو جائے وہ خواہشاتِ نفسانی کا غلام ہے)

حضرت زاہرؓ نے بھی دیکھا کہ آپؓ کی ادنیٰ توجہ سے صفائے باطن میں اضافہ ہوا، تجلیاتِ ربانی کا دل میں مسکن بنا، تو اس نے اس موقع کو غنیمت جانا۔ مزید حصولِ نور کے لئے اپنے کو آپؓ کے جسدِ اقدس سے ملنے لگا۔ بل اجتهد فی تمکین صدرہ بصدر ذلک الصدر الاعظم ليزداد امدادا (مناوی ج ۲ ص ۳۸)

(۲۳۳/۶) حَدَّثَنَا عَبْدُ بَنُ حُمَيْدٍ حَدَّثَنَا مُصْعَبُ بْنُ الْمِقْدَامِ حَدَّثَنَا الْمُبَارَكُ بْنُ فَضَالَةَ عَنِ الْحَسَنِ قَالَ أَتَتْ عَجُوزُ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَدْعُ اللَّهَ أَنْ يُدْخِلَنِي الْجَنَّةَ فَقَالَ يَا أُمَّ فَلَانِ إِنَّ الْجَنَّةَ لَا تَدْخُلُهَا عَجُوزٌ قَالَ فَوَلَّتْ تَبْكِي فَقَالَ أَخْبِرُوهَا إِنَّهَا لَا تَدْخُلُهَا وَهِيَ عَجُوزٌ إِنَّ اللَّهَ تَعَالَى يَقُولُ إِنَّا أَنْشَأْنَهُنَّ إِنِشَاءً ۝ فَجَعَلْنَهُنَّ أَبْكَارًا ۝

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ حدیث عبد بن حمید نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے مصعب بن مقدم نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں اسے مبارک بن فضالہ نے بیان کیا۔ انہوں نے یہ روایت حسن سے سنی۔ حضرت حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ حضورِ اقدس ﷺ کی خدمت میں ایک بوڑھی عورت حاضر ہوئی اور عرض کیا یا

محبوب خدا ﷺ کی درُبا دائیں -----
 رسول اللہ ﷺ دعا فرمادیجئے کہ حق تعالیٰ جل شانہ مجھے جنت میں داخل فرمادے۔ حضور
 ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جنت میں بوڑھی عورت داخل نہیں ہو سکتی۔ وہ عورت روتی ہوئی
 ٹوٹنے لگی۔ حضور ﷺ نے فرمایا، اس سے کہہ دو کہ جنت میں بڑھاپے کی حالت میں داخل
 نہیں ہوگی، بلکہ حق تعالیٰ جل شانہ سب اہل جنت عورتوں کو نوعمر کنواریاں بنا دیں گے اور حق
 تعالیٰ شانہ کے اس قول انا انشاءناهن انشاءً ۵ فجعلنهن ابكاراً ۵ الایة میں اس کا بیان
 ہے، جس کا ترجمہ اور مطلب یہ ہے کہ ہم نے ان عورتوں کو خاص طور پر بنایا ہے یعنی ہم نے
 ان کو ایسا بنایا کہ وہ کنواریاں ہیں (بیان القرآن) (یعنی ہمیشہ کنواریاں ہی رہتی ہیں، صحبت
 کے بعد پھر کنواریاں بن جاتی ہیں)

راویان حدیث (۵۰۶) المبارک بن فضالہ " اور (۵۰۷) الحسن " کے حالات " تذکرہ
 راویان شمائل ترمذی " میں ملاحظہ فرمائیں۔

لفظِ عجز کی تشریح :

قصہ تو سارا تحت اللفظ ترجمہ میں واضح ہو گیا ہے۔ ائت عجز ایک بوڑھی
 خاتون یہ خاتون صفیہ بنت عبدالمطلب ہیں، جوزبیر بن العوام کی والدہ تھیں، وعمہ النبی
 صلی اللہ علیہ وسلم ذکرہ ابن حجر (مواہب ص ۱۷۷) (اور حضور ﷺ کی پھوپھی تھیں
 ابن حجر نے اس کو ذکر کیا ہے) عجزۃ نہ کہا کہ یہ لغت متروک ہے، ولا تقل عجزۃ اذھی
 لغة رديئة (جمع ج ۲ ص ۳۸)

قرآن میں بھی لفظ 'عجز' مذکور ہے۔ حضرت سارۃ زوجہ حضرت ابراہیم نے
 اس لفظ کو اپنے حق میں استعمال فرمایا تھا۔ جب فرشتے نے ان کو بیٹے کی بشارت دی تو کہنے
 لگی یٰوَيْلَتِي ءَاِلٰدٌ وَاَنَا عَجُوزٌ وَّهٰذَا بَعْلِي شَيْخًا (ہود: ۷۲) (ہائے میری کم بختی! میرے
 ہاں اولاد کیسے ہو سکتی ہے، میں خود بڑھیا اور یہ میرے خاوند بھی بڑے عمر کے ہیں) لفظ عجز
 کا اطلاق عورتوں کی طرح مردوں پر بھی ہوتا ہے۔ گویا جنت میں داخلے کے وقت عورتوں کی
 طرح مرد بھی جوان بنا دیئے جائیں گے۔

مسلمان مرد اور خواتین جو ان ہو کر جنت میں داخل ہوں گے :

جب بارگاہِ نبوت میں حاضری کے بعد اس خاتون نے آپ سے جنت میں داخلے کے لئے دعا کی درخواست کی ، تو آپ نے اُن سے فرمایا ، اِن الْجَنَّةِ لَا تَدْخُلُهَا عَجُوزٌ (کہ جنت میں تو بوڑھی عورتیں داخل نہیں ہوں گی) آپ کا یہ ارشاد مذاق و مزاح ہے اور حق ہے۔ قالها ممازحة و مداعبة لها (اتحافات ص ۱۸۸) (آپ ﷺ نے اس کو بطور مزاح اور خوش طبعی کے کہا) وہ خاتون آپ کے ارشاد مبارک کی حقیقت کو نہ سمجھ سکی اور خود کو جنت سے محروم تصور کر کے بے قرار ہو گئیں۔ فولت تبکسی روتی ہوئی واپس لوٹی
فجزعت المرأة فولت باکیہ (اتحافات ص ۱۸۸)

تب حضور اقدس ﷺ نے اپنے ارشاد مبارک کی وضاحت فرمائی کہ جنت میں کوئی خاتون بھی بڑھاپے کی حالت میں نہیں پہنچے گی ، بلکہ اللہ پاک اسے جوانی کی حالت میں لوٹا دے گا۔ اسی طرح مسلمان مردوں کا حال ہوگا۔ ہر خاتون اور ہر مرد کو تیس پینتیس سال کی عمر دیدی جائے گی۔ بل يرجعها اللہ شابہ بکراً جمیلة هی والنساء المسلمین (اتحافات ص ۱۸۸) (بلکہ اللہ تعالیٰ اس کو اور باقی مسلمان عورتوں کو باکرہ اور حسین و جمیل شکلوں میں جنت میں داخل فرماویں گے) اس کے استدلال میں آپ نے قرآن کی یہ آیت پڑھی
- اِنَّا اَنْشَاْنَهُنَّ اِنْشَاءً ۝ فَجَعَلْنَهُنَّ اَبْكَارًا (واقعہ: ۳۶۲۵)

بَابُ مَا جَاءَ فِي صِفَةِ كَلَامِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فِي الشِّعْرِ

باب ! حضور اقدس ﷺ کے ارشادات درباب اشعار

غرض انعقادِ باب :

اس باب میں مصنفؒ نے حضور اقدس ﷺ سے جن اشعار کا پڑھنا یا سنا احادیث میں آیا ہے، وہی یہاں نقل کر رہے ہیں۔

شعر و شاعری اور اس کا شرعی حکم :

شعر بالکسر کا لغوی معنی ادراک ہے اور شعراء کی اصطلاح میں وہ موزون کلام ہے، جس میں ردیف قافیہ اور وزن ہو اور قصداً ایسا بنایا گیا ہو ہو الکلام الموزون المقفی قصداً (اتحافات: ۲۹۰) جب ہم قصداً کی قید لگاتے ہیں، تو قرآن و حدیث کے ایسے تمام جملے جو وزن شعر پر برابر اترتے ہیں سے احتراز ہو جاتا ہے، کیونکہ وہ شعر نہیں ہیں، اس سے عظمتِ رسول ﷺ بھی سامنے آ جاتی ہے کہ آپؐ جب نثر میں اتنا عمدہ کلام کر لیتے تھے، جو وزن شعر کی طرح از خود غیر ارادی طور پر موزون ہو جاتا تھا، اگر قصداً شعر پر توجہ دیتے تو کتنے عمدہ اشعار بنا سکتے تھے۔

شعر حضور ﷺ کے شایانِ شان نہیں :

مگر یہ آپؐ کے شایانِ نہ تھا وَمَا عَلَّمْنَاهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْبَغِي لَهُ (یسین: ۲۹) (نہ تو ہم نے اس کو شعر سکھائے اور نہ یہ اس کے لائق ہے)

قرآن مجید کے بارے میں رب العالمین کا اعلان ہے، وَمَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ (الحقہ: ۴۱) (یہ کسی شاعر کا قول نہیں)

مذموم اشعار :

پس جو اشعار حقیقت پر مبنی 'ظلیات' اور وہمیات سے مبرا، مبالغہ اور کذبات سے پاک ہوتے ہیں، ان کا بنانا، پڑھنا اور سننا و سنانا جائز ہے، مگر جو اشعار وہمیات 'ظلیات'، مبالغوں اور کذبات پر مشتمل ہوتے ہیں، وہ مذموم و ممنوع ہیں۔ شعر مذموم وہی ہے، جس میں خلاف واقعہ امور اور تخیلات و تصورات نمایاں ہوں، جذبات کی انگیخت ہو اور فحش امور کی ترغیب ہو، صاحب اتحافات فرماتے ہیں کہ ولعل الشعر المذموم هو المبلوء بالتشبيب المفضوح والملنى بتحسين غير الحسن و ذم الحسن من الأمور (اتحافات ص ۲۹۰) متنبی شعر کی مذمت کرتے ہوئے کہتے ہیں.....

لا تحسبن الشعر فضلا بارعا ما الشعر الا هجنة و خيال

الهجو قذف، والرثاء نياحة والعتب ضغن والمديح سوال

(ضرور بضر و شعر و شاعری کو فضیلت میں یکتا ہونا گمان نہ کر شعر تو غلط کلام اور خیالات ہی ہیں مثلاً، جو تو تہمت لگانا اور مرثیہ رونا دھونا ہے اور عتاب تو کینہ پروری اور مدح سوال اور مانگنا ہے)

قرآن میں شعراء کا تذکرہ :

اس لئے قرآن نے بھی حضور اقدس ﷺ سے شعر کی نفی ہے اور قرآن میں ایسے اشعار اور شعراء اور ان کے متبعین کی مذمت ہے، جو گندے اشعار بناتے، سناتے اور لوگوں کو گمراہ کرتے ہیں۔ وَالشُّعْرَاءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوُونَ ۝ أَلَمْ تَرَ أَنَّهُمْ فِي كُلِّ وَادٍ يَهِيمُونَ ۝ (اشعراء: ۲۲۵) (شاعروں کی پیروی وہ کرتے ہیں، جو بہکے ہوئے ہوں۔ کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ شاعر ایک ایک بیابان میں سر ٹکراتے پھرتے ہیں)

اچھے اشعار :

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ حضور اقدس ﷺ سے شعر کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے ارشاد فرمایا، الشعر کلام حسنہ حسن و قبیحہ قبیح (اتحافات: ۲۹۰)

مشکوٰۃ ص ۴۰) (شعر ایک ایسا کلام ہے کہ اس کا اچھا تو اچھا ہے اور اس کا بُرا بُرا ہی ہوگا) حضور اقدس ﷺ نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ و إن من البیان لسحرا، و إن من الشعر لحکمة و قال عمرُ تعلموا الشعر، فان فیہ محاسن تبغی، و مساوی تنقی (اتحاف ص ۲۹۰) بعض بیانات البتہ جادو اثر ہوتے ہیں اور اشعار میں سے بعض دانائی اور حکمت کی باتوں پر مشتمل ہوتے ہیں اور حضرت عمرؓ فرماتے ہیں اشعار سیکھا کرو اس میں بعض ایسی خوبیاں ہوتی ہیں جو تلاش کی جاتی ہیں یعنی ضرورت ہوتی ہے اور بعض ایسی برائیاں بھی ہوتی ہیں جن سے بچا جاتا ہے)

(۲۳۳/۱) حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ حَدَّثَنَا شَرِيكٌ عَنِ الْمِقْدَامِ بْنِ شَرِيحٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قِيلَ لَهَا هَلْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَمَثَّلُ بِشَيْئٍ مِنَ الشِّعْرِ قَالَتْ كَانَ يَتَمَثَّلُ بِشِعْرِ ابْنِ رَوَاحَةَ وَيَتَمَثَّلُ وَيَقُولُ وَيَأْتِيكَ بِالْأَخْبَارِ مَنْ لَمْ تَزُودَ ترجمہ : امام ترمذی کہتے ہیں کہ ہمیں یہ حدیث علی بن حجر نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے شریک نے بیان کیا۔ انہوں نے یہ روایت مقدم بن شریح سے ان کے باپ کے واسطے سے بیان کی۔ انہوں نے یہ حدیث ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی۔ حضرت عائشہؓ سے کسی نے پوچھا کیا حضور اقدس ﷺ کبھی شعر بھی پڑھتے تھے؟ انہوں نے فرمایا کہ ہاں مثال کے طور پر کبھی عبداللہ بن رواحہؓ کا کوئی شعر بھی پڑھ لیتے تھے (اور کبھی کبھی کسی اور شاعر کا بھی) چنانچہ کبھی طرفہ کا یہ مصرعہ بھی پڑھ دیا کرتے تھے، و یاتیک بالآخبار من لم تزود یعنی تیرے پاس خبریں کبھی وہ شخص بھی لے آتا ہے، جس کو تو نے کسی قسم کا معاوضہ نہیں دیا۔

راویان حدیث (۵۰۸) المقدم بن شریح (۵۰۹) عن ابیہ اور (۵۱۰) ابن رواحہ کے حالات ”تذکرہ راویان شمائل ترمذی“ میں ملاحظہ فرمائیں۔

آپ اچھے اشعار شوق سے سنتے تھے :

هل كان النبي صلى الله عليه وسلم يتمثل بشئ من الشعر.....

حضرت عائشہؓ سے دریافت کیا جا رہا ہے کہ کیا حضور اقدس ﷺ نے کبھی کوئی شعر پڑھا ہے؟ اصلاً بات یہ ہے کہ آپؐ نے نہ تو شاعری کی اور نہ کبھی از خود قصداً شعر موزون فرمایا اور نہ شاعری کو باعث افتخار جانا، بلکہ صاف ارشاد فرمایا، ما انابشاعر ہاں کبھی کبھار مناسب موقع پر ایک آدھ شعر پڑھ دیتے تھے، جیسے کہ آپؐ نے غزوہ خندق کے موقع پر چند اشعار پڑھے۔ بخاری اور مسلم شریف کی روایات میں ان کا ذکر ہے۔ البتہ اشعار سن لیا کرتے تھے اور اچھے اشعار شوق سے سنتے تھے۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کان یتمثل بشعر ابن رواحہ۔

حضور اقدس ﷺ کا ایک محبوب مصرعہ :

ویتمثل ویقول حضور اقدس ﷺ کبھی کبھار یہ مصرعہ بھی پڑھ لیا کرتے تھے ویأتیک بالانخبار من لم تزود یعنی تیرے پاس کبھی کوئی ایسا شخص بھی خبریں لے آیا کرے گا، جس کو تو نے اس خبر رسائی کے عوض کوئی مال و دولت نہیں دی ہوگی۔ یہ مصرعہ حضرت ابن رواحہؓ کا نہیں بلکہ طرفہ ابن عبد کا ہے، جس کا نام عمرو ہے، جو زمانہ جاہلیت کا معروف شاعر ہے۔ سب سے معلقہ نمبر ۲ میں یہ شعر اس طرح موجود ہے

سُتَبِدِي لَكَ الْاَيَّامُ مَا كُنْتُ جَاهِلًا
وَيَأْتِيكَ بِالْاَخْبَارِ مَنْ لَمْ تُزَوِّدْ

یعنی زمانہ تیرے سامنے ایسے واقعات لائے گا اور ایسے حالات بیان کرے گا، جن سے تو اس وقت تک بے خبر ہے اور تمہارے پاس خبریں لانے والا بھی ایسا فرد ہوگا، جس کو تو نے کوئی معاوضہ ادا نہیں کیا اور نہ زاہد راہ دیا۔

ایک پسند فرمودہ مصرعہ کے دو معانی :

زمانہ قدیم میں جب ڈاک، تار، ٹیلی فون اور اخبار ایجاد نہیں ہوئے تھے، خبر رسائی کے لئے اخراجات، اسفار اور وقت کی قربانی دینی پڑتی تھی۔ زاہد راہ اور معاوضہ

بھی ادا کرنا پڑتا تھا، اس شعر میں یہ پیش گوئی ہے کہ ایک وقت ایسا بھی آنے والا ہے کہ بغیر معاوضہ و ادائیگی زاہد راہ کے خبریں پہنچ جایا کریں گی۔

دوسرا مضمون شعر کا یہ بھی ہو سکتا ہے کہ لوگ فیس دے کر کاہنوں کے پاس جاتے اور جھوٹی خبریں معلوم کرتے ہیں اور آپؐ بلا معاوضہ وحی، قرآن، جنت، جہنم، اللہ کے احکام اور گذشتہ اقوام اور انبیاء کی تاریخ، واقعات اور تفصیلی حقائق پر مبنی سچی خبریں سنا رہے ہیں۔ گویا شعر میں پہلے سے آپؐ کی ذات کے حق میں پیش گوئی ہے کہ عنقریب مبعوث ہونے والے پیغمبر تمہیں سچی خبریں بلا معاوضہ سنایا کرے گا۔

شعر میں تقدیم تاخیر کا مقصد :

شیخ ابراہیم الچجوریؒ لکھتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے اس شعر کو تقدیم و تاخیر سے پڑھا، پہلا مصرعہ بعد میں اور بعد والا پہلے پڑھا، تو حضرت ابو بکر صدیقؓ نے عرض کیا لیس ہکذا یارسول اللہ! یارسول اللہ! یہ تو اس طرح نہیں ہے قال ما انا بشاعرٍ تو حضور اقدس ﷺ نے فرمایا میں بھی تو شاعر نہیں ہوں۔ گویا آپؐ نے اس کے معنی سے استشہاد فرمایا، جو عمدہ مضمون اور مقصود تھا، اسی کو مضمونِ فضلہ پر مقدم فرمایا، مگر شاعر پر چونکہ وزن شعر اور ذوقِ نظم مسلط ہوتا ہے، اس لئے بغرضِ وزن شعر وہ فضلہ کو عمدہ پر مقدم کرنے میں کوئی قباحت محسوس نہیں کرتا۔ جب حضرت صدیقؓ نے آپؐ کو اصل شعر پر آگاہ فرمایا، تو آپؐ نے فرمایا کہ اس کے نقل کرنے سے شعر کوئی غرض نہیں، بلکہ اصل معنی جو ایک حقیقت ہے، اس سے آگاہ کرنا ہے ما انا بشاعرٍ قاصد شعریتہ وانما قصدت مناہ و هو اعم من ان یکون فی قالب وزن اول (مواہب ص ۱۷۹) (میں تو ایسا شاعر نہیں کہ اس کے شعر ہونے کے ارادہ سے پڑھا ہو بلکہ میں نے اس کے معنی اور مطلب کا ارادہ کیا تھا اور یہ عام ہے چاہے وزن کی صورت میں ہو یا نہ ہو)

حضرت درخواستیؒ کی ایک ادا :

ہم نے اپنے زمانہ طالب علمی میں دیکھا سنا، بلکہ بارہا سنا کہ حافظ الحدیث حضرت

مولانا محمد عبداللہ درخواسیؒ اشعار پڑھا کرتے تھے، مگر اس کے مصرعوں میں ان سے تقدیم و تاخیر ہو جایا کرتی تھی، پھر وہ اس انداز سے پڑھتے کہ وہ ان ہی کے ساتھ چچتا تھا، ان کی تقدیم و تاخیر سے کسی بھی سننے والے کو قباحت محسوس نہ ہوتی تھی، بچپنا تھا، ہم لوگ کہتے کہ حضرت درخواسیؒ کو اشعار پڑھنا نہیں آتا، مگر اب یہ معلوم ہوا کہ اس کے پس منظر میں بھی گویا ان سے اتباع سنت پر عمل کرایا جا رہا تھا، ہم لوگ اگر شعر میں تقدیم تاخیر کر دیں تو مورد الزام ٹھہریں، مگر یہ اُن کی شان تھی اور ان کے ساتھ چچتی تھی کہ وہ تقدیم و تاخیر سے پڑھ رہے ہیں اور لوگ اس سے حظ وافر حاصل کر رہے ہیں، نہ کسی کو اعتراض ہے، نہ کوئی اسے خلاف ادب سمجھتا ہے، اور نہ یہ کسی کو عیب محسوس ہوتا ہے۔

(۲/۲۳۵) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ مَهْدِيٍّ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ بْنِ عُمَيْرٍ حَدَّثَنَا أَبُو سَلَمَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ أَصْدَقَ كَلِمَةٍ قَالَهَا الشَّاعِرُ كَلِمَةٌ لَيْبِدٌ . أَلَا كُلُّ شَيْءٍ مَا خَلَا اللَّهَ بَاطِلٌ وَكَأَذِ أُمِيَّةُ بْنُ أَبِي الصَّلْتِ أَنْ يُسَلِّمَ .

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں محمد بن بشار نے یہ روایت بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے عبدالرحمن بن مہدی نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت سفیان نے عبدالملک بن عمیر کے واسطے سے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں اسے ابوسلمہ نے صحابی رسول حضرت ابو ہریرہؓ سے سُن کر بیان کیا۔ ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ سب سے زیادہ سچا کلمہ جو کسی شاعر نے کہا، وہ لیبید بن ربیعہ کا یہ کلمہ ہے الاكل شئى ما خلا الله باطل آ گاہ ہو جاؤ، اللہ جل شانہ کے سوا دنیا کی ہر چیز فانی ہے اور امیہ بن ابی الصلت قریب تھا کہ اسلام لے آئے۔

حضرت لیبیدؓ :

ان اصديق كلمة ... یہاں ذکر کلمہ کا ہے مراد کلام ہے المراد بها هنا الكلام (مواہب ص ۱۷۹) و كلمة لیبید یہ ابن ربیعہ ہیں، جو زمانہ جاہلیت کے عظیم شاعر و ادیب

محبوبِ خدا ﷺ کی دُرُ بادائیں -----
تھے وهو المشهور من فصحاء العرب و شعرائهم (جمع ج ۲ ص ۲۲) سب سے معلقہ میں
چوتھا قصیدہ انہی کا ہے، جسے خانہ کعبہ میں لٹکایا گیا تھا۔ نوے (۹۰) سال کی عمر میں اسلام
قبول کیا۔ اس کے بعد پچاس سال تک زندہ رہے، ۲۱ھ میں انتقال ہوا۔ مات سنة
احدی و اربعین وله من العمر مائة و اربعون سنة (جمع ج ۲ ص ۲۲) اسلام لانے کے بعد
اشعار کہنا چھوڑ دیئے، فرمایا کرتے کہ میرے لئے شعر و شاعری کے بجائے قرآن کی سورۃ
بقرہ ہی کافی ہے۔ ولم يقل شعراً بعد الاسلام و كان يقول يكفيني القرآن (موہب
ص ۱۷۹)

حضرت لبیدؓ کا ایک شعر جو حضور ﷺ کو پسند تھا :

الاكل شيء؛ یہ شعر بھی حضرت لبیدؓ کا ہے، جو انہوں نے زمانہ جاہلیت میں کہا تھا
، ان کا کلام آپؐ کو پسند تھا۔ اس کا ایک مصرعہ حدیث میں منقول ہے، تمام شعر اس طرح

ہے
أَلَا كُلُّ شَيْءٍ مَا خَلَا اللَّهَ بَاطِلٌ وَ كُلُّ نَعِيمٍ لَا مَحَالَةَ زَائِلٌ
نَعِيمُكَ فِي الدُّنْيَا غُرُورٌ وَ حَسْرَةٌ وَ أَنْتَ قَرِيبًا عَنْ مَقِيلِكَ رَاحِلٌ

سوائے ذات باری تعالیٰ کے دنیا کی ہر چیز باطل ہے، فانی ہے والمراد بالباطل
الفانی المضمحل (جمع ص ۲۳) اور بلاشبہ ہر نعمت (دنیوی) ختم ہو جانے والی ہے، فلا
يرد نعيم الجنة فانه دائم لا يزول (موہب ص ۱۷۹) (اس لئے جنت کی نعمتوں کے متعلق
اعتراض نہ کیا جائے کیونکہ وہ دائمی ہیں ان کا زوال نہ ہوگا) اور تیرے پاس موجود دنیا کی
تمام نعمتیں دھوکہ اور حسرت ہیں اور تو بھی جلد اس دارِ فانی سے کوچ کرنے والا ہے۔

یہ شعر اگرچہ حضرت لبیدؓ نے زمانہ جاہلیت میں کہا تھا، مگر عقیدہ توحید، عظمت
خداوندی، دنیا کے بے ثباتی اور فکرِ آخرت کی انگیزت میں ایک حقیقت اور قرآنی تعلیمات
کے موافق ہے، اس لئے آپؐ کو بھی پسند تھا، قرآن میں بھی یہی مضمون اچھوتے، لافانی،
اور معجزانہ انداز میں اس طرح منقول ہے كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ۝ وَيَسْقَى وَجْهَ رَبِّكَ
ذُوالْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ ۝ (الرحمن: ۲۶، ۲۷) (زمین پر جو ہیں سب فنا ہونے والے ہیں۔

صرف تیرے رب کی ذات جو عظمت اور عزت والی ہے، باقی رہ جائے گی۔

اسی طرح ایک دوسری آیت میں ہے کُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ (قص: ۸۸) (ہر چیز ہلاک ہونے والی ہے، مگر ذات اس کی)

امیہ بن ابی الصلت :

و کادامیہ! اور قریب تھا کہ امیہ بن ابی الصلت اسلام قبول کر لیتا، امیہ بن ابی الصلت زمانہ فترت کا عظیم شاعر تھا۔ قیامت کا قائل تھا اور اپنے اشعار میں حقائق بیان کرتا تھا۔ جب حضور اقدس ﷺ مبعوث ہوئے تب بھی موجود تھا، مگر قدرت نے یاوری نہ فرمائی، حسد میں مبتلا ہوا اور اسلام قبول نہ کر سکا۔ اس نے بدر میں قتل ہونے والے کفار کا مرثیہ بھی کہا تھا، ورنہ من قتل بیدر (مواہب: ۱۷۹) بعض کہتے ہیں کہ اس نے کہا نبوت میرا حق تھا، محمدؐ کو یہ مقام کیسے مل گیا کان یطمع ان یكون نبی الامۃ (اتحاف: ۲۹۲) بعض روایات میں ہے کہ ان کے اشعار تو اسلام لائے، مگر خود مسلمان نہ ہوا۔ قال فیہ النبی ﷺ آمن شعرہ و کفر قلبہ (اتحاف ص ۲۹۲) اس سلسلہ کی مزید تفصیل آئندہ صفحات میں اسی باب کی حدیث نمبر ۸ میں درج ہے۔

(۲۳۶/۳) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى قَالَ أَبَانَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنِ الْأَسْوَدِ بْنِ قَيْسٍ عَنْ جُنْدُبِ بْنِ سُفْيَانَ الْبَجَلِيِّ قَالَ أَصَابَ حَجْرٌ أَصْبَعَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمِيتُ فَقَالَ هَلْ أَنْتِ إِلَّا أَصْبَعَ دَمِيتُ وَفِي سَبِيلِ اللَّهِ مَا لَقِيتُ.

ترجمہ : امام ترمذی کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت محمد بن ثنی نے بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اس کی خبر محمد بن جعفر نے دی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے شعبہ نے اسود بن قیس کے واسطے سے بیان کیا، انہوں نے یہ روایت جندب بن سفیان بجلی سے نقل کی۔

جندب بن عبداللہ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ ایک پتھر حضور اقدس ﷺ کی انگلی میں لگ گیا تھا، جس سے خون میں آلود ہو گئی تھی، تو حضور اقدس ﷺ نے یہ شعر

محبوب خدا ﷺ کی دلربا ادائیں -----
 پڑھا، جس کا حاصل ترجمہ یہ ہے، تو ایک انگلی ہے، جس کو اس کے سوا کوئی مضرت نہیں پہنچی
 کہ خون آلود ہوگئی اور یہ بھی رائیگاں نہیں بلکہ اللہ جل شانہ کی راہ میں یہ تکلیف پہنچی، جس کا
 ثواب ملے گا۔

راوی حدیث (۵۱۱) جناب بن سفیان " کے حالات " تذکرہ راویان شمائل ترمذی " میں
 ملاحظہ فرمائیں

خلعتِ خون کی سعادت :

قال اصاب حجر حضور اقدس ﷺ کی انگلی مبارک کے زخمی ہونے کا یہ
 واقعہ احد میں پیش آیا قال الكرمانی قيل كان ذلك في غزوة احد (جمع ج ۲ ص ۲۳) یہی
 جمہور علماء کی رائے ہے، بعض لوگوں نے اسے ہجرت سے قبل کا واقعہ قرار دیا ہے۔ جب انگلی
 مبارک زخمی اور لہو آلود ہوئی، تو آپ کی زبان مبارک پر یہ شعر جاری ہوا
 هَلْ أَنْتِ إِلَّا أَصْبَعٌ دَمِيَّتِ وَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ مَا لَقِيَّتِ

مقصد واضح ہے کہ انگلی کا زخمی اور لہو لہان ہونا کوئی صدمہ اور درد و الم کی بات نہیں،
 یہ تو سعادت و اعزاز ہے کہ اللہ کریم کی راہ میں اسے خلعتِ خون کی سعادت سے سرفراز کیا
 جا رہا ہے۔

ایک اشکال سے جواب :

اسی پر بظاہر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ آپ نہ تو شاعر تھے اور نہ شعر بنانا آپ کے
 شایان شان ہے پھر کیوں یہ شعر ارشاد فرمایا۔ حضراتِ محدثین جواب میں فرماتے ہیں۔
 (۱) اولاً ! تو یہ اصطلاحی شعر ہی نہیں کیونکہ شعر کلامِ موزون و مقفیٰ قصداً کو کہتے ہیں
 اور یہ کلماتِ طیبات آپ کی زبانِ فیضِ ترجمان سے بغیر قصدِ شعر کے نکلے اور موزون
 ہو گئے، قرآن مجید میں بھی اس کے نظائر موجود ہیں، بلکہ ایک مصری عالم نے بحورِ شعریہ میں
 سے ہر بحر میں قرآن مجید کی آیات لائی ہیں، پھر تو سارا قرآن شعر قرار پائے گا، حالانکہ
 قرآن میں ایک شعر بھی نہیں ہے، لہذا ہر کلامِ موزون اور ہر کلامِ مقفیٰ و مسجع شعر نہیں، بہت

دفعہ اوزان شعر یہ پر بظاہر کلام منطبق ہو جاتا ہے، لیکن اس سے مقصود شعر نہیں ہوتا۔

(۲) ثانیاً! یہ کہ یہ شعر عبد اللہ بن رواحہ کا ہے، بعض نے کہا ولید بن المغیرہ کا ہے۔

حضور اقدس ﷺ نے اسے اپنی زبانِ فیض ترجمان سے ادا فرمایا ہے۔

(۳) بعض حضرات نے اسے رجز قرار دیا ہے، جو شعر نہیں ہوتا۔

(۴) بعض نے یہ جواب بھی دینے کی کوشش کی ہے کہ ایک آدھ شعر کہہ دینے سے آدمی

شاعر نہیں کہلاتا النادر کالمعلوم (نادر چیز نایاب کے حکم میں ہوتی ہے)۔

(۵) بعض حضرات نے یہ بھی کہا ہے، دمیت اور لقییت میں تا ساکنہ ہے، مکسورہ نہیں،

لہذا وزن شعر نہیں بنتا، تاہم شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب دوسری توجیہ کو راجح

قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ بندۂ ناچیز کے نزدیک اگر اس کی توجیہ یہ کی جائے کہ یہ شعر

حضور اقدس ﷺ کا نہیں بلکہ منقول ہے، کسی دوسرے شاعر کا شعر ہے، چنانچہ واقدی نے

اسے ولید بن ولید کا بتایا ہے، اور ابن ابی الدنیا نے اپنی کتاب محاسبۃ النفس میں اسے ابن

رواحہ کا بتایا ہے، اور ممکن ہے کہ دونوں نے یہ شعر کہا ہو۔ (خصائل ص ۱۸۷)

شعر کا پس منظر :

واخرج ابن ابی الدنیا فی کتاب محاسبۃ النفس ان جعفر لما قتل بمؤتہ

دعا الناس باین رواحۃ فاقبل و قاتل فاصیبت اصبعہ فارتجز و جعل یقول

هل انت الا اصبع دمیت و فی سبیل اللہ ما لقییت

یا نفس الا تقتلی فتموتی هذا حیاض الموت قد صلیت

فما تمنیت فقد لقییت ان تفعلی بفعالها ہدیت

ثم ثبت حتی استشهد و تمثل النبی صلی اللہ علیہ وسلم بقولہ (اتحافات: ۲۹۳)

(محاسبۃ النفس میں ابن ابی الدنیا سے منقول ہے کہ حضرت جعفرؓ جب غزوہ موتہ میں شہید

ہوئے تو لوگوں نے حضرت ابن رواحہؓ کو کمان سنبھالنے کے لئے بلایا آپؓ تشریف

لائے اور کفار کے ساتھ قتل و قتال کرتے رہے کہ اس دوران ان کی انگلی زخمی ہو گئی تو اس کو

خطاب کرتے ہوئے رجز کے طور پر کہا اور نہیں تو مگر ایک انگلی جو خون آلود ہو گئی اور جو کچھ

محبوب خدا ﷺ کی درباوا میں -----
 تکلیف پہنچی وہ بھی اللہ ہی کے راستہ میں ہوئی اے نفس! اگر تو قتل و قتال نہ بھی کرتا تب بھی تو
 مر جاتا۔۔۔ یہ موت کا حوض ہے جس میں تو داخل ہوئی ہے جو تیری آرزو و تمنا تھی وہ تو تجھے
 حاصل ہوگئی اگر تو اس جیسا کام کرے تو تجھے بھی اس راستہ کی ہدایت و رہنمائی ہو جائے گی
 پھر حضرت ابن رواحہ ثنابت قدمی سے لڑتے رہے اتنے تک کہ شہید کر دیے گئے حضور ﷺ
 نے ان کے قول کو بطور تمثیل کے کہا ہے)

(۲۳۷/۴) حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ حَدَّثَنَا سُفْيَانُ الثَّوْرِيُّ حَدَّثَنَا
 أَبُو اسْحَقَ عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ قَالَ قَالَ لَهُ رَجُلٌ أَفَرَرْتُمْ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ
 عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا أَبَا عَمْرَةَ فَقَالَ لَا وَاللَّهِ مَا وُلِيَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ
 لَكِن سُرَعَانُ النَّاسِ تَلَقَّتْهُمْ هَوَازِنُ بِالْبَيْتِ وَرَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى
 بَعْلَتِهِ وَابُوسُفْيَانُ بْنُ الْحَارِثِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ أَخَذَ بِلِجَامِهَا وَرَسُولُ اللَّهِ صَلَّى
 اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ :

أَنَا النَّبِيُّ لَا كَذِبُ أَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ

ترجمہ : امام ترمذی کہتے ہیں کہ ہمیں محمد بن بشار نے یہ روایت بیان کی۔ وہ کہتے ہیں
 کہ ہم کو اسے یحییٰ بن سعید نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو یہ روایت سفیان ثوری نے
 بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں اسے ابو اسحق نے براء بن عازب کے واسطے سے بیان کیا۔
 براء بن عازب سے کسی نے پوچھا کیا تم سب لوگ حضور اقدس ﷺ کو چھوڑ کر جنگِ حنین
 میں بھاگ گئے تھے، انہوں نے فرمایا کہ نہیں حضور اقدس ﷺ نے پشت نہیں پھیری۔
 بلکہ فوج میں سے بعض جلد بازوں نے (جن میں اکثر قبیلہ بنی سلیم اور مکہ کے نو مسلم نوجوان
 تھے) قبیلہ ہوازن کے سامنے تیرہوں کی وجہ سے منہ پھیر لیا تھا، حضور اقدس ﷺ (جن
 کے ساتھ اکابر صحابہ کا ہونا ظاہر ہے) اپنے خچر پر سوار تھے اور ابوسفیان بن الحارث اس کی
 لگام پکڑے ہوئے تھے۔ حضور اقدس ﷺ اس وقت یہ فرما رہے تھے انا النبی لا
 کذب..... انا ابن عبد المطلب میں بلا شک و شبہ نبی ہوں اور عبد المطلب کی اولاد (پوتا)

ول۔

اوی حدیث (۵۱۲) یحییٰ بن سعید کے حالات ”تذکرہ راویان شمائل ترمذی“ میں ملاحظہ فرمائیں۔

بعض الفاظ حدیث کی تشریح :

یا ابا عمارة الخ بضم العين حضرت براء بن عازب کی کنیت ہے۔ وکان السؤال عن فرارهم جميعاً و لكن البراء أكد ان الرسول صلى الله عليه وسلم لم يفر بل ثبت على بغله ويقول انا النبي (اتحافات ص ۲۹۲) (اس شخص کا سوال تو سب کے فرار ہو جانے کا تھا لیکن حضرت براء نے حضور ﷺ کے فرار ہونے کی نفی مؤکد بیان کر کے فرمایا کہ آپ تو فرار نہیں ہوئے بلکہ اپنے نچر پر ثابت قدمی سے بیٹھے ہوئے فرما رہے تھے کہ انا النبي لا كذب ...)

شعر موزون کرنے کے اشکال سے جواب :

یہاں پر بھی وہی اشکال وارد ہے کہ آپ شعر کہہ رہے ہیں، حالانکہ نہ تو آپ شاعر تھے، اور نہ شعر کہنا آپ کے شایانِ شان ہے۔

امام احمد عبد الجواد الدومیؒ جواب میں فرماتے ہیں و کلام النبي ﷺ من قبيل الرجز لا الشعر او هو شعر غير مقصود (اتحافات ص ۲۹۲) (کہ نبی کریم ﷺ کا کلام از قبیل رجز کے تھا شعر نہ تھا یا ایسا شعر ہے جو مقصود نہیں یعنی شعر گوئی کے ارادہ سے نہیں پڑھا گیا)

مفاخرتِ نسبی کا شرعی حکم :

اس حدیث سے یہ مسئلہ بھی معلوم ہوا کہ اگرچہ مفاخرتِ نسبی کی ممانعت ہے، مگر مقابلہ میں جب کفارِ انساب پر فخر کرتے ہوں، تو اس وقت مفاخرت کی اجازت ہے، ویؤخذ من هذا الحديث جواز قول الشخص انا فلان بن فلان او نحوه لا للمفاخرة والمباهاة و منه قول علي كرم الله وجهه انا الذي سمتني امي حيلرة و

محبوب خدا ﷺ کی دُرُ باادائیں -----
 قول سلمة انا ابن الاكوع فان كان للمفاخرة والمباهاة كما هو دأب الجاهلية
 كان منهيًا عنه (مواہب ص ۱۸۲) (اور اس حدیث سے کسی شخص کا یہ کہنا کہ میں فلاں بن فلاں
 ہوں یا اسی قسم کے دوسرے الفاظ جب فخر و مباہات کے لئے نہ ہو کا جواز معلوم ہوتا ہے اور
 اس قبیل سے حضرت علیؓ کا یہ قول بھی ہے۔

کہ میں تو وہ ہوں کہ میری ماں نے میرا نام حیدر (شیر) رکھا ہے۔ اور حضرت سلمہؓ کا یہ قول
 کہ میں اکوع (بہادر شخص) کا بیٹا ہوں۔ ہاں اگر ایسی قسم کے اقوال فخر و مباہات کے لئے
 ہوں جیسے کہ اہل جاہلیت کا دستور و طریقہ ہے تو پھر یہ شرعاً ممنوع ہوں گے)

حدیث کی مفصل تشریح :

باقی رہی مزید شرح حدیث تو وہ ذیل میں من و عن خصائل سے نقل کر دی جا رہی
 ہے۔ اس موقع پر شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا نے خلاف معمول جو تفصیل سے کلام فرمایا ہے
 وہ لا جواب ہے اور تمام شروحات سے بے نیاز کر دیتا ہے۔ البتہ اس میں عنوانات معہ تقسیم
 مضامین احقر نے کر دی ہے، تاکہ اساتذہ و طلبہ کو پڑھنے اور پڑھانے اور افادہ و استفادہ میں
 سہولت ہو۔

دادا سے نسبت کی توجیہات :

حضور اقدس ﷺ نے اپنے آپ کو بجائے باپ کے اپنے دادا عبدالمطلب کی
 طرف اس لئے نسبت کیا کہ (۱) انہوں نے حضور اکرم ﷺ کے غلبہ کی اطلاع کفار قریش
 کو دی تھی اور یہ وقت گویا اس کی تصدیق کا تھا (۲) بعض نے یہ وجہ بتائی ہے کہ چونکہ آپؐ
 کے والد کا انتقال زمانہ حمل ہی میں ہو گیا تھا، اس لئے آپؐ ابن عبدالمطلب ہی کے ساتھ
 مشہور تھے (۳) نیز یہ بھی کہا گیا کہ چونکہ عبدالمطلب مشہور سردار تھے، اس لئے شہرت کی
 وجہ سے اس طرف نسبت فرمائی (۴) حافظ ابن حجرؒ نے ایک وجہ یہ بھی لکھی ہے کہ کفار میں یہ
 بات مشہور تھی کہ عبدالمطلب کی اولاد میں ایک شخص پیدا ہوگا جس سے لوگوں کو ہدایت ہوگی،
 وہ خاتم النبیین ہوں گے۔ اس لئے حضور ﷺ نے اس نسبت کے ساتھ ان لوگوں کو یہ

پس منظر اور تفصیلی واقعہ :

غزوہ حنین ۸ھ میں ہوا ہے۔ قبائل عرب ایک زمانہ سے اپنے اسلام لانے میں فتح مکہ کے منتظر تھے کہ اگر حضور ﷺ نے اس پر قبضہ کر لیا تب تو سمجھو کہ آپ غالب ہیں اور بے چون و چرا اطاعت کرو اور اگر مکہ مکرمہ فتح نہ ہو تو سمجھ لو کہ یہ غالب نہیں ہو سکتے۔ بالآخر جب مکہ مکرمہ فتح ہو گیا تو قبیلہ ہوازن وغیرہ بھی جو مواضع حنین وغیرہ کے رہنے والے تھے، اپنی قسمت آزمائی کا فیصلہ چاہا اور چند قبائل نے مل کر یکجا لڑائی کے خیال سے حنین پر جو مکہ مکرمہ سے طائف و عرفات کی جانب تقریباً دس میل کے فاصلہ پر واقع ہے، وہاں مجتمع ہوئے، ہر چند کہ بعض تجربہ کار بوڑھوں نے ان کو اس ارادہ سے روکا، مگر بعض جو شیلے نوجوانوں نے نہ مانا اور یہ کہہ کر کہ مسلمانوں کو اب تک تجربہ کار لڑنے والوں سے مسابقہ نہیں پڑا تھا۔ اس لئے غالب ہوتے جا رہے ہیں۔ مبادا ہم پر بھی حملہ کریں، اس لئے خود ہی ابتدا کرنی چاہئے۔ بیس ہزار کا مجمع جس میں مہاجرین و انصار اور فتح مکہ کے نو مسلم شریک تھے، نیز ایک جماعت کفار مکہ کی شریک تھی، جو ابھی تک مسلمان نہیں ہوئی تھی۔ ان میں سے بعض لوگ غنیمت کی لالچ سے شریک ہوئے تھے اور بعض لوگ محض لڑائی کا نظارہ دیکھنے گئے تھے۔ حضور اکرم ﷺ اس لشکر کے ساتھ ۹ شوال ۸ھ کو حنین کی جانب روانہ ہوئے، مسلمانوں کو حنین تک پہنچنے کے لئے ایک نہایت تنگ گھاٹی سے گزرنا پڑتا تھا۔ دشمنوں نے اپنے لشکر کو ان پہاڑوں میں چھپا رکھا تھا، جیسے ہی مسلمان وہاں سے گزرے انہوں نے دفعۃً تیروں کا نشانہ بنایا۔ مسلمان اس بے خبری کے حملہ سے سخت گھبرائے اور پریشان ہو کر ادھر ادھر متفرق ہو گئے۔

بخاری شریف کی روایت میں ہے کہ مسلمانوں کے ابتدائی حملہ میں کفار کو ہزیمت ہوئی اور وہ پیچھے بھاگے، یہ لوگ غنیمت جمع کرنے میں لگ گئے کہ دفعۃً ان لوگوں نے جو پہاڑوں میں چھپے ہوئے تھے، چاروں طرف سے حملہ کر دیا۔ یہ مجمع نہایت پریشانی کی حالت میں ادھر ادھر منتشر ہو گیا۔ حضور اقدس ﷺ کے ساتھ بجز چند اکابر صحابہ حضرت ابو بکرؓ

حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، حضرت عباسؓ وغیرہ وغیرہ چند حضرات کے کوئی بھی نہیں رہا تھا۔ اس پریشانی کی حالت میں بعض ضعیف الاسلام لوگوں کا عقیدہ بھی متزلزل ہوا اور بعض نے آوازے اور فقرے کسنا شروع کیے۔ بعض لوگ بھاگ کر مکہ واپس آ گئے اور مسلمانوں کے مغلوب ہو جانے کا مژدہ اُن لوگوں کو سنایا، جو مسلمان نہ ہوئے تھے، یا ظاہری طور پر اسلام قبول کر لیا تھا، حضور اکرم ﷺ کا ہاشمی خون اُس وقت جوش پر تھا، آپ نے اس خوفناک منظر میں اپنی سواری سے اتر کر پیادہ انا النبی لا کذب فرماتے ہوئے دشمنوں کی فوج کا رخ کیا اور حضرت عباسؓ نے مہاجرین و انصار اور اصحاب شجرہ کو علیحدہ علیحدہ ایک ایک آواز دی کہ کہاں جا رہے ہو، ادھر آؤ۔ آواز کا سننا تھا کہ پریشان حال متفکر جماعت لبیک کہتی ہوئی ایسی جوشِ محبت میں لوٹی، جیسے اونٹنی اپنے بچے کی طرف لوٹی ہے۔ مسلمانوں کا لوٹنا تھا کہ طرفین میں ایک گھسان کی لڑائی ہوئی۔ حضور اقدس ﷺ نے زمین سے کچھ مٹی کنکریاں وغیرہ اٹھا کر شاہت الوجوہ فرماتے ہوئے مقابل پر پھینکی، تھوڑی دیر لڑائی کا یہ منظر رہا، اُس کے بعد لڑائی کا رخ ایسا پھرا کہ جس میدان میں مسلمان پریشان نظر آ رہے تھے، اب کافر بدحواس بھاگتے ہوئے نظر آنے لگے اور اپنا مال و متاع اہل و عیال مسلمانوں کے لئے مالِ غنیمت بنا کر ایسے بھاگے کہ ادھر کا رخ بھی نہ کیا۔ قصہ حسبِ ضرورت مختصر طور سے لکھا گیا جو صاحبِ مفصل دیکھنا چاہیں، اردو اسلامی تاریخ میں دیکھ لیں۔

ایک انتباہ :

یہاں پر ایک امر پر تنبیہ اشد ضروری ہے اور وہ یہ ہے کہ کسی واقعہ کے متعلق صرف ایک دور روایت دیکھنے سے کسی قسم کا اشکال پیدا کر لینا یہ علم کی کوتاہی ہے، کسی ایک دو حدیث میں اکثر واقعہ کی پوری تفصیل آ سکتی ہے، نہ مقصود ہوتی ہے۔ ہر واقعہ کے متعلق اگر کوئی رائے قائم کرنا ہو تو جب تک اس واقعہ کے پورے حالات سامنے نہ ہوں، رائے زنی بے محل ہے۔ اسی جنگِ حنین کے متعلق کسی مختصر تاریخ کو دیکھ کر یا ایک دو حدیثوں کا ترجمہ دیکھ کر یہ خیال کرنا کہ حضرات صحابہ کرامؓ کی ساری جماعت یا پورا لشکر دس ہزار بھاگ گیا تھا اور بجز

دو چار نفر کے حضور اقدس ﷺ کے ساتھ کوئی بھی نہیں رہا تھا۔ واقعہ کے خلاف ہونے کے علاوہ عقل سے بھی دور ہے۔ کفار کی جماعت جو بیس ہزار سے زیادہ تھی، اس کو کیا مشکل تھا کہ دو چار نفر کا محاصرہ کر لیتے، جب کہ سب بھاگ چکے تھے۔ چہ جائیکہ ایک روایت میں یہ آیا ہے کہ حضور اکرم ﷺ تنہا تھے، کوئی بھی ساتھ نہ تھا، زیادہ تعجب ان لوگوں پر ہے، جو لڑائیوں کے حالات سے واقف ہوتے ہیں، لشکروں کی ترتیب اور حملہ کے حالات پر بصیرت رکھتے ہیں، وہ کسی ایسی روایت سے متعجب یا متاثر ہوں۔ لشکر کی عام ترتیب کے مطابق پانچوں حصوں پر حضور اقدس ﷺ نے اس لشکر کی بھی ترتیب فرمائی تھی۔ مقدمہ لہجیش (لشکر کا اگلا حصہ) میمنہ میسرہ (دایاں بائیں حصہ) قلب یعنی درمیانی حصہ جس میں امیر لشکر کی حیثیت سے نبی کریم ﷺ جلوہ افروز تھے اور پانچواں حصہ لشکر کا پچھلا حصہ اس کے علاوہ ہر ہر جماعت کا مستقل حصہ تھا، جس کا ایک امیر مستقل جھنڈا لیے ہوئے تھا اس کی جماعت اس کے ساتھ تھی۔ مہاجرین کا جھنڈا حضرت عمرؓ کے ہاتھ میں تھا اور حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ سعد بن ابی وقاصؓ، اُسید بن حضیر، جناب بن منذر وغیرہ حضرات ایک ایک جماعت کے امیر بنے ہوئے اپنی مقررہ جگہ پر مامور تھے۔ مقدمہ لہجیش میں قبیلہ بنی سلیم کی جماعت تھی، جس کا جھنڈا حضرت خالد بن ولیدؓ کے ہاتھ میں تھا، یہ جماعت لشکر کا اگلہ حصہ تھا۔ اسی جماعت کے ساتھ یہ واقعہ پیش آیا کہ جب یہ گھاٹیوں کے درمیان سے نکلے تو دشمنوں نے اول پسپائی اختیار کی، جس کے وجہ سے ان کو آگے بڑھنے اور اپنے کو غالب سمجھ کر مالِ غنیمت کی طرف متوجہ ہونے کا موقع ملا اور چھپے ہوئے دشمنوں نے چاروں طرف سے تیر برسنا شروع کر دیا۔ ایسی صورت میں اس جماعت کی پسپائی بھی فطری چیز تھی اور ان کی پسپائی سے تمام لشکر میں تشویش انتشار ادھر ادھر دوڑنا ضروری تھا، لیکن اس کا مطلب یہ لینا کہ سارا ہی لشکر بھاگ گیا تھا، پورے حالات پر نظر نہ ہونے کی وجہ سے ہے۔ چنانچہ عبدالرحمن ایک شخص کا بیان نقل کرتے ہیں کہ جو اُس وقت کافر تھا کہ جب ہم نے مسلمانوں پر حنین میں حملہ کیا اور ان کو پیچھے ہٹانا شروع کیا، تو وہ ہمارے مقابلہ کی تاب نہ لاسکے اور پیچھے ہٹتے رہے، ہم لوگ ان کا تعاقب کرتے رہے اور آگے بڑھتے رہے، بڑھتے بڑھتے

ہم ایک ایسے شخص تک پہنچے جو سفید خچر پر سوار تھے اور نہایت حسین چہرہ والے۔ لوگ ان کے گرد جمع تھے، انہوں نے ہم کو دیکھ کر شاہت الوجوہ ارجعوا کہا۔ یہ کہنا تھا کہ ہم مغلوب ہونا شروع ہو گئے اور وہ جماعت ہم پر چڑھ گئی۔ اسی بناء پر حضرت براءؓ نے شمال کی روایت میں جو اوپر گزری یہ کہا کہ حضور اکرم ﷺ نے منہ نہیں پھیرا، بلکہ کچھ تیز رو لوگ جو تیروں کی برداشت نہ کر سکے بھاگے تھے۔ اس کے ساتھ ہی یہ قصہ بھی پیش آیا کہ حضور اقدس ﷺ جس راستے سے بڑھ رہے تھے، اس کو ترک فرما کر دائیں جانب کو بڑھنا شروع کیا۔

غور کی بات ہے کہ اس انتشار کی حالت میں لشکر کے اکثر حصہ کو کیسے یہ معلوم ہو سکتا تھا کہ حضور اکرم ﷺ نے اس وقت کس جانب کو بڑھنے کا ارادہ فرمایا۔ ایسی حالت میں حضور ﷺ کے قریب ایک وقت میں سو (۱۰۰) آدمیوں کا رہ جانا جیسا کہ ایک روایت میں وارد ہے اور ایک موقع پر اسی (۸۰) کا رہ جانا جیسا کہ دوسری روایت میں وارد ہے، حتیٰ کہ جب حضور ﷺ نے خچر کو تیزی سے بڑھایا تو سامنے سے لوگ ہٹتے رہے اور صرف بارہ آدمی رہ گئے اور اس کے بعد صرف وہ چار اشخاص رہ گئے، جو خچر کی باگ اور رکاب تھامے ہوئے تھے یا رکاب وغیرہ پکڑے ہوئے تھے۔ حتیٰ کہ جب خچر بھی حضور اکرم ﷺ کی منشاء کے موافق نہ بڑھ سکا تو حضور اکرم ﷺ اس پر سے اتر کر تنہا کنکریوں کی ایک مٹھی لے کر ان کی طرف بڑھ گئے، یہی وقت ہے، جس کو بخاری شریف کی روایت میں اس سے تعبیر کیا کہ حضور ﷺ تنہا تھے، کوئی بھی ساتھ نہ تھا، اس کے ساتھ ایک اجمالی مضمون اپنے ذہن میں یہ ہونے سے کہ اس جنگ میں لوگ بھاگ گئے تھے، یہ تجویز کر لینا کہ سارے ہی صحابہؓ حضور اکرم ﷺ کے علاوہ بھاگ گئے تھے، پورے واقعات پر نظر نہ ہونے کا ثمرہ ہے، چونکہ پورے لشکر میں انتشار تھا اور یقیناً بہت سے لوگ بھاگ بھی رہے تھے، بلکہ بعض لوگ اس ہزیمت سے خوش بھی ہو رہے تھے، جیسا کہ مفصل واقعات میں مذکور ہے۔ ایک دوسرے کی خبر نہ تھی، جیسا کہ انتشار کے وقت لازمی نتیجہ ہے۔ اس لئے حضور اکرم ﷺ نے حضرت عباسؓ سے جو نہایت بلند آواز تھے، لوگوں کو آوازیں دلوائیں اور مہاجرین انصار اصحاب شجرہ وغیرہ جماعتوں کو علیحدہ علیحدہ آواز دلائی، جس کے سننے پر وہ سب پھر

حضور ﷺ کے گرد جمع ہو گئے اور دوسرے حملہ میں میدان مسلمان کے ہاتھ تھا۔ بہر حال اس مضمون میں کہ حضور اقدس ﷺ کے ساتھ اُس وقت کتنے آدمی تھے، مختلف روایتیں ہیں اور ہر روایت اپنے اپنے موقع پر چسپاں ہے۔ حتیٰ کہ صحیح بخاری کی روایت کہ حضور اکرم ﷺ تن تنہا تھے، کوئی ساتھ نہ تھا، بھی اپنی جگہ پر صحیح ہے کہ جب حضور اکرم ﷺ نے خچر سے اتر کر آگے بڑھ کر ان پر کنکریاں یا مٹی پھینکی تو سب ہی اس وقت پیچھے رہ گئے تھے اور حضور اکرم ﷺ تنہا بڑھے جا رہے تھے، لیکن کسی روایت میں بھی یہ نہیں ہے کہ جتنے لوگ کسی وقت حضور اکرم ﷺ کے قریب تھے، ان کے علاوہ باقی سب ہی بھاگ گئے تھے (خصائل ص ۱۸۸ تا ۱۹۲)

علامہ ابن قیم نے زاد المعاد میں صحیح مسلم کے حوالہ سے یہ بھی نقل کر دیا کہ حضور ﷺ نے کفار کی طرف کنکریاں پھینکتے ہوئے انہزموا ورب محمد (انہوں نے شکست کھائی رب محمد کی قسم) کے الفاظ ادا فرمائے، جو کفار کی شکست کا سبب بنے اور ابن اسحاق کی روایت سے حضرت جبیر بن مطعم کا یہ قول بھی نقل فرمایا : لقد رأيت قبل هزيمة القوم والناس يقتلون يوم حنين مثل النجاد الاسود اقبل من السماء حتى سقط بيننا وبين القوم فنظرت فاذا نمل اسود مبعوث قد ملاً الوادي فلم يكن الا هزيمة القوم فلم اشك انها الملائكة (زاد المعاد ج ۲ ص ۲۰۹) (میں نے جنگ حنین کے دن سے کفار کی شکست سے پہلے جبکہ لوگ لڑ رہے تھے آسمان کی طرف سے کالی دريوں یا پرتلوں جیسے چیزیں آتی دیکھیں حتیٰ کہ وہ ہمارے اور کفار کے درمیان گر گئیں جب میں نے ان کو دیکھا ناگہاں مجھے وہ پھیلی ہوئی اتنی زیادہ چیونٹیاں نظر آئیں کہ پوری وادی ان سے بھری ہوئی تھی ابھی کوئی زیادہ وقت نہ گزرا کہ اسی دوران کفار کو شکست فاش ہوئی تو مجھے یقین ہو گیا کہ یہ فرشتے ہی تھے)

شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق کا ارشاد :

احقر نے اپنے مربی و شیخ، محدث کبیر شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق صاحب کو بارہا مجاہدین اور طالبان کو یہ وظیفہ بتاتے ہوئے سنا کہ جب دشمن سے مقابلہ ہو اور

محبوبِ خدا ﷺ کی دلربا دائیں -----
 محاصرہ میں پھنس جاؤ، تو کنکریاں لے کر وشاہت الوجوہ کہتے ہوئے دشمن کی طرف پھینکو۔
 حضور اقدس ﷺ کی سنت بھی ہے اور دشمن سے حفاظت کا ذریعہ بھی۔ چنانچہ مجاہدین نے
 اس پر عمل کیا اور اللہ پاک نے ان کی نصرت فرمائی اور ایسے متعدد واقعات پیش آئے کہ
 طالبان اور مجاہدین کی اللہ نے حفاظت فرمائی۔ ایسے متعدد واقعات احقر نے ”حسبے باہل
 حق“ میں قلم بند کر دیے ہیں۔ شائقین وہاں دیکھ سکتے ہیں۔

(۲۳۸/۵) حَدَّثَنَا اسْحَقُ بْنُ مَنْصُورٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ حَدَّثَنَا جَعْفَرُ بْنُ سُلَيْمَانَ ابْنَانَا
 ثَابِتٌ عَنْ أَنَسِ بْنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَخَلَ مَكَّةَ فِي عُمْرَةِ الْقَضَاءِ وَابْنُ
 رَوَاحَةَ يَمْشِي بَيْنَ يَدَيْهِ وَهُوَ يَقُولُ :

خَلُّوا بَنِي الْكُفَّارِ عَنْ سَبِيلِهِ الْيَوْمَ نَضْرِبُكُمْ عَلَى تَنْزِيلِهِ
 ضَرْبًا يُزِيلُ الْهَامَ عَنْ مَقِيلِهِ وَيُنْهَلُ الْخَلِيلَ عَنْ خَلِيلِهِ

فَقَالَ لَهُ عُمَرُ يَا ابْنَ رَوَاحَةَ بَيْنَ يَدَيْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَفِي حَرَمِ اللَّهِ
 تَعَالَى تَقُولُ شِعْرًا فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَلِّ عَنْهُ يَا عُمَرُ فَلَهَايَ اسْرِعْ فِيهِمْ
 مِنْ نَضْحِ النَّبْلِ .

ترجمہ : امام ترمذی کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت اسحاق بن منصور نے بیان کی۔ وہ کہتے
 ہیں کہ ہم کو اسے عبدالرزاق نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں اسے جعفر بن سلیمان نے
 بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو یہ روایت ثابت نے حضرت انسؓ کی وساطت سے بیان کی۔
 حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ جب حضور اقدس ﷺ عمرۃ القضاء کے لئے مکہ مکرمہ تشریف
 لے گئے، تو عبداللہ بن رواحہؓ آگے آگے چل رہے تھے اور یہ اشعار پڑھ رہے تھے، خلوا
 بنی الکفار الخ، اے کافر زادو! ہٹو! اپنا راستہ چھوڑو آج حضور اقدس ﷺ کے مکہ
 مکرمہ آنے سے روک دینے پر جیسا کہ تم گزشتہ سال کر چکے ہو، ہم تم لوگوں کی ایسی خبر لیں
 گے کہ کھوپڑیوں کو تن سے جدا کر دیں گے اور دوست کو دوست سے بھلا دیں گے۔ حضرت
 عمرؓ نے ابن رواحہؓ کو روکا کہ اللہ کے حرم میں اور حضور اقدس ﷺ کے سامنے شعر

محبوبِ خدا ﷺ کی دُرُ باادائیں -----
 پڑھتے جا رہے ہو۔ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ عمر! روکو مت یہ اشعار اُن پر اثر کرنے میں تیر برسانے سے زیادہ سخت ہیں۔

بعض الفاظِ حدیث کی تشریح :

الهام، ہامہ کی جمع ہے بمعنی سرکے، مقیل کا معنی وقت القیلولة ہے۔ یہاں مراد محل استقرارِ الرُّوس ہے (موہب ص ۱۸۲) ینهل، ذھول سے ہے بمعنی بھول جانا۔
 غرضِ ایرادِ حدیث :

مضمونِ حدیث تو سارا تحت اللفظ ترجمہ سے واضح ہو گیا ہے، ایرادِ حدیث کا مقصود بھی یہی ہے کہ حضورِ اقدس ﷺ نے عمرۃ القضاء کے موقع پر حضرت عبداللہ بن رواحہؓ سے اشعار نہ صرف سنے ہیں بلکہ حضرت عمرؓ کی نکیر کے باوجود بھی انہیں پڑھنے کی اجازت مرحمت فرمائی، بلکہ انہیں بھی فرمایا اور ادھر بھی اشارہ فرمایا کہ اشعار کا گھاؤ، تلوار کے گھاؤ سے شدید ہوتا ہے۔ خَلَّ عَنْهُ يَا عَمْرُ فُلْهِي اسرِعْ فِيهِمْ مِنْ نَضْحِ النَّبْلِ اے عمر! اسے چھوڑ دو، یہ اشعار پڑھتا رہے، کیونکہ یہ اشعار ان میں اثر کرنے میں تیر برسانے سے بھی زیادہ سخت ہیں۔ زاد المعاد میں ابنِ قیمؒ نے عمرۃ القضاء کے واقعہ کے ضمن میں تفصیل بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ وہم يطوفون بالبیت و عبد اللہ رواحة بين يدي رسول الله صلى الله عليه وسلم يرتجز متوشحا بالسيف يقول : خلوا بني الكفار عن سبيله قد انزل الرحمن في تنزيله في صحف تتلى على رسوله يا رب انى مومن بقيله انى رأيت الحق في قبوله اليوم نقرىكم على تاويله

ضرباً يزيل الهام عن مقيله

و ينهل الخليل عن خليله

(زاد المعاد ج ۲ ص ۱۶۸)

(اور مسلمان بیت اللہ شریف کا طواف کر رہے تھے اور حضرت عبداللہ ابن رواحہؓ تلوار لٹکائے ہوئے حضورِ اقدس ﷺ کے سامنے رجز پڑھتے جا رہے تھے اور کہہ رہے تھے یہ کافر زادے

محبوبِ خدا ﷺ کی دلِ باوا میں -----
 چھوڑ دو حضور ﷺ کا راستہ تحقیق اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک کو ایسے صحیفوں میں اتارا جو تلاوت
 کیے جاتے ہیں اس کے رسول پر اے رب! میں ان کے قول پر ایمان و یقین رکھنے والا
 ہوں میں نے حق کو ان کے ماننے میں دیکھا ہے آج ان کے حکم پر آپ لوگوں کی ایسی مہمانی
 کریں گے کہ کھوپڑیوں کو تن سے جدا کر دیں گے اور دوست کو دوست سے جدا کر دیں گے
 کافیہ اور شرح جامی پڑھنے پڑھانے والوں کو طالب علمی کے زمانے سے یہ شعر

خوب یاد رہتا ہے

ولا یلتام ماجرح اللسان

جراحات السنان لها التیام

(تلواروں کے گھاؤ تو مندمل ہو جاتے ہیں، مگر زبان کا لگایا ہوا زخم کبھی درست نہیں ہوتا)

استخراج مسائل :

فقہاء کرام اس حدیث سے یہ استنباط کرتے ہیں کہ ایسا کام اور اقدام جس سے
 کفار کو اذیت پہنچے جائز ہے، بلکہ بعض حضرات نے اسے واجب قرار دیا ہے۔ حدیث
 پاک میں تو اشعار جن سے کفار کی اذیت مقصود ہو، حرم پاک میں اور نبی آخر الزمان ﷺ
 کی موجودگی میں پڑھے جارہے ہیں، اور آپ اس پر خوش ہو رہے ہیں، اس لئے فقہاء نے
 لکھا ہے کہ لشکر اسلام کے دار الحرب پہنچنے پر انہیں ہدایت کی جائے کہ وہ دار الحرب کے
 بچھوؤں اور سانپوں کو قتل نہ کریں، تاکہ وہ کفار کو تکالیف پہنچاتے رہیں (عالمگیری)
 فقہاء نے اس حدیث سے ایک مسئلہ یہ بھی مستنبط کیا ہے کہ عبادات نافلہ شروع
 کرنے کے بعد اگر توڑ دی جائیں تو واجب القضاء ہو جاتی ہیں، کیونکہ آپ نے ہجرت کے
 چھٹے سال نقلی عمرہ شروع فرمایا تھا، مگر کفار کی رُکاوٹ اور پھر صلح حدیبیہ کے پیش نظر اسے توڑ
 ڈالا اور اگلے سال قضاء ادا فرمائی۔ اس لئے تو اسے عمرۃ القضاء کہتے ہیں۔

حضرت عمرؓ نے نکیر کیوں فرمائی :

باقی رہی یہ بات کہ حضرت عمرؓ نے نکیر کیوں فرمائی تھی۔ جواب ظاہر ہے کہ ان کے
 خیال کے مطابق حالات بظاہر ناموافق تھے۔ کفار کا غلبہ تھا۔ دوسرا یہ کہ شعر کی قرآن و

حدیث میں مذمت مذکور ہے۔ لہذا یہ مناسب نہ تھا کہ حضرت ابن رواحہؓ حضور ﷺ کے سامنے اور پھر حرم پاک میں اشعار پڑھتے۔ اس سے دشمن کے جذبہ انتقام کی آگ بھی بھڑک سکتی تھی اور قتال فی الحرم تک نوبت پہنچ سکتی تھی۔ وایضاً فقد یحرک غضب الاعداء فیلتحم القتال فی الحرم (مواہب ص ۱۸۳) مگر حضور اقدس ﷺ نے وقتی مصلحت، حالات اور تقاضوں کو سمجھتے ہوئے اجازت فرمائی اور تصویب و تائید بلکہ حوصلہ افزائی فرمائی

انشاء و استماع شعر کے جواز پر استدلال :

شیخ ابراہیم لیچوریؒ فرماتے ہیں و یوخذ منہ جواز بل ندب انشاء الشعر و استماعہ اذا کان فیہ مدح الاسلام والحث علی صدق اللقاء و مبایعة النفس للہ تعالیٰ (مواہب ص ۱۸۳) (اور اس حدیث سے شعر کہنے اور سننے کا جواز پر استدلال کیا جاتا ہے جب کہ اس میں اسلام کی مدح اور مسلمانوں کو جذبہ جہاد اور اللہ ہی کے واسطے لڑنے پر ابھارنے کا ذریعہ ہوں)

(۲۳۹/۶) حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ اَنْبَاَنَا شَرِيكَ عَنْ سِمَاكِ بْنِ حَرْبٍ عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ جَالَسْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَكْثَرَ مِنْ مِائَةِ مَرَّةٍ وَكَانَ أَصْحَابُهُ يَتَأَسَّلُونَ الشِّعْرَ وَيَتَذَاكَرُونَ أَشْيَاءَ مِنْ أَمْرِ الْجَاهِلِيَّةِ وَهُوَ سَاكِتٌ وَرُبَّمَا تَبَسَّمَ مَعَهُمْ.

ترجمہ : امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ ہمیں علی بن حجر نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اس کی شریک نے سماک بن حرب کے واسطے سے خبر دی، انہوں نے یہ روایت صحابی رسول حضرت جابر بن سمرہؓ سے روایت کی۔ حضرت جابر بن سمرہؓ کہتے ہیں کہ میں حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں سو (۱۰۰) مجلسوں سے بھی زیادہ بیٹھا ہوں، جن میں صحابہؓ اشعار پڑھتے تھے اور جاہلیت کے زمانے کے قصے قصائص نقل کرتے تھے۔ حضور اقدس ﷺ (اُن کو روکتے نہیں تھے) خاموشی سے سنتے تھے، بلکہ کبھی کبھی ان کے ساتھ ہنسنے میں شرکت فرماتے تھے۔

سو سے زائد حاضر یوں کا ایک مشاہدہ :

جالست حضرت جابر بن سمرۃ حضور اقدس ﷺ کے ہمہ وقتی حاضر باش صحابی تھے۔ سو سے زائد مرتبہ حاضر یوں کا ایک مشاہدہ نقل فرماتے ہیں کہ حضرات صحابہ کرامؓ آپ کی مجلس مبارک میں اشعار سنایا کرتے اور زمانہ جاہلیت کے واقعات نقل کرتے، تو آپ سن لیا کرتے خاموش رہتے اور کبھی کبھی مسکرا دیا کرتے۔ آپ میر مجلس اور میر محفل تھے۔ صحابہ کرامؓ نے آپ کی ایک ایک ادا کو محفوظ فرمایا۔ آداب مجلس سے ایک یہ معلوم ہوا کہ اہل مجلس پر ہمہ وقت اپنی بات نہ ٹھونکی جائے۔ فطرت طبیعت میلانات و رجحانات اور حالات کے مطابق جو بات چل رہی ہو، اسے چلنے دیا جائے، جیسا کہ حضرت زید بن ثابتؓ کا تب وحی فرماتے ہیں: کہ میں حضور اکرم ﷺ کے پڑوس میں رہتا تھا، جب وحی نازل ہوتی تو مجھے طلب فرما کر اس کو لکھوا دیا کرتے تھے۔ ہم لوگ جب دنیا کے تذکرے کرتے، تو حضور اکرم ﷺ بھی دنیا کا تذکرہ فرماتے تھے اور جب ہم آخرت کے متعلق تذکرہ کرتے، تو حضور اکرم ﷺ بھی آخرت کا تذکرہ فرماتے، جب ہم کھانے کا کوئی تذکرہ کرتے، تو حضور اکرم ﷺ بھی اسی نوع کا تذکرہ فرماتے۔ مطلب یہ ہے کہ جس نوع کا تذکرہ صحابہ کرام کرتے تھے، تو حضور اقدس ﷺ کمال شفقت و رأفت کی وجہ سے اسی نوع کے تذکرے ان کی دلداری کے لئے فرماتے، یہ نہ تھا کہ حضور اکرم ﷺ کی مجلس میں صرف دین ہی دین کا تذکرہ ہو اور کوئی تذکرہ حضور اکرم ﷺ کی مجلس میں نہ آئے کہ ان مختلف انواع کے تذکروں سے حضور ﷺ کے ساتھ محبت اور موانست بڑھتی تھی اور جب ایک ہی نوع کا ذکر ہر وقت رہے، تو بسا اوقات تو خش کا سبب بن جاتا ہے، بالخصوص اجنبی کے لئے کہ اجانب عموماً دنیاوی اغراض لے کر آتے ہیں اور یہی تذکرے ان کے تعلقات اور موانست کا سبب بنتے ہیں (خصائل ص ۱۹۴)

حضور ﷺ کی خاموشی کا راز :

وہو نساکت ای ممسک عن الکلام مع القدرۃ علیہ لایمنعہم (مواہب ص ۱۸۳)

(حضور ﷺ باوجود قدرۃ علی الکلام کے کچھ کہنے سے رکے رہتے اور صحابہؓ کو شعر گوئی سے منع بھی نہ کرتے) ظاہر ہے کہ اگر آپؐ زبان مبارک سے شعر و شاعری کی اجازت مرحمت فرماتے، تو وہ لازماً شریعت کا حکم بن جاتا، سنت کا درجہ حاصل کر لیتا اور اگر منع فرماتے تو حرام ہو جاتا، حالانکہ یہ امر مباح تھا۔ اس لئے آپؐ خاموش رہے کہ مباح، مباح رہے۔ اس لئے عملاً شرکت نہیں فرمائی اور شرکت پر اپنے جذبات اور فرط مسرت کا اظہار بھی نہ فرمایا۔ معلوم ہوا کہ شاعری مستقل اختیار کرنا کوئی اچھا مشغلہ بھی نہیں

حضور ﷺ کی محفل میں لطائف و تبسم :

و ربما تبسم معہم۔۔۔۔ اور حیرت و استعجاب کی چیزوں پر مسکرا دیا کرتے تھے کہ یہی لازمہ بشریت ہے۔ جیسا کہ ایک صحابی کا شعر ہے، جس میں کفار کی جاہلیت کا اظہار ہے۔

لقد ضلت القوم باصنام ما بلت علیہا العال

(البتہ تحقیق قوم تو ایسے بتوں کے ذریعے گمراہ ہوئی جن پر لومڑیوں نے پیشاب کیا تھا) شاید اس شعر کا پس منظر بھی یہ واقعہ ہوا، جسے ملا علی قاریؒ نے نقل کیا ہے کہ آپؐ کی مجلس میں ایک صحابی نے عرض کیا کہ میں نے ایک لومڑی کو دیکھا کہ میرے معبود (بت) کے سر پر چڑھ دوڑی اور اس کے سر آنکھوں پر پیشاب کر دیا۔ اس بت کی مصنوعی آنکھیں بھی بند ہو گئیں تو میں نے کہا کہ یہ کیسا خدا ہے، جس کے سر پر لومڑیاں پیشاب تک کر جاتی ہیں اور وہ کچھ نہیں کہتا، لہذا میں نے جاہلیت چھوڑ کر اسلام قبول کر لیا۔ اسی صفحہ پر ملا علی قاریؒ نے ایک اور واقعہ بھی نقل کیا ہے کہ ایک صحابی نے آپؐ کی محفل میں کہا کہ جتنا نفع مجھے میرے صنم (بت) نے پہنچایا ہے اور کسی کو نہیں پہنچایا ہوگا کہ وہ میری تھیلی میں ہوا کرتا تھا (غالباً آٹے وغیرہ سے بنایا ہوگا) جب قحط پڑا اور کھانے کو کچھ نہ ملا، تو میں نے اپنے خدا (بت) کو تھیلی سے نکال کر توڑ ڈالا اور حلوہ بنا کر خود بھی کھایا اور احباب کو بھی کھلایا (جمع ج ۲ ص ۵۲) ظاہر ہے کہ جب محفل میں اس قسم کے لطائف و ظرائف سنائے جا رہے ہوں گے، تو آپؐ بھی مسکرا دیا کرتے ہوں گے۔

اس حدیث سے بھی شعر بنانے، سننے کے جواز پر استدلال ہوتا ہے، بشرطیکہ وہ فحش اور گندے مضامین پر مشتمل نہ ہو۔ ویوخذ منه حل انشاد الشعر و استماعه اذا كان لا فحش فيه و ان اشتمل علی ذکر ایام الجاهلیة و وقائعهم فی حروبهم و مکارمهم و نحو ذلک (مناوی ج ۲ ص ۵۳)

(حدیث سے ایسی شعر گوئی کا جواز پر استدلال کیا جاتا ہے جس میں فحش اور بے ہودہ کلام تو نہ ہو اگرچہ وہ جاہلیت کے واقعات اور ان کے جنگی کارناموں اور اپنے آباء و اجداد کے مکارم اخلاق وغیرہ کے تذکروں پر مشتمل ہوں)۔

(۲۳۰/۷) حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ أَنبَأَنَا شَرِيكَ عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ بْنِ عُمَيْرٍ عَنْ أَبِي سَلَمَةَ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أَشْعَرُ كَلِمَةٍ تَكَلَّمْتُ بِهَا الْعَرَبُ كَلِمَةٌ لَبِيدٌ . أَلَا كُلُّ شَيْءٍ مَا خَلَا اللَّهَ بَاطِلٌ .

ترجمہ : امام ترمذی کہتے ہیں کہ ہمیں علی بن حجر نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اس کی خبر شریک نے عبد الملک بن عمیر کے واسطے سے دی، انہوں نے یہ روایت ابی سلمہ سے، انہوں نے اسے ابو ہریرہ سے سماعت کیا۔ حضرت ابو ہریرہ حضور اقدس ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ شاعران عرب کے کلام میں بہترین کلمہ لبید کا یہ مقولہ ہے الا کل شئی ما خلا اللہ باطل

حضرت ابو ہریرہ کی یہ روایت اسی باب میں دوسرے نمبر پر گذر چکی ہے، وہاں تفصیل سے بحث کر دی گئی ہے۔ اشعر کلمة ای اجودھا و احسنھا و أدقھا و ارقھا (مواہب ص ۱۸۳)

کلمة سے مراد کلام ہے، فالمراد بالكلمة الکلام (مواہب ص ۱۸۳) (اشعر کلمة کا معنی علامہ بیجوری یہ لکھتے ہیں کہ اچھا جید و خوبصورت اور دقیق کلمہ جو دلوں میں نرمی اور رقت پیدا کرنے والا ہو)

(۲۳۱/۸) حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ حَدَّثَنَا مَرْوَانُ بْنُ مُعَاوِيَةَ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ الطَّائِفِيِّ عَنْ عَمْرِو بْنِ الشَّرِيدِ عَنْ أَبِيهِ قَالَ كُنْتُ رَدَفَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَانْشَلْتُهُ مِائَةَ قَافِيَةٍ مِنْ قَوْلِ أُمِّيَّةَ بْنِ أَبِي الصَّلْتِ كُلَّمَا انْشَلْتُهُ بَيْتًا قَالَ لِي النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هِيَ حَتَّى انْشَلْتُهُ مِائَةَ يَبْنِي بَيْتًا فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ كَذَا لَيْسَلِمُ .

ترجمہ : امام ترمذی کہتے ہیں کہ ہمیں احمد بن منیع نے یہ روایت بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے مروان بن معاویہ نے عبداللہ بن عبدالرحمن طائفی کے واسطے سے بیان کیا۔ انہوں نے یہ روایت عمرو بن شرید سے ان کے باپ کے واسطے سے سنی۔ حضرت شرید کہتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ حضور ﷺ کے ساتھ سواری پر آپ کے پیچھے بیٹھا ہوا تھا۔ اس وقت میں نے حضور ﷺ کو امیہ کے سوشعر سنائے۔ ہر شعر پر حضور ﷺ ارشاد فرماتے تھے کہ اور سناؤ! اخیر میں حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اس کا اسلام لے آنا بہت ہی قریب تھا۔ اچھے اشعار حضور ﷺ کو پسند تھے :

یہ تو پہلے اسی باب کی دوسری حدیث میں کسی قدر عرض کیا جا چکا ہے کہ آپ کو امیہ بن ابی اہلصلت کے اشعار پسند تھے۔ باقی شرح حدیث بھی وہاں کر دی گئی ہے۔ اس روایت سے یہ ثابت ہوتا ہے، اچھے اشعار جن کا مضمون درست ہو، حق کے موافق ہو، علم و ادب کے معیار پر درست ہو، حضور ﷺ انہیں سن لیا کرتے تھے۔

ہیہ : کا معنی زیادہ کر اور پڑھ بکسر الہائین بینہا یاء ساکنۃ والہاء الاولی مبدلۃ من الہمزۃ والاصل ایہ، و هو اسم فعل بمعنی زدنی (کلمہ ہیہ کی تشریح اس طرح ہے کہ یہ لفظ دونوں ہاء کے کسرہ کے ساتھ اور ان کے درمیان یاء ساکنہ ہو اور پہلی ہاء ہمزہ سے بدلی ہوئی ہے اصل میں ایہ تھا اور یہ اسم فعل بمعنی زدنی کے ہے) اسے کلمہ استزادہ بھی کہتے ہیں۔ اس کے مفہوم میں پسندیدگی کا معنی بھی پایا جاتا ہے، جب کوئی کلام پسند آجائے تو لفظ ہیہ سے اس کی زیادتی کا مطالبہ کیا جاتا ہے، اسم فعل ہے، بمعنی تکلم کے۔

امیہ ابی الصلت کا ایک لاجواب شعر :

فقال النبی ﷺ ان کاد لیسلم قریب تھا کہ امیہ اسلام قبول کر لیتا، کیونکہ ان کے اشعار توحید، حقائق، معاد اور اسلامی تعلیمات کے مضامین پر مشتمل ہوتے تھے بسبب اشتمال شعرہ علی التوحید والحکم البدیعة نحو قوله

لَكَ الْحَمْدُ وَالنُّعْمَاءُ وَالْفُضْلُ رَبَّنَا

فَلَا شَيْءٌ أَعْلَى مِنْكَ حَمْدًا وَلَا مَجْدًا

(مواہب ص ۱۸۴)

ترجمہ : اے ہمارے رب ! آپ ہی کے لئے تعریفیں ہیں اور آپ ہی کی ملکیت میں تمام نعمتیں ہیں اور آپ ہی کے لئے سب فضیلتیں ہیں، نہ آپ سے زیادہ کوئی تعریف کے قابل ہے، نہ آپ سے زیادہ کوئی بڑائی والا ہے۔

(۲۳۲/۹) حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ مُوسَى الْفَزَارِيُّ وَعَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ وَالْمَعْنَى وَاحِدٌ قَالَا
أَبَانَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ ابْنُ أَبِي الزِّنَادِ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ أَبِيهِ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ
عَنْهَا قَالَتْ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَضَعُ لِحَسَّانِ بْنِ ثَابِتٍ مَنِيرًا فِي
الْمَسْجِدِ يَقُومُ عَلَيْهِ فَإِنَّمَا يُفَاخِرُ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَوْ قَالَ يُنَافِحُ
عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَيَقُولُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ اللَّهَ
يُؤَيِّدُ حَسَّانَ بِرُوحِ الْقُدْسِ مَا يُنَافِحُ أَوْ يُفَاخِرُ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ .
حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ مُوسَى وَعَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ قَالَا حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي الزِّنَادِ عَنْ
أَبِيهِ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِثْلَهُ .

ترجمہ : امام ترمذی کہتے ہیں کہ ہمیں یہ روایت اسماعیل بن موسیٰ فزاری اور علی بن حجر نے بیان کی۔ وہ دونوں کہتے ہیں کہ ہم کو عبد الرحمن بن ابی زناد نے خبر دی، انہوں نے یہ روایت ہشام بن عروہ سے ان کے باپ کے واسطے سے اخذ کی۔ وہ حضرت عائشہ صدیقہ سے روایت کرتے ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور اقدس ﷺ حسان

بن ثابتؓ کے لئے مسجد میں منبر رکھوایا کرتے تھے تاکہ اس پر کھڑے ہو کر حضور اقدس ﷺ کی طرف سے مفاخرہ کریں، یعنی حضور ﷺ کی تعریف میں فخریہ اشعار پڑھیں یا حضور ﷺ کی طرف سے مدافعت کریں، یعنی کفار کے الزامات کا جواب دیں۔ یہ شکِ راوی ہے اور حضور اکرم ﷺ یہ بھی فرماتے تھے کہ حق تعالیٰ جل شانہ روح القدس سے حسانؓ کی امداد فرماتے ہیں، جب تک کہ وہ دین کی امداد کرتے ہیں۔

امام ترمذیؒ کہتے ہیں کہ راوی اس حدیث جیسی دوسری حدیث اس طرح بیان کرتے ہیں۔ ہمارے پاس یہ حدیث اسمعیل بن موسیٰ اور علی بن حجر نے بیان کی۔ وہ دونوں کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ روایت عبدالرحمن بن ابی زناد نے بیان کی۔ انہوں نے یہ روایت ہشام ابن عروہ سے ان کے باپ کے واسطے سے روایت کی۔ انہوں نے یہ حدیث ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ سے سنی، جو حضور نبی کریم ﷺ سے پہلی روایت کے ہم معنی حدیث بیان کرتی ہیں۔

بعض الفاظِ حدیث کی تشریح :

یفاخر یعنی حضور اقدس ﷺ کے مفاخر بیان فرماتے تھے ای یذکر مفاخر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم أو ینافع بمعنی مدافعت کے ہے، ای یدافع (اتحافات ص ۲۹۷) ینافع ای یخاصم عن قبلہ و یدافع عن جہتہ فقیل المنافحة المخاصمة فالمراد انه کان یهاجی المشرکین و ینمہم عنہ (جمع ج ۲ ص ۵۵) (یعنی حضرت حسانؓ آپ ﷺ کی جانب سے مدافعت اور مخالفت کرتے تھے یعنی مشرکین کی ہجو برائی اور مذمت کیا کرتے تھے)

روح القدس! مراد حضرت جبریل ہیں، ای جبریل و سمی بہ لانه یأتی الانبیاء بما فیہ الحیاة الابدية والمعرفة السرمدية و اضافتہ الی القدس و هو الطہارة لانه خلق منها و قد جاء فی حدیث مصرحاً و هو ان جبریل مع حسان (جمع ج ۲ ص ۵۶) (جبریل علیہ السلام کو روح القدس اس لئے کہا جاتا تھا کہ وہ انبیاء کرام کو ایسی چیز (وحی) لاتے جس میں ان کے لئے حیاتِ ابدی اور معرفتِ سرمدی ہوتی اور اس کی اضافتِ قدس کی طرف (بمعنی

محبوب خدا ﷺ کی درباادائیں -----
 طہارت کے) اس لئے ہے کہ وہ اس سے پیدا ہوئے ہیں اور حدیث میں یہ تصریح ہے کہ
 جبریلؑ حضرت حسانؑ کے ساتھ ہیں)

نعتِ حسانؑ کے لئے حضور ﷺ کا اہتمام :

حضورِ اقدس ﷺ مسجد نبوی میں منبر رکھواتے اور حضرت حسانؑ مفاخرہ کرتے،
 یعنی آپؐ کے اخلاقِ کریمانہ، معجزات، کمالات، تعریف، خاندانی شرافت و عظمت، حقانیت و
 علوم مرتبت اور مدح اور حسن ظاہری و باطنی کا بیان کرتے اور فخریہ اشعار پڑھتے یا کفار کے
 الزامات کا جواب دے کر آپؐ کی مدافعت کرتے اور یہی اس زمانے کا دستور تھا۔ حضور
 ﷺ بھی اپنے دور کے مطابق جہادِ بالسیف کے ساتھ ساتھ جہادِ باللسان بھی کرتے تھے۔
 کفار کے خطیب و شعراء اگر اپنے جوانوں کو شعر و خطابت سے آگے بڑھاتے تھے، تو آپؐ
 بھی جواب آں غزل کے طور پر حضراتِ صحابہؓ سے خطابت و شعر گوئی کرا کے ان کے دندان
 شکن جواب کا اہتمام فرماتے تھے۔

بنو تمیم کے وفد سے شعر و خطابت میں مقابلہ :

ملا علی قاریؒ لکھتے ہیں کہ ایک مرتبہ قبیلہ بنو تمیم کا وفد بارگاہِ قدس میں حاضر ہوا اور
 ان کے ساتھ ان کا مشہور شاعر اقرع بن حابس بھی تھا۔ انہوں نے آ کر دروازہ پر دستک دی
 اور کہا یا محمد اخرج الینا نفاخرک او نشاعرک فان مدحنا زین و ذمنا
 شین، (اے محمد! ہماری طرف نکل آؤ ہم آپ سے مشاعرہ اور مفاخرت کرنا چاہتے ہیں اگر
 ہم نے آپ کی مدح کی تو خوبصورت ہو جاؤ گے اور اگر ہم نے مذمت کی تو معیوب ہو
 جائے گا) حضورِ اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میری بعثت نہ تو اشعار کے لئے ہوئی ہے
 اور نہ کسی کی مدح و ذم میں مقابلہ کے لئے، انی لم ابعث بالشعر ولا بالفخر ولکن
 ہاتوا، مگر آؤ اس میں خود کو آزمالو ان کا خطیب کھڑا ہوا، تو آپؐ نے ثابت بن قیس سے
 فرمایا کہ ان کے خطیب کا جواب دو۔ حضرت ثابتؓ نے تقریر کی تو غالب آگئے، ان کے
 شاعر اقرع بن حابس کھڑے ہوئے اور کہا.....

اتیناک کما يعرف الناس فضلنا اذا خالفونا عند ذکر المکارم
 و انارؤس الناس فی کل معشر و ان لیس فی ارض الحجاز کدارم
 (ہم آپ کے پاس آئے جیسا کہ ہماری فضیلت اور شرافت کو سب لوگ جانتے ہیں جس
 وقت کہ تم ہمارے مخالفت کرتے ہو، شرفاء کے تذکروں کے وقت اور ہر گروہ و جماعت میں
 ہم لوگوں کے سردار ہیں اور ارضِ حجاز میں بنو دارم جیسے شریف لوگ نہیں ہیں)
 تو حضور اقدس ﷺ نے حضرت حسانؓ کو جواب کے لئے حکم دیا۔ حضرت حسانؓ نے
 جواباً فرمایا.....

بنی دارم لا تفخروا ان فخرکم
 یعود وبالا عند ذکر المکارم
 هبتم علينا تفخرون و انتم
 لنا حول ما بین قن و خادم

(جمع ۲ ص ۵۷)

(اے بنی دارم! فخر مت کرو اس لئے کہ تمہارا فخر کرنا شرفاء لوگوں کے تذکرہ کے وقت
 تمہارے لئے وبال اور نقصان دہ ہوگا۔

حیلہ گری اور چالاکی کے ذریعہ تم ہمارے اوپر فخر کرتے ہو حالانکہ تم ہمارے غلام اور نوکر ہو یا
 تم ہمارے چرواہے بصورت غلام اور نوکر کے ہو)

اس میں بھی مسلمان غالب آئے فکان اول من اسلم شاعرہم سب سے اول ان
 کا شاعر مسلمان ہوا۔

تلوار کی طرح زبان سے بھی جہاد ضروری ہے :

اصل بتانا یہ مقصود ہے کہ خطابت و اشعار سے بھی مقابلہ تھا اور یہ اس زمانہ میں
 جہاد کا ایک ہتھیار تھا۔ حضرت کعبؓ نے حضور اقدس ﷺ سے اشعار کے بارے میں
 دریافت کیا، تو آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ مومن اپنی تلوار سے بھی جہاد کرتا ہے اور زبان سے
 بھی اور یہ بھی روایات میں ہے کہ ان پر یہ اشعار تیر کی طرح لگتے ہیں، جیسا کہ اسی باب کی
 پانچویں حدیث میں آپؐ کا ارشاد نقل ہے۔ فلہی اسرع فیہم من نضح النبل۔

حضرت حسانؓ کے بعض مشہور اشعار :

ذیل میں عاشقانِ رسول ﷺ کی ضیافتِ طبع کے لئے حضرت حسانؓ کے بعض اشعار بھی نقل کر دیے جاتے ہیں۔ حضرت حسانؓ فرماتے ہیں.....

ہجوت محمد او اجبت عنہ و عند اللہ فی ذاک الجزاء

ہجوت مطہراً براً حنیفاً امین اللہ شیمتہ الوفاء

اتہجوه و لست له بکفاء فشر کما لخیر کما الفداء

فان ابی و ولدی و عرضی لعرض محمد منکم و قاء

اے مخاطب ! تو نے معاذ اللہ حضور ﷺ کے حق میں ہجو کی ہے، تو میں اس کا

جواب دیتا ہوں اور اس جواب دینے میں میری جزا صرف اللہ تعالیٰ کے ہاں ہے۔ (۲) تو

نے ایک ایسی برگزیدہ ہستی کے متعلق ناشائستہ الفاظ استعمال کئے ہیں جو کہ پاکیزہ ترین،

انتہائی نیکو کار اور اللہ تعالیٰ کی ذات میں مستغرق ہیں، پھر وہ اللہ کے امانت دار ہیں اور وہ

مجسمہ وفا ہیں۔

(۳) کیا تو ایسی ہستی کی ہجو کرتا ہے تو ہرگز ہرگز اس میں حق بجانب نہیں ہے، پس تمہارا اثر

اور تمہاری برائی ایسے رسولِ مقبول کے حق میں جو تم سب سے بہتر ہے، صفر کے برابر ہے

(۴) پس میرا باپ اور اولاد اور میری عزت سرور کو نبین ﷺ کی آبرو کے لئے تمہارے

مقابلے میں ڈھال ہے۔

اور حضور ﷺ کی تعریف میں فرماتے ہیں.....

خُلِقْتَ مُبْرَأً مِنْ كُلِّ عَيْبٍ كَأَنَّكَ قَدْ خُلِقْتَ كَمَا تَشَاءُ

وَ أَحْسَنَ مِنْكَ لَمْ تَرَقُطْ عَيْنِي وَ أَجْمَلَ مِنْكَ لَمْ تَلِدِ النِّسَاءَ

اے محبوبِ خدا ! آپ ہر ایک عیب سے پاک پیدا کئے گئے، ایسا معلوم ہوتا ہے

کہ آپ اس طرح پیدا ہوئے، جیسا کہ آپ نے چاہا، اور آپ سے زیادہ خوبصورت میری

آنکھ نے کسی کو نہیں دیکھا، اور آپ سے زیادہ حسین کسی وقت کسی ماں نے نہیں جنا۔

اچھے اشعار مندوب ہیں :

اس سے قبل باب ہذا کی روایت میں آپؐ کا شعر سننا تو ثابت تھا، مگر سننے سنانے کے اہتمام اور کمالِ توجہ سے پسندیدگی کا اظہار نہیں تھا۔ اس روایت میں اشعار کے سننے، سنانے اور حضور ﷺ کا اس کے اہتمام کرنے، توجہ دینے اور پسند فرمانے سے اس کی مندوبیت معلوم ہوتی ہے۔

حقیقت بھی یہی ہے کہ اشعار میں فی نفسہ مندوبیت نہیں ہے، بوقتِ ضرورت اس کی طلب محمود ہے، چونکہ کفارِ ناجار حضور اقدس ﷺ کی ہجو کہتے تھے، تو جَزَاؤُ سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا (الشوریٰ: ۴۰) کے مطابق اس کا جواب دیا جانا چاہئے تھا تا کہ کفار کو غلبہ نہ ہو، تو اس صورت میں اشعار کو مطلوبیت، محمودیت اور مندوبیت کا درجہ حاصل ہو جاتا ہے۔

=====

بَابُ مَا جَاءَ فِي كَلَامِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فِي السَّمْرِ

باب ! حضور اقدس ﷺ کا کلام رات کو قصہ گوئی کے بیان میں

لفظِ سمر کا معنی تشریح اور احکام :

السمر (بفتح السين و الميم) لغت میں چاندنی اور عرف میں حدیث اللیل کو کہتے ہیں۔ بعض نے بسکون المیم بھی پڑھا ہے، تو اس صورت میں مصدر ہوگا۔ بمعنی المسامرة و هی المحادثة (اتحادات: ۲۹۸) سمر چاندنی رات میں باتیں کرنے اور قصہ گوئی کو کہتے ہیں۔ صاحب نہایہ نے لکھا ہے، السمر: ضوء لون القمر سمی به لانهم كانوا يتحلثون فيه (جمع ج ۳ ص ۵۷)

غرض انعقادِ باب :

اس باب میں مصنف نے دو حدیثیں نقل کی ہیں۔ یہ بتانا مقصود ہے کہ رات کو قصہ گوئی جائز ہے جب بے ہودگی اور مضرت سے پاک ہو۔ بلکہ آپ ﷺ نے اسے سنا بھی ہے اور کیا بھی ہے والمقصود من هنا الباب انه صلى الله عليه وسلم جوز السمر و سمعه و فعله (مواہب من ۱۸۹)

باب کی دونوں روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے عشاء کے بعد قصہ سنا بھی اور سنا یا بھی، پھر اندرون خانہ خاندان کے افراد کو سنا یا تو اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ گھر میں دل لگی اور تفریح طبع کے لئے قصہ سنانا مستحسن عمل ہے اور حضور اقدس ﷺ سے ثابت ہے

(۱۳۳/۴) حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ صَبَاحِ الْبَزَارِ حَدَّثَنَا أَبُو النَّضْرِ حَدَّثَنَا أَبُو عَقِيلٍ الْقَفِيُّ عَبْدُ اللَّهِ بْنِ عَقِيلٍ عَنْ مُجَالِدٍ عَنِ الشَّعْبِيِّ عَنْ مَسْرُوقٍ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ حَدَّثَ رَسُولُ

اللّٰهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ لَيْلَةٍ نِسَاءً هُ حَلِيثًا فَقَالَتْ امْرَأَةٌ مِنْهُنَّ كَأَنَّ الْحَلِيثَ حَلِيثٌ خُرَافَةٌ فَقَالَ اتْلُوْنَ مَا خُرَافَةٌ اِنَّ خُرَافَةَ كَانَ رَجُلًا مِنْ عُنْرَةِ اَسْرَتِهِ الْجِنُّ فِي الْجَاهِلِيَّةِ فَمَكَتْ فِيهِمْ نَهْرًا ثُمَّ رَثُوهُ اِلَى الْاِنْسِ فَكَانَ يُحَدِّثُ النَّاسَ بِمَا رَاى فِيهِمْ مِنَ الْاَعَاجِبِ فَقَالَ النَّاسُ حَلِيثٌ خُرَافَةٌ۔

ترجمہ : امام ترمذی کہتے ہیں کہ ہمیں حسن بن صباح بزار نے یہ حدیث بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم کو اسے ابونضر نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ ہمیں اس روایت کو بیان کرنے والے ابو عقیل ثقفی عبداللہ بن عقیل ہیں۔ انہوں نے یہ روایت مجالد سے شععی کے واسطے سے بیان کی اور انہوں نے اسے مسروق سے سنا، انہوں نے یہ حدیث ام المؤمنین عائشہ صدیقہ سے سنی۔ حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ ایک مرتبہ حضور اقدس ﷺ نے اپنے گھر والوں کو ایک قصہ سنایا۔ ایک عورت نے کہا یہ کہ قصہ حیرت اور تعجب میں بالکل خرافہ کے قصوں جیسا ہے (عرب میں خرافہ کے قصے ضرب المثل تھے) حضور اکرم ﷺ نے دریافت فرمایا کہ جانتی بھی ہو خرافہ کا اصل قصہ کیا تھا۔ خرافہ بنو عذرہ کا ایک شخص تھا جس کو جنات پکڑ کر لے گئے تھے، ایک عرصہ تک انہوں نے اس کو اپنے پاس رکھا، پھر لوگوں میں چھوڑ گئے، وہاں کے زمانہ قیام کے عجائبات وہ لوگوں سے نقل کرتا تھا تو وہ متحیر ہوتے تھے، اس کے بعد سے لوگ ہر حیرت انگیز قصے کو حدیث خرافہ کہنے لگے۔

راویان حدیث (۵۱۳) حسن بن صباح البزار (۵۱۴) ابوالنضر اور (۵۱۵) ابو عقیل ثقفی عبداللہ بن عقیل کے حالات ”تذکرہ راویان شمائل ترمذی“ میں ملاحظہ فرمائیں۔

عربوں کے ملکاتِ فاضلہ :

عربوں کے کچھ خاص عادات تھے، کچھ روایتیں اور رواجات تھے۔ اچھی روایات بھی تھیں اور قبیح اعمال بھی تھے۔ تاہم قدرت نے انہیں صحیح الفطرت اور ملکاتِ فاضلہ دے کر تخلیق فرمایا تھا۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے نبی آخر الزمان کو ان ہی میں مبعوث فرمایا۔ عربوں نے اپنی روایات کے مطابق ہر کام کے لئے اوقات مخصوص کر رکھے تھے۔ جیسا کہ مشہور ہے، یوم الغیم للصيد و یوم المطر للشرب (کہ ابرو بادل کا دن شکار کھیلنے

محبوبِ خدا ﷺ کی دلِ باوا میں کے لئے اور بارش کا دن شراب و کباب کے لئے) اسی طرح چاندنی رات میں ایک طبعی نشاط، اور فرحت و سرور کے لمحات ہوتے ہیں، تو عربوں نے چاندنی راتوں کو قصہ گوئی کے لئے خاص کر رکھا تھا، اسی قصہ گوئی کو سمر کہتے ہیں۔ اس سے سمران ہے بمعنی چھوٹی کہانیاں، مگر توسعاً اور مجازاً اس میں عموم آ گیا اور مطلق کلام بعد العشاء کو بھی سمر کہا جانے لگا اور باب ہذا میں یہی معنی مراد ہے۔

ازواجِ مطہرات کی تعلیم و تربیت کا اہتمام :

حدث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ذات لیلۃ نساء ہ حضور اقدس ﷺ نے اپنی ازواجِ مطہرات کے لئے علیحدہ علیحدہ کمرے بنوائے ہوئے تھے۔ سب علیحدہ علیحدہ اپنے اپنے کمرہ میں رہتی تھیں۔ آپ باری باری ہر ایک کے ہاں رات بسر فرماتے تھے۔ حضرت سودہؓ نے اپنی باری حضرت عائشہؓ کے لئے وقف کر دی تھی۔ اس لئے حضرت عائشہؓ کے ہاں آپ کی دو راتیں گذرتیں تھیں، دو بیبیاں حضرت خدیجہؓ اور حضرت زینبؓ کا انتقال تو آپ کی زندگی میں ہو گیا تھا۔ باقی نو (۹) بیبیاں آپ کی رحلت کے بعد تک زندہ رہیں۔ آپ کے اس معمول کے مطابق آپ کو جس بیوی کے ہاں رات گزارنی ہوتی، تو دیگر ازواجِ مطہرات بھی آغازِ شب میں اسی کے گھر جمع ہو جاتیں تاکہ دینی مسائل، خواتین کے مخصوص مسائل اور تعلیم و تربیت حاصل کر کے اسے خواتینِ امت میں فروغ دیا جاسکے، تعددِ ازدواج کی غرض بھی تو یہی تھی، تعلیم و تربیت کے ساتھ ساتھ تفریح، دل لگی، نقلِ حکایات کا سلسلہ بھی چلتا تھا کہ امت کی معلمات اپنی تعلیمات اور دعوت و تبلیغ میں خواتینِ امت کی صحیح تعلیم و تربیت کر سکیں۔

ذات لیلۃ کی وضاحت :

لفظِ ذات عربی میں متعدد معانی میں استعمال ہوتا ہے (۱) لفظِ ذات بمعنی حال کے آتا ہے۔ فَاصْلِحُوا ذَاتَ بَيْنِكُمْ (الانفال: ۱) میں لفظِ ذات بمعنی حال کے استعمال ہوا ہے، یعنی اپنے درمیان حال کو درست رکھو۔ (۲) شب و روز کا کوئی لمحہ دن رات کی کوئی

گھڑی اور وقت مراد ہوتا ہے۔

(۳) ذات بمعنی انسان کی ذات یعنی اس کے جسم کے لئے بھی آتا ہے۔ (۴) ذات بمعنی نفس کے بھی آتا ہے۔ (۵) اور ذات بمعنی ارادہ اور عزائم کے بھی جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے، إِنَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّلُورِ (الملک: ۱۳) یعنی اللہ تعالیٰ انسان کے مخفی ارادوں کو بھی جانتا ہے۔ تاہم اس جگہ ذات سے مراد وقت ہے، یعنی رات کا کوئی وقت، کوئی لمحہ اور کوئی گھڑی

ای فی ساعاتِ ذات لیلۃ فذات صفة موصوف محذوف أو لفظ ذات مقحم فہو مزید للتاکید (مواہب ص ۱۸۹) (تولفظ ذات یا تو موصوف محذوف کی صفت ہے یعنی ساعات کی اور یا وہ زائد برائے زیادتیء تاکید ہے)

بعض الفاظِ حدیث کی تشریح :

نساء ۵ یہ تو پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ جس بیوی کے ہاں آپؐ کی باری ہوتی تھی، اُمہات المؤمنین اسی کے کمرہ میں جمع ہو جایا کرتی تھیں، فارغ ہوتیں تو سب آجاتیں، ورنہ اکثر اس معمول کو نبھایا کرتی تھیں، نساء ۵ سے بھی جمیع أزواجہ او بعضہن (اتحافات: ۲۹۸) (کل بیویاں یا بعض مراد ہیں) مراد ہیں۔ حدیثاً! بمعنی کلامِ عجیب کے ہے، ای کلاماً عجیباً أو کلاماً غریباً (اتحافات: ۲۹۸)

کأن الحلیث خرافۃ میں بھی اس کا لغوی اور اصطلاحی معنی مراد نہیں ہے، بلکہ اس سے مراد عجیب و غریب دلچسپ اور حیرت انگیز قصہ ہے، ورنہ کیا مجال کہ آپؐ کی طرف کسی جھوٹ کی نسبت کی جاسکے، المراد انه حلیث مستملح ولا نرید بحال انه کذب (اتحافات ص ۲۹۶) (حدیثِ خرافہ سے مراد دلچسپ واقعات اور کہانیاں ہیں اور اس سے کسی صورت میں جھوٹ کا ارادہ نہیں)

حدیثِ خرافہ :

چونکہ آپؐ کا سنایا ہوا قصہ بھی ایک تعجب انگیز حیران کن دلچسپ قصہ تھا، اس لئے ایک زوجہ صاحبہ نے اسے حدیثِ خرافہ سے تشبیہ دی۔ خرافہ کا لغوی معنی جھوٹی بات ہے

محبوب خدا ﷺ کی دُرُ با دائیں -----
 وقوفوں کی بات بے عقلی اور لایعنی باتیں کرنا ہے۔ خرافات بلکہ لایعنی باتیں کرنا، عربی میں
 بھی خرافہ لایعنی باتوں کے معنی میں استعمال ہوا ہے.....

أَتْرُكُ لَنَّةَ الصُّهْبَاءِ صَرْفًا
 لِمَا وَعَلُوهُ مِنْ لَحْمٍ وَخَمْرٍ
 حَيَاةً ثُمَّ مَوْتٌ ثُمَّ نَشْرٌ
 حَلِيثٌ خُرَافَةٌ يَا أُمَّ عَمْرٍو

(المثل والنحل ج ۳ ص ۲۲۱)

کیا میں صرف اس وعدے پر شراب و کباب سے لطف اندوزیاں چھوڑ دوں کہ یہ
 چیزیں مجھے جنت میں جا کر ملیں گے اور یہ کہ زندگی کے بعد موت ہے، پھر حیات ہے۔ اے
 ام عمرو! یہ سب محض خرافات ہیں یعنی لایعنی باتیں ہیں۔

وجہ تشبیہ :

اس تفصیل سے غرض یہ ہے کہ اگر حدیث خرافہ سے صرف جھوٹی اور قابل تعجب
 باتیں ہی مراد لیا جائے تو یہ تشبیہ من کل الوجوه نہیں، بلکہ بعض اجزاء میں تشبیہ ہے، یعنی
 اکاذیب میں تشبیہ نہیں بلکہ مستبعدات میں تشبیہ ہے۔ وانما ارادت التشبيه في
 الاستملاح فقط (مواہب ص ۱۸۶) علامہ ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں، الاظهر ان حديث
 خرافة يطلق على كل ما يستملح۔ (اتحافات ص ۲۹۸) (اور زیادہ واضح یہی معلوم ہوتا
 ہے کہ حدیث خرافہ کا اطلاق ہر کلام ملیح عجیب و غریب پر ہوتا ہے)

خرافہ کون تھا :

اندرون ما خرافة! حضور اقدس ﷺ نے اس کے جواب میں فرمایا کیا تم جانتی
 ہو، یہ خرافہ کون تھا۔ بعض نسخوں میں اندرین مونت کا صیغہ استعمال ہوا ہے پھر تو کوئی
 اشکال ہی نہیں، اندرون کی صورت میں شیخ ابراہیم اللیجوریؒ فرماتے ہیں، مخاطبہن خطاب
 الذکور تعظيماً لِشأنهن. (مواہب ص ۱۸۶) (ان کے ساتھ مذکرین کا خطاب ان کی عظمت

شان کے لئے استعمال کیا گیا)

اس کی مثال لو شئت طلقت النساء سواکم ہے قرآن مجید میں اس کی نظیریں ملتی ہیں و کانت من القانتین۔ اور انما یزید اللہ لینهب عنکم الرجس اهل البیت۔ (ان مذکورہ تینوں مثالوں میں مذکر کے صیغے (سواکم . القانتین . عنکم) مؤنثات کی تعظیم شان کے لئے مستعمل ہوئے ہیں) اور یہ بھی ممکن ہے، مخاطب محض خواتین نہ ہوں، مرد بھی ہوں، جو اس موقع پر موجود ہوں گے تو واقعہ نزولِ حجاب سے قبل کا قرار پائے گا اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ محارم میں سے کچھ مرد وہاں موجود ہوں یا اجنبی ہوں، لیکن پس پردہ۔ ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں۔ وتحتمل انه کان بعض المحارم من الرجال او من الاجانب معهن ولكنهن وراء النقاب (جمع ج ۲ ص ۵۷)

کان رجلاً... یہ یمن کے ایک قبیلہ عذرة کا ایک فرد تھا۔ زمانہ جاہلیت میں اس کو جنوں نے پکڑا اور اٹھا کر لے گئے، پھر وہ ایک عرصہ تک جنات میں رہا، وہاں پر اس نے جنات کے حرکات و سکنات، مختلف اشکال، واقعات و واردات اور حالات کا مشاہدہ کیا۔ ان کی طرزِ زندگی، بود و باش، رسم و رواج اور مختلف مناظر دیکھے۔ جنات کے شہر، بستیاں اور ان کے گھر دیکھے، جنہوں نے اپنے ہاں طویل عرصہ سے ٹھہرائے رکھا، پھر اسے واپس چھوڑ دیا۔ فکان یحدث... واپسی پر وہ لوگوں سے وہاں کے عجیب مناظر، حیران کن واقعات اور تعجب انگیز قصے بیان کیا کرتا تھا۔ بالآخر معاشرہ میں خرافہ کی ذات ایک ضرب المثل بن گئی اور جب کبھی کوئی عجیب حیران کن واقعہ ذکر ہوتا تو لوگ کہتے کہ یہ تو حدیث خرافہ ہے۔

استنباط مسائل :

شارحین حدیث لکھتے ہیں کہ حدیث سے ثابت ہوا ہے کہ بعد العشاء اہل و عیال سے حسن معاشرت، نقل حکایات، مفید قصوں کا بیان، دلجوئی و دل لگی، محمود و مسنون ہے۔ جیسے کہ صاحب اتحافات نے بھی اس کا تذکرہ ان الفاظ میں کر دیا یؤخذ من الحدیث حسن معاشرۃ الرجل لاهله و سمرۃ معهم و اخبارہ لهم بالخفیف من الامور

محبوب خدا ﷺ کی دلزبا دائیں

وقصته عليهم القصص المفيدة اقتداء به صلى الله عليه وسلم فإن التشبه باهل

الفلاح فلاح - (اتحافات: ۲۹۸-۲۹۹)

ایک حدیث میں جو بعد العشاء گفتگو کرنے سے نہی آئی ہے، وہاں کلام بیہودہ مراد

ہے والنہی الوارد عن الکلام بعد العشاء محمول علی مالا یعنی عن الکلام بعد

العشاء و لذلک قال فی المنہج و کرہ نوم قبلها و حلیث بعلمها لا فی خیر

(مواہب ص ۱۸۷) (جو عشاء کے بعد کلام کرنے سے منع وارد ہوئی ہے تو اس سے فضول اور

بیہودہ گفتگو مراد ہے اس لئے تو صاحب منہج نے فرمایا کہ عشاء سے پہلے سونا اور عشاء کے بعد

نیکی کے علاوہ گفتگو کرنا مکروہ ہے)

ملا علی قاری نے تطبیق ان الفاظ سے فرمادی کہ فالنہی الوارد محمول علی

کلام الدنیا و مالا یعنی فی العقبی والحکمة ان یکون خاتمة فعله و قوله بالحسنی و

مکفرة لما وقع له فيما مضی (جمع ج ص ۵۸) (جن احادیث میں بعد العشاء کلام

سے نہی ہے ان کا محمل دنیوی گفتگو اور جو آخرت میں بے فائدہ ہو اور اس میں حکمت اور راز

یہی ہے کہ انسان کے افعال و اقوال کا خاتمہ ایسے امور پر ہو جو نیکی کا سبب اور جو گذشتہ

غلطیوں کے لئے کفارہ بن سکیں)

حَلِیْثُ اُمِّ زُرْع ام زرع کا قصہ

(۳۳۲/۲) حَلِیْثُ عَلِیُّ بْنُ حُجْرٍ قَالَ اَخْبَرَنَا عِیْسَى بْنُ یُوْنُسَ عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ

عَنْ اَخِيهِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُرْوَةَ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ جَلَسْتُ اِحْدَى عَشْرَةَ

اِمْرَاةً فَتَعَاهَلُنَّ وَتَعَاقِلُنَّ اَنْ لَا يَكْتُمْنَ مِنْ اَخْبَارِ اَزْوَاجِهِنَّ شَيْئًا فَقَالَتْ

الْاُولَى - زَوْجِي لَحْمٌ جَمَلٍ غَبٍ عَلِي رَاسِ جَبَلٍ وَعَرٍ لَا سَهْلٍ فَيُرْتَقَى وَلَا سَمِينٍ

فَيُرْتَقَى -

ترجمہ : امام ترمذی کہتے ہیں کہ ہمیں علی بن حجر نے یہ روایت بیان کی۔ وہ کہتے ہیں کہ

ہمیں اس کی خبر عیسیٰ بن یونس نے دی، انہوں نے یہ روایت ہشام بن عروہ سے سنی، جنہوں

نے اسے اپنے بھائی عبداللہ بن عروہ کے واسطے سے اور انہوں نے اپنے باپ عروہ سے بیان کی۔ انہوں نے یہ حدیث ام المؤمنین عائشہ صدیقہ سے سماعت کی۔ حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ ایک مرتبہ گیارہ عورتیں یہ معاہدہ کر کے بیٹھیں کہ اپنے اپنے خاوند کا پورا پورا حال سچا سچا بیان کر دیں کچھ چھپائیں نہیں۔ ایک عورت ان میں سے بولی کہ میرا خاوندنا کارہ دُبلے اونٹ کے گوشت کی طرح ہے اور گوشت بھی سخت دشوار گزار پہاڑ کی چوٹی پر رکھا ہو کہ نہ پہاڑ کا راستہ سہل ہے جس کی وجہ سے وہاں چڑھنا ممکن ہو اور نہ وہ گوشت ایسا ہے کہ اس کی وجہ سے سو (۱۰۰) دقت اٹھا کر اس کے اتارنے کی کوشش کی ہی جائے اور اس کو اختیار کیا ہی جائے۔

راوی حدیث (۵۱۶) احیہ عبداللہ کے حالات ”مذکرہ راویان شمائل ترمذی“ میں ملاحظہ فرمائیں۔

سند کے لطائف :

حدیث ام زرع کے لطائف میں سے یہ بھی ہے کہ اس میں تین تابعین کرام کی روایت بعضهم عن بعض کے طرز پر منقول ہے اور یہی روایۃ الاقارب بعضهم عن بعض بھی ہے، جیسے علامہ مناوی نے فرمایا کہ و من لطائف اسنادہ ان فیہ روایۃ ثلاثۃ تابعین بعضهم عن بعض ہشام و عبد اللہ و عروہ و روایۃ الاقارب بعضهم عن بعض فقد روی الاخ عن اخیه عن ایہ عن خالته (مناوی ج ۲ ص ۵۹) (اس اسناد کے لطائف میں سے یہ بات ہے کہ اس میں تین تابعین عظام میں سے بعض کی روایت بعض سے نقل ہے یعنی حضرت ہشام عبداللہ اور عروہ اور اس میں اقارب (رشتہ داروں) کی روایت بعض کی بعض سے ہے کیونکہ اس میں روایت ایک بھائی کی دوسرے بھائی سے اور وہ اپنے باپ سے اور وہ اپنی خالہ سے روایت کرتے ہیں)

تمہیدی گزارش :

حلیث ام زرع ! زمانہ قدیم میں یہی رواج تھا کہ مرد عام طور پر کام کاج، محنت اور طلب رزق کے لئے دور دراز کے اسفار کرتے اور مہینوں بلکہ سالوں سالوں گھر سے غائب رہتے

محبوب خدا ﷺ کی دلزبا دوائیں -----
 پیچھے گھروں میں خواتین باقی رہتیں، جو اپنے گھریلو امور خانہ داری سے فارغ ہو کر خود اپنے
 گھر میں گھر کی خواتین، یا اڑوس پڑوس کسی گھر میں جمع ہو جاتیں، قصہ گوئی ہوتی، تفریح طبع
 کے لئے نقل حکایات کا سلسلہ چلتا۔ اسی ضمن میں بے تکلف ہو جاتیں، تو سب کچھ اگل
 دیتیں اور خواتین کے اپنے مزاج کے مطابق بعض اپنے شوہر کی مدح و محبتیں، یا نفرتیں اور
 ان کی شکایات تک بیان کر دیا کرتیں۔ اس سے اپنے مجروح و غمزہ دلوں کے لئے تسکین کا
 سامان فراہم کرتیں اور وقت گزاری بھی ہو جاتی۔ حدیث ام زرع میں جن گیارہ خواتین کا
 ذکر ہے، وہ بھی اسی طرح کی ایک محفل جما کر بیٹھیں باہمی معاہدہ کیا اور اسے پختہ کر کے
 اپنے اپنے شوہر کی حقیقی تصویر ادبی پیرایوں میں بیان کی۔

وجہ تسمیہ :

اس حدیث کا نام حدیث ام زرع رکھا گیا ہے، جسے مسلم اور بخاری نے بھی نقل
 کیا ہے، چونکہ ان گیارہ خواتین میں سب سے لمبا اور واضح بیان ام زرع کا ہے، جس کا
 اصلی نام عائکہ بتایا جاتا ہے۔ نیز ام زرع کی نقل حکایات کے بعد حضور اقدس ﷺ نے
 سیدہ عائشہ سے فرمایا کنٹ لکب کلبی زرع لام زرع (میں تیرے لئے شفقت
 محبت میں) ایسا ہوں جیسے ابو زرع ام زرع کے لئے تھا) اس سے ام زرع کی فضیلت و
 اہمیت اور امتیاز بھی واضح ہو گیا، جو اب میں سیدہ عائشہ نے فرمایا، بابی و امی لانت
 خیر لى من ابى زرع لام زرع۔ (میرے ماں باپ آپ ﷺ پر قربان ہوں آپ تو
 میرے لئے بہت ہی خیر خواہ ہیں بہ نسبت ابو زرع کا ام زرع کے لئے)

یہ قصہ کہاں ہوا :

یہ قصہ کہاں پیش آیا؟ اور یہ عورتیں کہاں اور کس جگہ جمع ہوئیں تھیں؟ اس سلسلہ
 میں کوئی یقینی اور قطعی امر سامنے نہیں آیا۔ البتہ بعض شارحین حدیث نے کمزور روایات کا
 سہارا لے کر مقام اور جگہ کی تعیین کرنے کی کوشش کی ہے، مگر جمہور نے ان کی اس تحقیق پر
 اعتبار نہیں کیا۔ بعض محققین نے اسے یمن، بعض نے اسے مکہ المکرمہ اور حجاز کا واقعہ قرار دیا

ہے واللہ اعلم بالصواب۔ شیخ احمد عبدالجواد الدومنی فرماتے ہیں، کانت الاحلیٰ عشرة
امرأة من بعض قرى مكة أو اليمن۔ (اتحافات ص ۳۰۰)

باقی رہی یہ بات کہ ان گیارہ خواتین کے نام کیا تھے۔ اس سلسلہ میں بھی شارحین
نے اپنے طور پر تحقیق کر کے کچھ نام بتائے ہیں، مگر بات پھر وہی ہے، اس سلسلہ میں جن
روایات کا سہارا لیا گیا ہے، وہ کمزور ہیں، مگر چونکہ ان کے اسماء پر کوئی علمی مسئلہ موقوف
نہیں ہے اس لئے عام شارحین حدیث نے اسے توجہ بھی نہیں دی ہے و كأن المصنف لم
یثبت ذلك عنده فلنلك لم يتعرض لاسمائهن على انه لا يتعلق بذكر
اسمائهن غرض یحدث به ولنلك لم یسم ابا زرع ولا ابنته ولا جاریته ولا المرأة
التي تزوجها ولا الوالدین ولا الرجل تزوجته بعد ابي زرع۔ (مواہب ص ۱۸۷)
(علامہ بیجوری فرماتے ہیں چونکہ مصنف کے نزدیک ان کے اسماء کی تحقیق پایہ ثبوت کو
نہیں پہنچی اس لئے تو ان گیارہ عورتوں کے ناموں کا تذکرہ نہیں کیا اس کے علاوہ ان کے
اسماء کے معلوم کرنے میں کوئی خاص غرض بھی متعلق نہ تھی اس لئے تو مصنف نے نہ تو ابو
زرع کا نام اور نہ ان کی بیٹی اور کنیز کا اور نہ اس عورت کا جس کے ساتھ نکاح کیا تھا اور نہ
والدین کا اور نہ اس شخص جس سے ام زرع نے ابو زرع کے بعد نکاح کیا کے ناموں کا
تذکرہ کیا ہے)

عہد و عقد کا معنی و تشریح :

فتعاہدن لفظ عہد عربی زبان میں اور قرآن میں بھی عام استعمال ہوا
ہے۔ وَ أَوْفُوا بِالْعَهْدِ إِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُولًا (نبی اسرائیل: ۲۳) اپنے عہد کو پورا کرو، کیونکہ
عہد کے بارے میں پوچھا جائے گا۔ یہاں مراد یہ ہے کہ ان خواتین نے اپنے اوپر ایک عہد
لازم کر لیا ای الزمن انفسهن عهدًا۔ (مواہب ص ۱۸۷)

وتعاقدن : عطف تفسیری ہے بمعنی پھر اس عہد کو پختہ کر لیا، جیسا کہ قرآن میں
بھی عقد بمعنی پختگی کے آیا ہے۔ أَوْفُوا بِالْعُقُودِ (مائدہ: ۱) یعنی اپنے عہدوں کو پختہ کرو۔
ملا علی قاری فرماتے ہیں، ای عقدن علی الصلح من ضمائرهن (جمع ج ص ۶۰) (یعنی

انہوں نے اپنی دل کی بات کو سچ سچ بتلانے کا پختہ عہد کر لیا تھا)

ان لا یکتمن : یعنی ان خواتین نے اولاً باہمی معاہدہ کیا کہ وہ اپنے شوہروں کے اصلی صفات و حالات ٹھیک ٹھیک بیان کریں گی، پھر اس عہد کو پختہ کیا، علی ان لا یخفین شیئا من اخبار ازواجہن مدحا او ذمما بل یتظہرن ذلک و یصدقن (مواہب ص ۱۸۷) (اپنے خاوندوں کی مدح و ذم کی خبر دینے میں کسی چیز کو خفیہ نہیں رکھیں گی بلکہ سچ کہہ کر اس کا اظہار کر دیں گی)

پہلی خاتون کا بیان :

قالت الاولی حضرت ام المؤمنینؓ فرماتی ہیں کہ ان میں سے پہلی خاتون نے کہا، الاولی ای فی التکلم او التعداد (مناوی ج ۲ ص ۶۰) (یا تو بات کرنے میں پہلی تھی یا شمار کرنے میں) زوجی لحم جملغٹ میرا خاوند تو ایسا ہے جیسے لاغراونٹ کا گوشت ہو، لحم جمل زوجی کی خبر ہے یعنی ایک قباحت تو اس میں یہ ہے کہ وہ اونٹ کا گوشت ہے، جس میں لوگ پہلے سے کم رغبت کرتے ہیں، ای کلحم جمل فی الردائے (مواہب ص ۱۸۷) پھر اونٹ بھی ایسا جو غٹ (لاغر) ہے، جس میں کسی کی رغبت ہوتی ہی نہیں، گویا میرا شوہر بھی لاغراونٹ کے گوشت کی طرح مرغوب فیہ نہیں ہے۔ غٹ کا معنی شدید الہزال (مناوی ج ۲ ص ۶۰) (انتہائی کمزور) ہے اس کو اگر مجرور پڑھیں تو جمل کی صفت ہے، مرفوع پڑھیں تو لحم کی صفت ہے، مگر پہلی صورت راجح ہے۔ ملا علی قاریؒ نے مرفوع ہونے کی صورت میں دو احتمال اور بھی لکھے ہیں (۱) کہ یہ دوسری خبر ہو یا یہ مبتدا محذوف کے لئے خبر ہو۔ فرماتے ہیں و مرفوع علی انہ خبر بعد خبر او علی انہ خبر مبتدا محذوف ای ہو غٹ (جمع ج ۲ ص ۶۰) والمقصود منه المبالغة فی قلة نفعه والرغبة عنه و نفاذ الطبع منه . مطلب ظاہر ہے کہ اولاً تو وہ زوج اونٹ کا گوشت ہے، جو کسی کام کا نہیں، پھر وہ سوء خلق، زشت روئی کے پیش نظر اتنا بعید ہے کہ اس سے کچھ فائدہ حاصل ہوتا نہیں۔

علی رأس جبل و عرہ۔ وہی خاتون اپنے زوج کی مزید مذمت کرتے ہوئے کہتی ہے کہ وہ ناکارہ گوشت بھی پہاڑ کی چوٹی پر ہے، جو سہل الحصول نہیں، پھر پہاڑ بھی

وَعَرٍ لِّعَنِي سَخْتٌ دُشَوَارٌ كَذَارٌ هَيْ ، اِي غَلِيظٌ يَصْعَدُ الصُّعُودَ اِلَيْهِ وَيَعْسِرُ الْقُعُودَ عَلَيْهِ ، وَهَذَا كِتَابَةٌ عَنِ سُوءِ خَلْقِهِ وَكِبْرِهِ (اتحافات ص ۳۰) (اِيسَا سَخْتٌ وَدُشَوَارٌ كَهَ اس پَر چڑھنا اور بِيٹھنا مشكل هُو اور دراصل يِه اس كِي بَدَاخْلَاقِي اور مَتَكَبِّر هُونِ سَ كِنَا يِه هَے) پھر اس پر مزید يِه كِه لَا سَهْلٌ يِهَاں لَا بِمَعْنَى لَيْسَ كَے هَے، جِس كَا اسْمٌ مَحْذُوفٌ هَے، اِي لَا الْجَبَلُ سَهْلٌ (مناوی ج ۲ ص ۶۰) ملا علی قاری فرماتے ہیں بوقیل المعنی انه مع قلة خيره و كثرة كبره سيئ الخلق عظيم الخلق يعجز عنه كل احد في اظهار الحق (جمع ج ۲ ص ۶۰) اور بعض کہتے ہیں کہ اس کا مطلب يِه هَے كِه اس كِي خَيْرٌ وَبَهْلَاؤِي كِي قَلت اور مغرور ہونے كِي كَثرت كَے باوجود بے ڈھنگا موٹا پا اور بَدَاخْلَاقِ بھي هَے اور ہر ایک شخص اس كَے سامنے حق بات كَے اظہار كرنے سَے عاجز هَے) فير تقى رقى سَے هَے بمعنی اوپر كو چڑھنا اِي فيصعد اليه (جمع ج ۲ ص ۶۰)

وَلَا سَمِينٌ فَيَنْتَقِي 'وہ اونٹ بھی ایسا کہ اس میں چربی بھی نہیں' جس کا تناول بجائے صحت کے مضرت ہے۔ یہ لفظ تقی سے ماخوذ ہے، بمعنی کسی چیز کے چھانٹ لینے اور اختیار کرنے کے، یعنی اس گوشت میں کوئی عمدگی ہی نہیں کہ شدید مشقت کے ساتھ اس کو اختیار کیا جاسکے۔ بعض حضرات نے کہا کہ یہ لفظ نقی بمعنی گودا سے ماخوذ ہے۔ معنی یہ ہوگا کہ وہ گوشت ایسا ہے کہ اس کی ہڈیوں میں گودا ہی نہیں، جو لاغر اور حد درجہ بوسیدہ اور فرسودہ ہے۔ آخر جس میں گودا ہی نہ ہو وہ کیا گوشت ہو سکتا ہے۔

لاسہل و لاسمین کا اعراب :

اس میں تین اعراب پڑھے جاسکتے ہیں (۱) یادونوں مبنی علی الفتح ہوں۔ (۲) یادونوں مجرور اور صفت برائے جبل ہوں (۳) یادونوں مرفوع ہوں اور لا بمعنی لیس کے ہو 'ملا علی قاری' لکھتے ہیں کہ قال میرک لاسہل و لاسمین فیہما ثلاثۃ اوجہ البناء علی الفتح لانہ اسم لالنفی الجنس والجر علی انہ صفة جبل ای غیر سہل و لاسمین والرفع علی ان لا بمعنی لیس (جمع ج ۲ ص ۶۰)

بعض نسخوں میں فینتقل بھی آیا ہے، یعنی وہ گوشت اس قابل نہیں کہ اسے پہاڑ کی

محبوب خدا ﷺ کی دلربا دوائیں -----
 چوٹی سے لانے کی زحمت برداشت کر کے وہاں سے منتقل کیا جائے، ای بصیغۃ المجهول
 ای فیوخذ او یحمل بل یتروک لردائتہ فی ذلک المحل (جمع ج ۲ ص ۶۱) (شائل کے
 بعض نسخوں میں فینتقل بصیغۃ مضارع مجہول منقول ہے اور یہ معنی ہوں گے کہ نہ وہ موٹا
 ہے کہ اسے اٹھا کر لایا جائے بلکہ بوجہ ردی اور بے کار ہونے کے اسی جگہ چھوڑ دیا جاتا ہے)
 شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا فرماتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ وہ بے کار ہستی
 ہے، جس سے کسی کو جانی یا مالی نفع نہیں ہے، پھر اس کے باوجود متکبر اور بدخلق اس درجہ کا ہے
 کہ اس تک رسائی بھی مشکل ہے، نہ ملتے بن پڑے نہ چھوڑتے بن پڑے کسی مضرف کی دوا
 نہیں (خصائل ص ۲۰۰)

دوسری خاتون کا بیان :

قَالَتِ الثَّانِيَةُ زَوْجِي لَا أَبْتُ خَبْرَةَ إِنِّي أَخَافُ أَنْ لَا أَذْرَهُ إِنْ أَذْكَرَهُ أَذْكَرَ

عُجْرَةَ وَبُجْرَةَ۔

ترجمہ : دوسری عورت بولی (کہ میں اپنے خاوند کی بات کہوں تو کیا کہوں اس کے
 متعلق کچھ کہہ نہیں سکتی) مجھے یہ ڈر ہے کہ اگر اس کے عیوب شروع کروں تو پھر خاتمہ کا ذکر
 نہیں اگر کہوں تو ظاہری اور باطنی عیوب سب ہی کہوں۔

قالت الثانية..... الخ : پہلی عورت نے بیان ختم کیا، تو دوسری گویا ہوئیں، لا

ابث خبرہ: بٹ، بیٹ، پھیلانا اور ظاہر کرنا، بعض روایات میں لا اثیر کے الفاظ آئے

ہیں، دونوں کا معنی ایک ہے خبرہ بمعنی حالات کے ہے، یعنی کتمانِ حالات تو کرتی نہیں

کہ باہمی معاہدہ کی پابندی کرنی ہے۔ البتہ اشارات میں سب کچھ واضح کر دوں گی

والاشارة اشد من الصریح (اور اشارہ زیادہ سخت (اور کارگر) صریح کلام سے ہوتا ہے)

کیونکہ اگر صراحت کہا تو یہ خبر پھیل جائے گی اور میری خیر نہ ہوگی۔ فتخاف من ذکر خبرہ

ان يطلقها (مواہب ص ۱۸۸) (تو اس کی مکمل خبر دینے سے یہ خوف ہے کہ مجھے طلاق نہ

دیدے۔

حالات کے تفصیلی بیان سے انکار کی وجہ :

انسی اخاف : مجھے اندیشہ ہے کہ اگر میں اس کی قباحت و شاعت اور داستانِ ظلم و استکبار شروع کر دوں، تو اس کی برائیاں، مظالم اور قباحتیں اس قدر طویل ہیں، ان لا اذره، کہ میں ان کو درمیان میں چھوڑ نہ سکوں گی اور تم سنتے سنتے بھی تھک جاؤ گے۔ اذر اور وزردونوں کا معنی ایک ہے، یعنی چھوڑنا۔ یہاں پر لازماً اندہ ہے، جیسے کہ قرآن میں بھی آیا ہے ما منعک ان لاتسجد (اتحافات ص ۳۰۱) (کہ تجھے کس چیز نے منع کیا کہ تو سجدہ کر لیتا) یعنی اس کی اخبار عجیبہ اور قابلِ مذمت و لائقِ نفرین ہیں ایک بار بیان شروع کیا تو پورا کئے بغیر چھوڑ نہیں سکوں گی اذره میں ضمیر غائب کا مرجع اگر زوج قرار پائے تو معنی یہ ہے کہ میں اس کے حالات کا بیان نہیں چھوڑ سکوں گی اور اگر اس کے حالات بیان کئے تو طلاق ملے گی اور میرے وسائل نہیں، زندگی دو بھر ہو جائے گی اور اگر ضمیر غائب کا مرجع خبر قرار پائے تو معنی ہوگا کہ مکمل حالات بیان کئے بغیر اسے ادھورا اور نامکمل نہیں چھوڑ سکتی۔ ای لا اترکہ اولاً اترکہ خبرہ (جمع ج ۲ ص ۶۱)

ایک اشکال سے جواب :

اس پر یہ اشکال نہ کیا جائے کہ یہ عورت اجتماعی معاہدہ سے بد عہدی کر رہی ہے اور اپنے زوج کے حالات چھپا رہی ہے، جواب ظاہر ہے کہ اسے اپنے زوج سے بہت شکایات ہیں۔ اسے اس بات کا بھی اندیشہ ہے کہ اگر میں نے صاف صاف حالات بیان کر دیئے اور وہ خاوند تک پہنچ گئے تو وہ بد اخلاق ہے، طلاق دیدے گا، تو اس نے اس ایک جملہ میں اس کی پوری داستانِ حیات بیان کر دی کہ بد اخلاق، تند خو، سخت مزاج، درشت رویہ اور نادان و ظالم ہے کہ آخری اقدام تک کر ڈالنے کا فیصلہ بھی کر سکتا ہے۔ بل وقت علی ادق وجہ و اکملہ کما لایخفی علی اولئک الفصحاء البلغاء (مواہب: ۱۸۸) (بلکہ اس نے تو اپنے عہد و پیمان کو کامل اور دقیق طرز و طریقہ پر پورا کر دیا جیسے کہ یہ بات ایسے فصیح اور بلیغ لوگوں پر مخفی نہیں ہونی چاہئے)

محبوب خدا ﷺ کی درُ باادائیں -----
 شیخ احمد عبدالجواد الدوئی فرماتے ہیں ، وفی علم التفصیل 'تلمیح اقوی من
 التصریح . (اتحافات ص ۳۰۱) (اور تفصیل نہ کرنے میں ایسے اشارات ہیں جو تصریح کرنے
 سے بھی قوی ہیں)

علامہ عبدالرؤف مناویؒ نے بھی اشکال مذکور کے جواب کو اس انداز سے پیش کیا ہے کہ
 وهذه المرأة قد وفّت بما تعاهدت و تحالفت علیه من علم کتمان شئی من ذلك
 و شرحت ذلك على اوفى وجه و اكمله بلاغة كما لا يخفى على اولئك
 الفصحاء البلغاء و ان خفى على غيرهم (مناوی ج ۲ ص ۶۱) (اس دوسری عورت نے کسی چیز
 کو بھی خفیہ نہ رکھنے والے پختہ معاہدے اور حلف کی پاسداری کرتے ہوئے اسے پورا کیا
 اور پھر اس کی تشریح و توضیح کو اس نے جس فصیح و بلیغ اور کامل طریقہ سے بیان کیا وہ اگرچہ غیر
 فصیح لوگوں پر مخفی بھی ہو لیکن ان جیسے فصیح و بلیغ حضرات پر ہرگز مخفی نہیں)

عُجْرُ بَجْرٍ كى تَحْقِيق :

اذکر عجره و بجره : عجر 'عجوة' کی جمع ہے، بمعنی گردن کی رگوں کا
 پھول جانا عنفحة فی عروق العنق (اتحافات ص ۳۰۱) مراد حالاتِ ظاہری ہیں۔ اچھے ہوں یا
 برے، بعض نے اسے صرف ظاہری عیوب کے معنی میں لیا ہے اور بجر 'بجوة' کی جمع
 ہے، بمعنی ناف کا اوپر کواٹھنا ، عظم السرة (اتحافات ص ۳۰۱) گردن کی رگیں پھول
 جائیں یا ناف ابھر جائے، دونوں عیوب ہیں اور دونوں ساتھ ساتھ بولے جاتے ہیں۔
 وقد قال على كرم الله وجهه اشكو عجری و بجرى الى ربى اى همومى
 و احزانى (جمع ج ۲ ص ۶۱) (حضرت علیؑ فرماتے ہیں کہ میں اپنے پریشان کن افکار اور غموں
 کی شکایت صرف اپنے رب کریم کو کرتا ہوں) ظاہری عیوب اور باطنی عیوب دونوں مراد
 ہیں۔ والعجر و البجر عيوبه الظاهرة و الخفية (اتحافات ص ۳۰۱)

حاصل بیان :

ملا علی قاریؒ اس کا حاصل یوں لکھتے ہیں، و حاصل کلامها انها ترید ان تشکو

الی اللہ تعالیٰ امورہ کلہا مآظہر و مابطن منها (جمع ج ۶۱) (کہ وہ عورت یہ چاہتی ہے کہ میں اپنے ظاہری و باطنی سب امور کی شکایت صرف اللہ تعالیٰ کی ذاتِ اقدس کو کرتی ہوں)

تیسری خاتون کا بیان :

قَالَتِ الثَّالِثَةُ زَوْجِي الْعَشَقُّ اِنْ اَنْطَقَ اَطْلُقُ فَاِنْ اَسْكُتَ اُعْلَقُ۔

ترجمہ : تیسری عورت نے کہا کہ میرا خاوند لم ڈھینگ ہے یعنی بہت زیادہ لمبے قد کا آدمی ہے، اگر میں کبھی کسی بات میں بول پڑوں تو فوراً طلاق، اگر چپ رہوں تو ادھر میں لٹکی رہوں۔

قالت الثالثة : دوسری کے بعد معاہدہ کے مطابق تیسری خاتون نے اپنے زوج کے حالات بیان کرنا شروع کیئے۔ زوجی العشق : میرا خاوند لمبے قد والا بے ڈھنگا آدمی ہے۔ دراز قد، لاغر گویا بے وقوف ہے۔ عموماً مشہور یہی ہے کہ درازی قد بے وقوفی کی علامت ہوتی ہے۔

صاحب اتحافات بھی یہی لکھتے ہیں وهو الطویل الممتد ' مع نحافة و هذا يدل على السفه غالباً (اتحافات: ص ۳۰۱) وقد جمعت جميع العيوب في هذه اللفظة (مواہب: ۱۸۸) (اس تیسری عورت نے اپنے خاوند کے سب عیوب کو اسی ایک لفظ میں جمع کر دیا)

دو جملوں میں جمیع عیوب کا تذکرہ :

ان انطق اطلق اس کی قد کا ٹھ تو ہے، غیر متوازن و بد صورت اخلاق بھی اچھے نہیں، زشت رو اور جلد مشتعل ہو جاتا ہے، کوئی بات، کوئی مطالبہ، کوئی مشورہ دوں، تو فوراً اشتعال میں آ کر طلاق دینے سے بھی گریز نہیں کرتا اور اگر اس وقت میں اس کے عیوب گنوا لوں اور تفصیلات میں چلی جاؤں، تو یقیناً وہ اپنی بد اخلاقی کی وجہ سے مجھے طلاق دیدے گا اور

محبوب خدا ﷺ کی دلزباوا میں -----
مجھے یہ پسند نہیں کہ اس سے میری اولاد بھی ہے اور مجھے اس کا احتیاج بھی ہے یا مجھے اس سے
تعلق خاطر ہے۔ علامہ بیجوریؒ اس کی وضاحت ان الفاظ سے کرتے ہیں ای ان انطق
بعیوبہ تفصیلاً یطلق لسوء خلقہ ولا احب الطلاق لأولادی منه اول حاجتی
الیہ او لمحبتی ایاہ (مواہب ص ۱۸۸)

فان أسکت اعلق : اور اگر میں چپ رہتی ہوں، تو گویا لٹکی رہتی ہوں،
مطالبات نہ کروں، کوئی ضروریات نہ مانگوں، تو معلق رہتی ہوں، از خود تو اُسے امورِ خانہ
داری کی ذمہ داریوں کا شعور ہی نہیں یا اگر میں اس کے عیوب بیان کروں، تو پھر بھی میں
معلقہ خاتون کی طرح رہ جاتی ہوں۔ میری حالت نہ تو ان خواتین کی طرح ہے جو منکوحہ ہوتی
ہیں، اور جن کے شوہر ان کی ضروریات اور تقاضے پورے کرتے ہیں اور نہ ان خواتین کی
طرح آزاد ہوں جو مطلقہ ہوتی ہیں اور اپنی مرضی سے دوسری جگہ نکاح کر لیتی ہیں، یا میں
اپنے شوہر سے زبردست تعلق خاطر و محبت کے پیش نظر اس کے عشق و محبت میں معلق رہتی
ہوں۔ علامہ بیجوریؒ فرماتے ہیں کہ..... ای و ان سکت عن عیوبہ بصیرنی معلقة و
ھی المرأة التي لا هی مزوجة بزواج ینفع ولا مطلقه تتوقع ان تتزوج و یحتمل ان
المراد اعلق بحبہ فیکون من علامه الحب (مواہب ص ۱۸۸)

الغرض پہلی دونوں خواتین کی طرح اس تیسری خاتون نے بھی اپنے شوہر کی برائیاں
بڑے بلیغ انداز میں بیان کیں اور شدید مذمت کی۔ قال الزمخشری و هذا من الشکایة
البلیغة۔ (مناوی ج ۲ ص ۶۱)

امام زمخشریؒ فرماتے ہیں کہ اس عورت کی یہ شکایت بڑی بلیغ انداز میں ہے

چوتھی خاتون کا بیان :

قَالَتِ الرَّابِعَةُ زَوْجِي كَلِيلٌ يَهَامَةُ لَاحِرٌ وَلَا قَرٌّ وَلَا مَخَافَةَ وَلَا سَامَةَ۔

ترجمہ : چوتھی عورت نے کہا کہ میرا خاوند تھامہ کی رات کی طرح معتدل مزاج ہے، نہ

گرم ہے نہ ٹھنڈا نہ اُس سے کسی قسم کا خوف ہے نہ ملال۔

چوتھی خاتون جس کا نام مہد بنت ابی ہر وہ بتلایا جاتا ہے نے اپنے شوہر کی تعریف کی اور بتایا کہ وہ بہت اچھا آدمی ہے۔ معتدل مزاج ہے۔ زوجی کلیل تہامہ : تہامہ دامن کوہ کو کہتے ہیں، یعنی وہ جگہ جو بلندی کے نیچے واقع ہو، مکہ معظمہ بھی پہاڑیوں کے دامن میں واقع ہے۔ اس لئے اسے بھی تہامہ کہتے ہیں۔ اکثر شعراء تہامہ بول کر مراد مکہ معظمہ لیتے ہیں۔ وتہامہ : مكة و ماحولها من الاغرار ای البلاد المنخفضة و أما البلاد العالية فيقال لها نجد والمدينة لا تہامية و لا نجدية لانها فرق الغور و دون النجد (مواہب ص ۱۸۹) تہامہ سے مراد مکہ شریف اور اس کے ارد گرد ایسے مقامات مراد ہیں جو گہرائی میں واقع ہوں اور جو شہر بلندی پر واقع ہوں ان کو نجد کہتے ہیں اور مدینہ شریف نہ تو تہامیہ (گہرائی والا شہر) ہے اور نہ نجدیہ (بلندی والا شہر) ہے اس لئے کہ وہ گہرائی سے کچھ اونچا اور بہت بلندی سے کچھ نیچے اور گہرائی میں واقع ہے)

تہامہ سے گویا مکہ المکرمہ اور اس کے اطراف مراد ہیں۔ جہاں دن کے وقت شدید گرمی، مگر رات معتدل ہوتی ہے، ہوائیں چلتی ہیں تو طبیعت میں بے حد فرحت و نشاط پیدا ہوتا ہے، موسم خوشگوار اور معتدل ہوتا ہے۔

تو چوتھی خاتون اپنے شوہر کی پہلی صفت یہ بیان کرتی ہے، تہامہ کی رات کی طرح، میرا خاوند معتدل المزاج ہے، ای فی کمال الاعتدال و علم الأذى و سهولة امره۔ (مواہب ص ۱۸۸) اپنی اعتدالی کیفیت کی وجہ سے نہ وہ مجھے کوئی تکلیف دیتا ہے بلکہ سب امور آسانیاں مہیا کرتا ہے)

اعتدال مزاج کی ایک عمدہ تعبیر :

لاحر و لاقر اس کے اعراب تین طرح پڑھ سکتے ہیں (۱) (لا بمعنی عطف کے ہے اور ذومحذوف ہے، ای لا ذوحبر و لا ذوقبر (۲) لا بمعنی لیس اور غیر کے ہے اور یہ الفاظ مرفوع ہیں۔ ای لا حر و لاقر (۳) لانی جنس کے لئے ہے اور خبر محذوف ہے۔ ای لا حر فیہ و لاقر فیہ۔ خلاصہ یہ کہ اعراب جس طرح بھی پڑھے جائیں مراد ایک ہی ہے کہ میرے خاوند کے مزاج میں نہ گرمی ہے اور نہ سردی، بلکہ اعتدال ہے۔

محبوب خدا ﷺ کی دلربا ادائیں -----
 لا مخافة ولا سامة : مخافة ایسی چیز جس سے خوف کھایا جائے، یعنی
 اس میں بلا وجہ طیش میں آنے اور ناراض ہو جانے اور پھر اچانک ناراض ہو کر بہت کچھ کر
 گزرنے کا کوئی خوف اور اندیشہ نہیں ہے اور نہ اس میں سامۃ یعنی اکتاہٹ ہے کہ طبیعت
 اس کی کسی ادا سے گھن کرے یا نفرت پیدا ہو۔ ای و لا ملالة فی مصاحبتہ فیسام عنہ
 (جمع ج ۲ ص ۶۲) و هذا من ابلغ المدح لانها نفت عنه سائر الاسباب الاذی و اثبت له
 جميع انواع اللئنة فی عشرته (مناوی ج ۲ ص ۶۲) (اور یہ اس کی بڑے بلیغ انداز میں
 تعریف ہے کیونکہ اس نے اپنے خاوند سے تکلیف اور ناراض کر دینے کے جمیع اسباب کی نفی
 کر دی اور اس کے لئے برتاؤ اور معاشرت میں لذت اور سہولیات دینے کے کل ذرائع کا
 اثبات کر دیا)

پانچویں خاتون کا بیان :

قَالَتِ الْخَامِسَةُ زَوْجِيْ اِنْ دَخَلَ فِهْدٌ وَاِنْ خَرَجَ اَسِدٌ وَا لَا يَسْأَلُ عَمَّا عَهْدَ۔
 ترجمہ : پانچویں عورت کہنے لگی کہ میرا خاوند جب گھر میں آتا ہے تو چیتا بن جاتا ہے
 اور جب باہر جاتا ہے تو شیر بن جاتا ہے اور جو کچھ گھر میں ہوتا ہے اس کی تحقیقات نہیں کرتا۔
 قالت الخامسة ! یہ پانچویں خاتون جس کا نام کبشہ بتلایا جاتا ہے کا بیان
 ہے، جس میں مدح و ذم دونوں پہلوؤں کا احتمال ہے۔ وهذا كلام محتمل للمدح
 والذم (اتحافات ص ۳۰۱)

فهد کا معنی و تشریح :

زوجی ان دخل فهد جب میرے شوہر گھر میں آ جاتے ہیں تو وہ چیتے کی
 طرح ہوتے ہیں مشہور ہے کہ چیتا تین خصلتوں میں زیادہ مشہور ہے۔ کثرت نوم، کثرت
 جماع اور کثرت تغافل، گویا خاتونِ خامسہ یہ کہنا چاہتی ہے کہ میرے زوج میں بھی مذکورہ
 تینوں اوصاف موجود ہیں، گھر میں داخل ہوتے ہی خوابِ غفلت، کثرتِ جماع اور تغافل
 اس کی لاینفک ادائیں ہیں۔ نوم و تغافل ایسا کہ امورِ خانہ داری میں اس کی کوئی دلچسپی نہیں

ہوتی، کام سنوریں یا بگڑیں، اسے تو اپنی نیند ہی پوری کرنی ہے۔ ای اذہ دخل و ثب علیہا و ثب الفہد لارادۃ جماعہا او ضربہا او نام او تغافل عما یجب علیہا تعہدہ (مناوی ج ۲ ص ۶۲) جب بھی وہ گھر آتا ہے تو چیتے کی طرح میرے اوپر جماع یا مارنے کے ارادہ سے چھلانگ لگا دیتا ہے یا پھر سو جاتا ہے اور یا ضروری امور میں کوتاہی اور غفلت کا مظاہرہ کرتا ہے) اگر خاتون کی اس گفتگو سے مراد مدح ہو تو معنی یہ ہوگا کہ وہ گھریلو امور میں مداخلت نہیں کرتے جو چاہیں کھائیں، پکائیں، خریدیں، لے آئیں لیجائیں، ضائع کریں اسے تو اپنے کام ہی سے کام ہے۔ یہ اس کا کرم ہے، حلم ہے، حوصلہ ہے، تحمل ہے اور اگر مراد برائی ہو، ذم ہو تو پھر مراد تکاسل و تغافل اور خواب مدہوشی ہے کہ اسے تو اپنے آرام مدہوشی نیند اور جماع سے کام ہے، اسے گھریلو امور میں کوئی دلچسپی نہیں، کوئی مرے جیسے، بھوک ہو، افلاس ہو، ناداری ہو، بیماری ہو، اسے کیا پرواہ اسے تو خواب غفلت سے فرصت ہی نہیں۔ اسی کو علامہ مناوی نے ان الفاظ سے ذکر کیا ہے فان کان القصد المدح فالمراد التغافل عما اضاعته المرأة مما یجب علیہا تعہدہ کرماً و حلماً او الذم فالمراد النوم والتکاسل و عدم المبالاة بضبط امور اہل بیتہ (مناوی ج ۲ ص ۶۳)

لفظ اسد کا معنی و تشریح :

وان خرج اسد: اور جب گھر سے باہر نکلے تو شیر بن جاتا ہے، یعنی جب لوگوں میں جاتا ہے یا اسے جنگ سے واسطہ پڑتا ہے تو شیر کی طرح میدان مبارزت میں اترتا ہے۔ اس کلام میں دونوں احتمال ہیں، مدح ہو تو معنی شجاعت بہادری اور ہیبت و دبدبہ ہے اور اگر ذم مراد تو غضب و سفاہت کی طرف اشارہ ہے۔ یحتمل المدح بارادۃ شجاعته و مہابتہ والذم بارادۃ غضبه و سفہہ والاول بسیاقہا اقرب (مناوی ج ۲ ص ۶۳) پانچویں خاتون کے اپنے خاوند کے متعلق مدح اور ذم کا محتمل بیان اکثر روایات میں تو یہی مذکور ہے البتہ حاشیہ بخاری شریف میں ہے والا کثر شرحوہ علی المدح و وقع فی روایۃ الزبیر بن بکار مقلوباً انہ اذا دخل اسد و اذا خرج فہد فان صح فالمراد انہ اذا خرج الی الناس کان فی غایۃ الرزانۃ والوقار و حسن السمۃ و اذا دخل منزله

كان متفضلاً ومواسياً وزاد ولا يرفع اليوم لغد وهو يؤيد المدح كذا في التوشیح (حاشیہ بخاری ج ۲ ص ۷۷۹) (اکثر حضرات نے پانچویں خاتون کے کلام کی تشریح مدح سے کی ہے اور زبیر بن بکار کی روایت میں اس کے الفاظ مقلوب طرز (یعنی آگے پیچھے ہونے کی صورت) پر ہیں یعنی وہ عورت یہ کہتی ہے کہ انہ اذا دخل اسد واذا خرج فهد (جو پہلی عبارت کے برعکس ہیں) اگر یہ الفاظ صحیح ہوں تو پھر مطلب یہ ہے کہ وہ جب باہر لوگوں میں جاتا ہے تو راہ راست پر انتہائی سنجیدگی اور وقار سے ہوتا ہے اور جب گھر میں داخل ہوتا ہے تو بڑا مہربان اور غمخواری کا اظہار کرتا ہے اور اس روایت میں یہ زیادتی بھی ہے کہ وہ آج کے کام کل کے لئے نہیں چھوڑتے تو اس روایت کے الفاظ مدح ہونے کی تائید کرتے ہیں توشیح میں بھی اسی طرح ہے)

لفظ عہد کا معنی و تشریح :

ولا یسئل عما عہد اور وہ گھریلو معاملات میں کوئی باز پرس نہیں کرتا یعنی امور خانہ داری، کھانے پکانے، سودا سلف خریدنے، کپڑے اور زیورات اور خواتین کے تقاضوں اور ضرورتوں تک میں وہ مداخلت نہیں کرتے۔ بانہ کریم الطبع نزه الہمة حسن العشرة لین الجانب فی بیتہ لا یتفقدا ما فہب من مالہ و اثاثہ ولا یسئل عنہ لشرف نفسہ و سخاء قلبہ و قال بعضهم هذا یحتمل انہ اما تکرماً و اما تکاسلاً (مناوی ج ۲ ص ۶۳) (علامہ مناوی لکھتے ہیں کہ وہ اچھی طبیعت والے اور بلند ہمت اچھے برتاؤ اور گھر میں نرمی کا مظاہرہ کرنے والے ہیں اور اپنی قلبی سخاوت اور شرافت کے پیش نظر مال و متاع کے گم یا خراب ہونے پر سوال و جواب یا کسی قسم کی گرفت نہیں کیا کرتے۔

بعض حضرات نے کہا کہ اس کے خاوند کا یہ معاملہ رکھنا ہو سکتا ہے کہ عزت

و شرافت کی وجہ سے ہو یا پھر اس کی سستی اور کوتاہی کی وجہ سے ہو)

تاہم اس سلسلہ میں ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ پانچویں خاتون کے کلام کو مذمت

پر حمل کرنا قرین قیاس نہیں بلکہ فطرت سلیمہ اس سے ابا کرتی ہے۔ مع ان البناء علی حسن

الظن مہما امکن اولی (جمع ج ۲ ص ۶۳) (اس کو حسن ظن پر محمول کرنے کا جتنا ارکان ہو بہتر

چھٹی خاتون کا بیان :

قَالَتِ السَّادِسَةُ زَوْجِيْ اِنْ اَكَلَ لَفٌّ وَاِنْ شَرِبَ اشْتَفَّ وَاِنْ اضْطَجَعَ التَّفَّ
وَلَا يُوَلِّجُ الكَفَّ لِيَعْلَمَ البَتُّ -

ترجمہ : چھٹی عورت بولی کہ میرا خاوند اگر کھاتا ہے تو سب نمٹا دیتا ہے اور جب پیتا ہے تو سب چڑھا جاتا ہے، جب لیٹتا ہے، تو اکیلا ہی کپڑے میں لپٹ جاتا ہے، میری طرف ہاتھ بھی نہیں بڑھاتا جس سے میری پراگندگی معلوم ہو سکے۔

قالت السادسة : اس خاتون کے بیان میں بھی مدح و ذم دونوں پہلو نکل سکتے ہیں۔ تاہم اس کے کلام میں مذمت زیادہ نمایاں ہے۔ جیسا کہ پانچویں خاتون کی گفتگو میں مدح زیادہ محتمل تھی۔

ان اکل لف :

زوجی ان اکل لف ' لف کا معنی لپیٹنا، بہت کھانا، یعنی میرے زوج کے دسترخوان پر کھانے کی کثرت ہوتی ہے، کثرت سے کھاتا ہے کہ دسترخوان پر انواع و اقسام کے کھانے چنے جاتے ہیں۔ اب اگر اس سے مدح مراد لیں تو معنی وہی ہے جو اوپر نقل کر دیا ہے کہ اللہ پاک نے اسے وسیع دسترخوان اور ہمہ اصناف و اقسام طعام سے مالا مال کر دیا ہے۔ اس کے دسترخوان پر ایک کھانے پر اکتفا نہیں کیا جاتا، انہ یتنعم باکل صنوف الطعام ولا یکتفی بواحد (مناوی ج ۲ ص ۶۳) اور اگر ذم کا پہلو مراد لیا جائے تو معنی ہوگا کہ وہ بسیار خورہ ہے۔ دسترخوان پر بیٹھتا ہے تو سب کچھ ہڑپ کر جاتا ہے، نہ اسے بڑوں کا خیال رہتا ہے نہ چھوٹوں کی فکر رہتی ہے۔ اسے اپنا پیٹ بھرنے سے کام ہے۔ اہل و عیال بوکھے مرجائیں، سو مرجائیں، بس اس کا تو اپنا پیٹ تازہ رہے۔ انہ فی الاکل یمنع حق العیال و یاکل الطعام بالاستقلال (مناوی ج ۲ ص ۶۳) (وہ کھانے میں اہل عیال کے

حق کو منع کر کے سارا کھانا خود ہڑپ کر جاتا ہے) ای اکثر الطعام و خلط صنوفہ
 کا لانعام (جمع ج ۲ ص ۶۳) (اور کھانے کی مختلف اقسام کو چوپایوں کی طرح خلط ملط
 کرتے ہوئے کثرت سے کھاتا رہتا ہے) شیخ ابراہیم البجوری فرماتے ہیں والاقرب الی
 سیاقها ان مرادھا ذمہ بانہ ان اکل لم یبق شیئا للعیال و اکل الطعام بالاستقلال
 (مواہب ص ۱۸۹) (سیاق کلام سے یہ بات زیادہ قریب ہے کہ اس عورت کا ارادہ خاوند کی
 برائی اور مذمت ہو کہ جب وہ کھانا شروع کرتا ہے تو سب کھانے کو خود ہڑپ کر لیتا ہے اور
 اہل و عیال کے لئے کچھ بھی باقی نہیں چھوڑتا)

و ان شرب اشفت :

یعنی میرا زوج جب پینے پہ آتا ہے تو آخری قطرہ تک پی جاتا ہے الشفافة برتن
 میں رہ جانے والے پانی کے آخری قطرے کو کہتے ہیں والشفافة بقیة الماء فی قعر الاناء
 یقال لمن شربھا اشفھا (مناوی ج ۲ ص ۶۳) (شفافہ کا معنی برتن کے نچلے حصے کا بقیہ پانی
 جو کوئی اسے بھی پی لیتے ہیں تو اس کے متعلق کہا جاتا ہے فلان اشفھا) ملا علی قاری
 اسے بمعنی استیعاب کے لیتے ہیں کہ برتن میں پانی ہو یا دودھ آخری قطرہ تک پی لیا جائے
 ای استوعب جمیع ما فی الاناء من نحو اللبن و الماء (جمع ج ۲ ص ۶۳) (جو کچھ برتن
 میں دودھ یا پانی تھا سب کا سب پی لیا) اگر مدح مراد لیں تو معنی یہ ہوگا کہ جب پینے کا نمبر
 آتا ہے، تو اس کے دسترخوان پر پینے پلانے کی بھی جمیع انواع موجود ہوتی ہیں۔ پانی
 شربت دودھ اللہ نے اسے کثرت مال سے نوازا ہے، خرچ کرتا ہے، بخل اور کنجوسی سے کام
 نہیں لیتا۔ کل کیلئے ذخیرہ کی فکر نہیں کرتا کہ توکل ہے اور خدا کی ذات پر اعتماد ہے۔ علامہ
 مناوی فرماتے ہیں والمدح بان یراد شرب مع عیالہ الشراب کله لکرمہ ولا
 یترک منہ شیئا ولا یدخر لخشية املاق (مناوی ج ۲ ص ۶۳) اور اگر ذم مراد لیں تو
 معنی یہ ہوگا کہ جب پینے پہ آئے تو سب کچھ پی جائے، اہل و عیال دوست و احباب اور
 خدام کے لئے ایک قطرہ بھی نہ چھوڑے۔

جیسے علامہ بیجوری یہی بیان کرتے ہیں فان ارید بہ النعم و هو المتبادر من

کلامها فالمعنی 'انه يشرب الماء كله و لا يترك شيئاً لعیاله (مواہب ص ۱۹۰)

وان اضطجع التف :

وان اضطجع التف جب سوتا ہے تو تنہا کپڑے میں لپٹ جاتا ہے اور نہ میری طرف ہاتھ بڑھاتا ہے کہ میری بے چینی پریشانی اور اضطراب معلوم کرے۔ مدح مراد ہو تو معنی یہ ہوگا کہ وہ جھگڑوں سے علیحدہ رہتا ہے۔ دوسروں کی پھٹن میں ہاتھ نہیں ڈالتا یعنی دوسروں کے عیوب کی تفتیش نہیں کرتا اور خواہ مخواہ لوگوں کی کوتاہیوں کو تلاش نہیں کرتا پھرتا۔ اور اگر ذم مراد ہو اور ظاہر ہے کہ ذم کا معنی راجح ہے، تو معنی یہ ہوگا کہ وہ چادر اوڑھ کر گھر کے ایک کونے میں مجھ سے علیحدہ سو جاتا ہے اور اعراض کرتا ہے۔ ولا یاشرھا ولا یضاجعھا فلا نفع لزوجتہ منہ (مناوی ج ۲ ص ۶۳) (اور نہ اپنی بیوی کے ساتھ سوتا ہے اور نہ مجامعت کرتا ہے تو اس کی بیوی کو اس سے کوئی فائدہ نہیں ہے) ولا یولج الخ : لفظی معنی و تشریح تو بیان ہو چکی، ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ گویا اسے اپنی اہلیہ سے حد درجہ نفور ہے کہ گھر آ جائے تو اسے اپنی اہلیہ کا کوئی فکر و غم نہیں ہوتا، وہ بیمار ہو، اسے زخم ہو، کوئی درد و تکلیف ہو یا کوئی پریشانی یہ اس کے قریب آنے اور چھونے تک کار و ادار نہیں ہے۔ محشی بخاری نے فرمایا ' حاصلہ انہ اکول و مع ذلک لیس بفحول (حاشیہ بخاری ج ۲ ص ۷۸۰) (خلاصہ یہ کہ وہ بڑا پیٹو ہے اور اس کے باوجود کوئی نر اور جوان مرد نہیں ہے)

و تكون هذه المرأة قد و صفت زوجها بالشره الشديد و التفريط فی جمیع حقوقها فلا تنفع منه لا من قریب ولا من بعید (اتحافات ص ۳۰۱) (تو اس عورت نے اپنے خاوند کو سخت حریص اور لالچی ہونے کے باوصف تمام حقوق میں تفریط کا مرتکب ظاہر کیا ہے نہ تو اس میں کوئی قریبی رشتہ دار اور نہ اجنبی اور بعید لوگ کوئی نفع اٹھا سکتے ہیں)

ساتویں خاتون کا بیان :

قَالَتِ السَّابِعَةُ زَوْجِي عَيَاءٌ أَوْ غَيَاءٌ طَبَاقًا كُلُّ دَاءٍ لَهُ دَاءٌ شَجَكٍ أَوْ

فَلِكِ أَوْ جَمَعَ كَلَالِكِ۔

ترجمہ : ساتویں عورت نے کہا کہ میرا خاوند صحبت سے عاجز نامرد اور اتنا بے وقوف کہ بات بھی نہیں کر سکتا۔ دنیا میں جو کوئی بیماری ہوگی، وہ اس میں موجود ہے۔ اخلاق ایسے کہ میرا سر پھوڑ دے یا بدن زخمی کر دے یا دونوں ہی کر گزرے۔

قالت السابعة زوجی عیایاء او غیایاء۔ ساتویں خاتون (جس کا نام ہند ہے) کا تمام بیان اپنے شوہر کی مذمت میں ہے اور مذمت بھی کی ایسی کہ اس میں کوئی خیر کا پہلو ہے ہی نہیں۔

عیایاء کا معنی :

عیایاء 'علم يعلم کے باب سے ہے بمعنی در ماندگی، لا چاری، گونگا پن اور اپنے اظہار مافی الضمیر میں معذوری کو کہتے ہیں، نامردی اور عورت کی خواہش کی تکمیل میں عاجز رہ جانے پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے۔

شیخ احمد عبدالجواد الدومی لکھتے ہیں، هو من الابل الذی تعب و اصح هنیلاً و ترید بذلک أنه عنین لا یقدر علی الجماع او العاجز عن تدبیر امره (اتحافات ص ۳۰۲) (عیایاء اونٹوں میں اس اونٹ کو جو تھکا ماندہ اور کمزور ہو گیا ہو یہاں اس عورت کا مقصد یہ تھا کہ اس کا خاوند نامرد ہے جماع کرنے پر قادر نہیں اور یا یہ مطلب کہ وہ اپنے امور (کاموں وغیرہ) کے سوچنے سمجھنے سے عاجز ہے)

غیایاء کا معنی :

لفظ او راوی کے شک کے لئے ہے یا تعبیر میں تخریر کے لئے ہے یا بمعنی بل کے ہے، و او للشک من الراوی و یحتمل انها للتخیر فی التعبير او انها بمعنی بل (مواہب: ۱۹۰) غیایاء کا اصل مادہ غیّ ہے بمعنی ضلالت و گمراہی کے ای ذوغی و هو الضلالة او الخیبة او ذو غیابة وھی الظلمة (مواہب: ۱۹۰) مطلب واضح ہے کہ میرا شوہر ہر کام میں خائب و خاسر نامراد و نا کام ہے۔ اس کی سوجھ بوجھ ہی ایسی ہے

کہ بے عقلی چھلک پڑتی ہے۔ معناه لا یھتدی الی مسلک (جمع ج ۲ ص ۶۲) (کسی راستہ رہنمائی نہیں پاتا)

طباقاء کے مختلف معانی :

طباقاء : اس کے متعدد معانی منقول ہیں، بمعنی احمق و بے وقوف کے، جس پر معاملات اور دنیوی امور کے تمام راستے بند ہو جائیں اور وہ کامیابی کا کوئی راستہ نہ پائے، الاحمق الذی تنطبق علیہ الامور فلا یعرف منخرجاً لها ولا مدخلاً (اتحادات: ۳۰۲) دوسرا معنی یہ کیا گیا ہے کہ طباقاء اس شخص کو کہتے ہیں جو کلام سے عاجز ہو اور گفتگو کے وقت اس کے دونوں ہونٹ منطبق ہو جائیں..... هو الذی یعجز عن الکلام فتطبق شفٹاہ کذا فی النہایۃ (جمع ج ۲ ص ۶۲) (۳) تیسرا معنی یہ بھی نقل ہوا ہے کہ مباشرت کے وقت اپنا سارا جسم عورت پر ڈال دے، جو بظاہر عورت کے لئے ایذا ہے اور ظاہر ہے کہ یہ عجز عن الجماع بھی ہے اور ناپسندیدہ حرکت بھی۔ عاجز عن الجماع أو یطبق علی المرأة اذا علاها بصلبره لثقله فلیس لها منه الا الایذاء والتعلیب (مناوی ج ۲ ص ۶۲)

الغرض وہ بتانا چاہتی ہے کہ میرے زوج میں کوئی پہلو بھی خیر کا نہیں، جس چیز میں بھی اقدام کرتا ہے، نامراد لوٹتا ہے۔ گویا اَیْنَمَا یُوَجِّهُهُ لَآیَاتٍ بِخَیْرِ (النحل: ۷۶) (مالک اسے جس طرف بھی بھیجتا ہے، وہ کوئی اچھی خبر نہیں لاتا) کا صحیح مصداق ہے۔

مجمع الامراض :

کل داء له داء، ہر بیماری اس میں کامل طور پر موجود ہے۔ لفظ کل جب نکرہ پر داخل ہو، تو احاطہ افراد کے لئے آتا ہے اور جب معرفہ پر داخل ہو تو احاطہ اجزاء کے لئے آتا ہے، تو یہاں گویا استغراق ادعائی ہے، کل داء کے بعد فی الناس مقدر ہے، یعنی لوگوں کی تمام بیماریاں اس میں موجود ہیں۔ ای جمیع الادواء موجودة فیہ بلا دواء فیہ سائر النقائص۔ (جمع ج ۲ ص ۶۲) و الحاصل انه اجتمع فیہ سائر العیوب والمصائب (مناوی ج ۲ ص ۶۲) (خلاصہ یہ ہوا کہ وہ لا دواء ہے اور اس میں سب عیوب اور مصیبتیں بھی جمع

(ہیں)

شجک کی وضاحت :

شجک : نصر کے باب سے ہے بمعنی سر میں ضرب لگانے کے، خطاب اپنے نفس سے ہے، او المراد به خطاب العام (جمع ج ۲ ص ۶۴) (یا اس سے عام خطاب ہے) والمراد انه يجرح عند الضرب و يؤذى - (اتحافات ص ۳۰۲) (اور اس سے مراد یہ کہ وہ مارتے وقت سخت ایذائیں دے کر زخمی کر لیتا ہے)

فلک کا مطلب :

او فلک: فلّ توڑنے کے معنی میں بھی آتا ہے۔ گھر سے باہر نکالنے، دور پھینکنے اور مکمل اعراض کرنے کے معنی میں بھی آتا ہے۔ ای ضرباً یکسر العظم او یطردک من البیت - (اتحافات ص ۳۰۲) او جمع کلاً لک یا یہ دونوں کام کر دے مار مار کر زخمی کر دے اور مستزاد اس پر یہ کہ ہڈیاں بھی توڑ دے اور پھر آخر میں گھر سے باہر پھینک دے۔

خلاصہ یہ کہ یہ عورت بتانا چاہتی ہے کہ اس کا زوج قبیح ترین اوصاف سے متصف ہے۔ - وهذه المرأة تصف زوجها باقبح الاوصاف و تنعته بأسوأ النعوت فهو احمق و سئى العشرة، و ضروب..... الخ (اتحافات ص ۳۰۳)

اور یہ عورت اپنے خاوند کا قبیح ترین اوصاف سے تذکرہ کرتی ہے کہ وہ احمق بے وقوف بدترین برتاؤ والا اور بہت ہی مارنے والا ہے۔

آٹھویں خاتون کا بیان :

قَالَتِ الثَّامِنَةُ زَوْجِي الْمَسُّ مَسُّ أَرْنَبٍ وَالرَّيْحُ رِيْحُ فَرْنَبٍ -

ترجمہ : آٹھویں عورت نے کہا کہ میرا خاوند چھونے میں خرگوش کی طرح نرم ہے اور

خوشبو میں زعفران کی طرح مہکتا ہوا ہے۔

آٹھویں خاتون جس کا نام نائثرہ بنت اوس بتایا جاتا ہے اور بعض نے عمرہ بنت عمرو بتایا ہے، اپنے شوہر کی مکمل تعریف کرتی ہے، جبکہ ساتویں خاتون نے مکمل تقبیح اور مذمت بیان کی تھی۔ کہتی ہیں زوجی المس مس ارنب: میرے زوج کو چھونا گویا خرگوش کی طرح نرم، ملائم، نازک اور حد درجہ پیارے جسم کو چھونا ہے، گویا وہ سخت طبیعت، تند خو اور بد مزاج نہیں، اس کی طبیعت میں نرمی اور ملاطفت ہے، جسمانی اور روحانی دونوں لذتوں کا مرکب ہے۔ بدن ملائم ہے کہ چھونے اور لپٹنے کو جی چاہے۔ مزاج میں بھی نرمی والفت ہے کہ جی بھر کر پیار لینے کو موقع دیتا ہے۔ ای کمس الارنب فی اللین و النعومة (جمع ج ۲ ص ۶۲) و یحتمل ان المراد کریم الجانب لین العریکہ و الخلق و حسن العشرة (مناوی ج ۲ ص ۶۳) (اور یہ احتمال بھی ہے کہ اس سے مراد کہ وہ عمدہ شریف پہلو والا نرم طبیعت اور اخلاق والا اور اچھے برتاؤ کرنے والا تھا) و الریح ریح زرنب: زرنب زعفران یا اس طرح کوئی خوشبودار بوٹی ہے، نوع من النبات طیب الرائحة و قیل زعفران (جمع ج ۲ ص ۶۳) روحانی اور جسمانی ملاطفت کے ساتھ اس کی ایک خوبی یہ ہے کہ اس کا جسم خوشبوؤں میں مہکتا ہے۔

شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کا ارشاد :

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا فرماتے ہیں کہ بعض روایات میں اس کے بیان میں ایک جملہ اور بھی ہے، جس کا ترجمہ ہے کہ میں اس پر غالب رہتی ہوں اور وہ لوگوں پر غالب رہتا ہے، یعنی میرا غالب رہنا اسی کے عاجز و ناکارہ ہونے کی وجہ سے نہیں ہے، اس لئے کہ وہ سب پر غالب رہتا ہے، بلکہ میری محبت یا اس کی شرافت کی وجہ سے میں غالب رہتی ہوں (خصائل: ۲۰۳) التوشیح کے حوالہ سے محشی بخاری نے اس کی یہ وضاحت کی ہے، زاد النسائی و انا اغلبه و الناس یغلب ، فوصفته مع جمیل عشرته لها و صبره علیها بالشجاعة (حاشیہ بخاری ج ۲ ص ۷۸۰)

محبوبِ خدا ﷺ کی دلربا ادائیں -----
 (امام نسائیؒ نے یہ زیادتی ذکر کی ہے کہ میں اس پر غالب رہتی ہوں اور وہ لوگوں پر غالب رہتا ہے تو گویا اس نے اپنے خاوند کو اچھے برتاؤ رکھنے کے ساتھ موصوف بھی کیا اور یہ کہ میری زیادتیوں اور کوتاہیوں پر تو صبر سے کام لیتا ہے لیکن دوسرے لوگوں کے مقابلہ میں بڑا بہادر ہے)

شیخ احمد عبدالجواد الدومیؒ فرماتے ہیں ، و تصف هذه المرأة زوجها بالنعومة في الجسم ولين البشرة وطيب الرائحة و لعلها تكني بذلك عن حسن الخلق (اتحافات: ۳۰۲) اور یہ آٹھویں خاتون اپنے خاوند کو نرم و نازک ، ملائم اور خوشبوؤں سے مہکتا ہوا جسم والا ثابت کر رہی ہے اور شاید کہ وہ عورت اس کے ذریعہ کنایہ اس کے حسن اخلاق اور اچھے برتاؤ کا ذکر کر رہی ہے)

نویں خاتون کا بیان :

قَالَتِ التَّاسِعَةُ زَوْجِي رَفِيعُ الْعِمَادِ عَظِيمُ الرِّمَادِ طَوِيلُ النَّجَادِ قَرِيبُ الْبَيْتِ مِنَ النَّادِ
 ترجمہ : نویں عورت نے کہا کہ میرا خاوند رفیع الشان بڑا مہمان نواز اونچے مکان والا بڑی راکھ والا ہے ، دراز قد والا ہے ، اس کا مکان مجلس اور دار المشورہ کے قریب ہے۔
 اس خاتون نے (جس کا نام کبشہ تھا) بھی مختصر مگر جامع انداز میں اپنے شوہر کی تعریف کی اور چار جملوں میں اس کی چار خصلتیں بیان کی ہیں۔

پہلی خصلت :

زوجی رفیع العماد : عماد بانس کو اور ستون کو کہتے ہیں۔ بانسوں پر خیمے اور ستونوں پر گھروں کا اور محلات کا مدار ہوتا ہے۔ اذا لعماد فی الاصل عمد تقوم علیہا الأبنیة او الأبنیة الرفیعة (مواہب ص ۱۹۰) نویں خاتون کہنا یہ چاہتی ہے (۱) کہ میرے زوج کے خیمہ کے بانس یا محل کے ستون اونچے ہیں۔ بانس اور ستون اونچے ہوں گے تو خیمہ اور محل بھی رفیع ہوگا ، بلندی والا ہوگا جو آسودہ حالی اور فراغ البالی سے کنایہ ہے اگر یہ حقیقت

میں بھی واقعتاً بڑی عمارت ہے تو مراد وسعتِ رزق، کثرتِ اسباب اور مالداری کی طرف اشارہ ہے، کیونکہ اونچے محل وہی لوگ تیار کر سکتے ہیں جو مالدار ہوتے ہیں

(۲) اور یہ بھی ممکن ہے کہ مطلب یہ ہو کہ اس کا مکان بلندی اور اونچائی پر واقع ہے، تب بھی درست ہے کیونکہ عربوں میں سخی اور کریم لوگ اپنا مکان بلند جگہ پر بناتے تھے تاکہ راہ گذر مسافر اور پردیسی و پریشان حال لوگ دور سے مکان کو دیکھ کر بے تکلف چلے آئیں اور صاحبِ مکان کو ان کی خدمت کرنے، کھلانے اور سلانے کا موقع ملے، تو ظاہر ہے، اس صورت میں وہ خاتون رفیع العمد کہہ کر اس کی شرافت اور عظمتِ سخاوت کو بیان کرنا چاہتی ہے۔

ملا علی قاری فرماتے ہیں، فالمعنی ان ابنیته رفیعة و ارتفاعها اما باعتبار ذاتها حقیقة و اما باعتبار شهرتها مجازا او بارتفاع موضعها بان بنی بیوتها فی المواضع المرتفعة لیصلها الاضیاف و ارباب الحاجة (جمع ج ۲ ص ۶۵)

(۳) بعض حضرات نے یہ معنی بھی بیان کیا ہے کہ اونچا مکان شرافت اور عظمتِ حسب و نسب سے کنایہ ہے، گویا میرا خاوند خاندانی نسبت اور وجاہت کے لحاظ سے بھی رفعتِ مقام پر ہے، ای رفیع الذکر عالی الحسب والنسب (اتحافات ص ۳۰۲)

دوسری خصلت :

عظیم الرماد : میرے شوہر کی دوسری خصلت یہ ہے کہ بڑی راکھ والا ہے۔ رماد، راکھ کو کہتے ہیں۔ اس کی جمع ارمہ آتی ہے۔ عظیم کا معنی کثیر اور زیادہ۔ ظاہر ہے کہ راکھ تب زیادہ بنے گی جب لکڑی زیادہ جلے گی، گویا میرے شوہر کے ہاں کثرت سے لکڑی جلتی اور راکھ بنتی ہے، دن کو مہمانوں کے لئے کھانا پکانے میں اور رات کو بھی کھانے پکانے اور مہمانوں کو اپنے گھر کا راستہ دکھانے میں کہ مہمان آگ کی روشنی دیکھ کر اس طرف رخ کریں گے۔ یہ شوہر کی کثرتِ سخا سے کنایہ ہے۔

شیخ احمد عبد الجواد لکھتے ہیں، وهو کنایة عن كثرة الضيفان، وبسطة اليد، لان كثرة الرماد تستلزم كثرة الوقود، وهي تستلزم كثرة الخبز والطبخ وهي تستلزم

محبوب خدا ﷺ کی درُ باادائیں
 کثرة الضیفان الأکلین، وهذا شأن الكرماء (اتحافات: ص ۳۰۲)

تیسری خصلت :

طویل النجاد : نجاد تلوار کے پرتلہ کو کہتے ہیں۔ ظاہر ہے جس کی تلوار کا پرتلہ طویل ہوگا اس کی تلوار بھی لمبی ہوگی۔ عربی محاورہ میں طویل القامت ہونے سے کنایہ ہے۔ ہی حمائل السیف و ہی کنایة عن طول القامة (اتحافات ص ۳۰۲) جو اس کی بہادری، امور حرب و جہاد پر دسترس اور اپنے احکام و عزائم پر کمال قدرت و تنفیذ اور شجاعت و سخاوت پر بھی دلالت کرتا ہے۔

جیسے ملا علی قاری فرماتے ہیں و يمكن ان يكون كناية عن سعة حكمه على اتباعه و اشياعه كما يقال سيف السلطان طويل اي يصل حكمه الى اقصى ملكه و ايضا فيه ايماء الى شجاعته المستلزمة غالباً لسخاوتہ (جمع ج ۲ ص ۶۵)

چوتھی خصلت :

قريب البيت من الناد، الناد، مجلس مشاورت کو کہتے ہیں۔ اسی سے دار الندوة آیا ہے۔ ای مجلس القوم و متحدتهم (جمع ج ۲ ص ۶۵) اصل میں النادی ہے۔ ی سجع کلام کے لئے حذف ہوئی ہے۔ ای الموضوع الذي يجتمع فيه وجوه القوم للتشاور و التحدث (مناوی ج ۲ ص ۶۵) میرے شوہر کا گھر مجلس القوم (ٹاؤن ہال، اسمبلی ہال، لیبر ہال اور تکیہ گاہ وغیرہ) کے قریب ہے کیونکہ وہ آسودہ حال بھی ہے۔ جذبہ خدمت سے سرشار بھی، سردار بھی ہے اور عظمت حیثیت کا مالک بھی۔ اسے سرداری بھی حاصل ہے اور مقام سخاوت بھی وہ خود بھی رئیس ہے اور رؤسائے قوم کا میزبان بھی۔ و انما قرب بيته من النادی ليعلم الناس مكانه و مكانته (جمع ج ۲ ص ۶۵) (اور میرے شوہر کا گھر مجلس القوم کے اس لئے قریب ہے کہ لوگوں کو اس کے مکان اور اس کی شان و مرتبہ سے آگاہی ہو) و قرب البيت كناية عن السؤدد والمجد و هذه اوصاف مملوحة (اتحافات ص ۳۰۲) (اور گھر کا قریب ہونا یہ سرداری اور بلندی شان سے کنایہ ہے اور یہ سب

دسویں خاتون کا بیان :

قَالَتِ الْعَاشِرَةُ زَوْجِي مَالِكٌ وَمَا مَالِكٌ مَالِكٌ خَيْرٌ مِنْ ذَلِكَ لَهُ ابْنٌ
 كَثِيرَاتُ الْمُبَارِكِ قَلِيلَاتُ الْمَسَارِحِ إِذَا سَمِعْنَ صَوْتِ الْمِزْهَرِ أَيَقْنَنَّ أَنَّهُنَّ هُوَ الْمَالِكُ
 ترجمہ: دسویں عورت نے کہا کہ میرا خاوند مالک ہے، مالک کا کیا حال بیان کروں، وہ ان
 سب سے جواب تک کسی نے تعریف کی ہے یا ان سب تعریفوں سے جو میں بیان کروں گی
 بہت ہی زیادہ قابل تعریف ہے، اس کے اونٹ بکثرت ہیں، جو اکثر مکان کے قریب
 بٹھائے جاتے ہیں، چراگاہ میں چرنے کے لئے کم جاتے ہیں، وہ اونٹ جب باجہ کی آواز
 سنتے ہیں تو سمجھ لیتے ہیں کہ اب ہلاکت کا وقت آ گیا۔

زوجی مالک میرے شوہر کا نام مالک ہے۔ فما مالک اور میں کیسے بیان
 کروں کہ مالک کیا ہے۔ یہ استفہام تعظیم و تفخیم ہے، گویا کہنا چاہتی ہیں کہ مالک ایک عظیم
 انسان ہے۔ اس کی عظمت شان کے پیش نظر الفاظ میں اس کی تعریف بھی نہیں کی جاسکتی۔
 وهو استفہام تعظیم و تفخیم (مواہب ص ۱۹۱) علامہ ملا علی قاری فرماتے ہیں فما مالک
 هذا تعجب من امره و شانہ و تعجيز عن كنه بيانه كقوله تعالى الحاقة ما الحاقة
 فالاستفهام للتعظيم و التعجب و التفخيم (جمع ج ۲ ص ۶۵) (مالک کیا ہے یہ گویا اس کی
 شان و مرتبہ سے تعجب و حیرانگی ہے اور اس کے بیان حقیقت سے عاجزی کا اظہار ہے جیسے
 الحاقة ما الحاقة میں بھی استفہام اس کی عظمت تعظیم شان اور تعجب کے لئے ہے) اسی
 طرح قرآن مجید میں اس کی ایک اور نظیر بھی موجود ہے القارعة ۵ ما القارعة ۵ و ما ادرك
 ما القارعة

مالک خیر من ذلك، ذلك اسم اشارہ یا تو ساتھ والی مذکورہ قریبہ خاتون کی
 طرف اشارہ ہے یا پھر سابقہ تمام خواتین مذکورات کی طرف اشارہ ہے، یعنی میرا شوہر سابقہ
 مذکورہ خاتون کے خاوند سے یا تمام خواتین کے شوہروں سے بہتر ہے انہ خطاب

محبوب خدا ﷺ کی دلربا دائیں -----
 لاحداهن من المجاورات اولجنسهن من المخاطبات ای زوجی مالک خیر
 من زوج التاسعة او من جميع النساء السابقة (جمع ج ۲ ص ۶۵)

کثرتِ مال کی عمدہ تعبیر :

لہ ابل..... مبارک، مبارک کی جمع ہے، اسمِ ظرف، بمعنی اونٹوں کے بیٹھنے کی جگہیں، یا اونٹوں کے بیٹھنے کے زمانے، یا مصدر میمی ہے بمعنی البروک کے جمع المبارک و هو محل بروک البعیر أو زمانه او مصدر میمی بمعنی البروک (جمع ج ۲ ص ۶۶)

دسویں خاتون یہ کہنا چاہتی ہے کہ میرا شوہر مالدار بھی ہے۔ اس زمانے میں بہترین مال اونٹ تھے، وہ اس کے پاس کثیر ہیں، مالداروں کے ساتھ ساتھ اس میں سخاوت و خدمتِ خلق کا جذبہ ہے، اس لئے گھر کے قریب اونٹوں کے بٹھانے کی جگہیں بہت ہیں، بجائے چراگاہ میں بھیجنے کے وہ قریب رکھتے ہیں تاکہ مہمان آئیں تو ان کی ضیافت کے لئے چراگاہ جانے اور وہاں سے اونٹ لانے کے بجائے قریب سے بہ سہولت اونٹ اٹھا کر ضیافت میں فوری ذبح کر دیا جائے اور دودھ دوہ کر فوراً پیش کیا جاسکے۔

قلیلات المسارح، المسارح، کا مفرد مسرح ہے، وہو اما مصدر او اسم زمان او مکان (جمع ج ۲ ص ۶۶) مسرحت الماشیة سے ماخوذ ہے بمعنی چرانے کے قرآن میں بھی یہ لفظ اس معنی میں استعمال ہوا ہے، ولکم فیہا جمال حین تریحون و حین تسرحون (النحل: ۶)

(تمہارے لئے ان چوپایوں میں حسن و جمال ہے جس وقت کہ شام کو چرا کر لاتے ہو اور جب چرانے کو نکالتے ہو) یہ ماقبل کی تاکید ہے۔ مقصد یہ ہے کہ باوجود کثرت کے وہ دن کو جنگلوں میں نہیں چرائے جاتے اور کسی وقت بھی گھر کے قریب سے دور نہیں بھیجے جاتے یا معنی یہ ہے کہ دور کی چراگاہوں میں صرف تھوڑے سے وقت کے لئے بقدرِ ضرورت بھیجے جاتے ہیں۔ اکثر اوقات وہ گھر کے قریب ٹھہرائے جاتے ہیں، تاکہ اگر مہمان تشریف لائیں تو فوراً دودھ اور گوشت سے ان کی تواضع کی جاسکے ملا علی قاری فرماتے ہیں حتیٰ اذا نزل ضیف یقریہ من البانہا و لحومہا (جمع ج ۲ ص ۶۶)

کمال سخاوت کی عمدہ تعبیر :

اذا سمعن یعنی صرف یہ نہیں کہ میرے شوہر مالدار ہیں اور صاحبِ جوہ و سخا ہیں ، بلکہ ہمارے اونٹ بھی اس کے عادی ہیں ، وہ جوں ہی مہمانوں کی آمد پر ان کے لئے بجائے جانے والے استقبالی باجے اور ساز و رباب کی آواز سنتے ہیں تو انہیں یقین ہو جاتا ہے کہ ان میں کسی ایک کی ذبیحہ و ہلاکت کی باری قریب ہے ، ملا علی قاریؒ آئندہ عبارت میں یہی ذکر کرتے ہیں یعنی انه من کرمه وجوده عود ابله بانہ اذا نزل الاضياف به ان ياتيهم بالمعازف كالرباب و يسقيهم الشراب و يعطهمم الكباب فاذا سمعت الابل ذلك الصوت من الباب علمت انهن منحورات بلا حساب (جمع ج ۲ ص ۶۶) مزہر باجے کو کہتے ہیں جو هو العود الذي يضرب عليه عند الغناء (اتحافات: ۲۰۳) جو باجا ہاتھ سے بجایا جائے اسے مز مار اور جو لکڑی سے بجایا جائے ، اسے مزہر کہتے ہیں اس کی جمع مزاہیر آتی ہے۔

گیارہویں خاتون کا بیان :

قَالَتِ الْحَادِيَةُ عَشْرَةَ زَوْجِي أَبُو زُرْعٍ وَ مَا أَبُو زُرْعٍ أَنَا مِنْ حُلِيِّ أُذُنِي وَ مَلَأَ مِنْ شَحْمِ عَضُدِي وَ بَجَحَنِي فَبَجَحْتُ إِلَى نَفْسِي وَ جَدَنِي فِي أَهْلِ غَنِيمَةِ بِشَقِّ فَجَعَلَنِي فِي أَهْلِ صَهِيلٍ وَ أَطِيطُ وَ دَائِسٍ وَ مُنَقِّ فَعِنْدَهُ أَقُولُ فَلَا أَقْبِحُ وَ أَرْقُدُ فَاتَّصَبِحُ وَ أَشْرَبُ فَاتَّقَمَّحُ أُمُّ أَبِي زُرْعٍ فَمَا أُمُّ أَبِي زُرْعٍ عَكُومُهَا رَدَاخٌ وَ بَيْتُهَا فَسَاخٌ ، ابْنُ أَبِي زُرْعٍ فَمَا ابْنُ أَبِي زُرْعٍ مَضْجَعُهُ كَمَسَلِ شَطْبَةٍ وَ تُشْبِعُهُ ذِرَاعُ الْجَفْرَةِ . بِنْتُ أَبِي زُرْعٍ فَمَا بِنْتُ أَبِي زُرْعٍ طَوْعُ أَبِيهَا وَ طَوْعُ أُمِّهَا وَ مِلُّ كِسَائِهَا وَ غَيْظُ جَارَتِهَا جَارِيَةُ أَبِي زُرْعٍ فَمَا جَارِيَةُ أَبِي زُرْعٍ لَا تَبْتُ حَلِيثًا تَبِيثًا وَ لَا تَنْقُتُ مِيرْتَنَا تَنْقِيئًا وَ لَا تَمْلَأُ بَيْتًا تَغْشِيئًا . قَالَتْ خَرَجَ أَبُو زُرْعٍ وَالْأَوْطَابُ تَمَغْضُ فَلَقِيَ امْرَأَةً مَعَهَا وَلَدَانِ لَهَا كَالْفَهْدَيْنِ يَلْعَبَانِ مِنْ تَحْتِ خَصْرِهَا بِرُمَّانَتَيْنِ فَطَلَّقَنِي فَكَحَّهَا

فَنَكَحْتُ بَعْدَهُ رَجُلًا سَرِيًّا رَكِبَ شَرِيًّا وَ أَخَذَ حَظِيًّا وَ أَرَاخَ عَلَيَّ نِعْمًا ثَرِيًّا وَ أَعْطَانِي مِنْ كُلِّ رَائِحَةٍ زَوْجًا وَ قَالَ كَلْبِي أُمُّ زُرْعٍ وَ مِيرِي أَهْلِكِ . فَلَوْ جَمَعْتُ كُلَّ شَيْءٍ أَعْطَانِيهِ مَا بَلَغَ أَصْغَرَ انِّيَةِ أَبِي زُرْعٍ قَالَتْ عَائِشَةُ فَقَالَ لِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُنْتُ لَكَ كَأَبِي زُرْعٍ لِأُمِّ زُرْعٍ -

ترجمہ : گیارہویں عورت ام زرعہ نے کہا کہ میرا خاوند ابو زرع تھا۔ ابو زرع کی کیا تعریف کروں، زیوروں سے میرے کان جھکا دیئے (اور کھلا کھلا کر) چربی سے میرے بازو پر کر دیئے مجھے ایسا خوش و خرم رکھا کہ میں خود پسندی اور عجب میں اپنے آپ کو بھلی لگنے لگی، مجھے اس نے ایک ایسے غریب گھرانے میں پایا تھا، جو بڑی تنگی کے ساتھ چند بکریوں پر گزر کرتے تھے اور وہاں سے ایسے خوش حال خاندان میں لے آیا جن کے یہاں گھوڑے اونٹ کھیتی کا بیل اور کسان (ہر قسم کی ثروت موجود تھی) (اس سب کے علاوہ اُس کی خوش خلقی کہ) میری کسی بات پر بھی مجھے برا نہیں کہتا تھا۔ میں دن چڑھے تک سوتی رہتی تو کوئی جگا نہیں سکتا تھا۔ کھانے پینے میں ایسی ہی وسعت کہ میں سیر ہو کر چھوڑ دیتی تھی (اور ختم نہ ہوتا تھا) ابو زرع کی ماں، (میری خوشدامن) بھلا اس کی کیا تعریف کروں، اس کے بڑے بڑے برتن ہمیشہ بھر پور رہتے تھے، اس کا مکان نہایت وسیع تھا (یعنی مالدار بھی تھی اور عورتوں کی عادت کے موافق بخیل بھی نہیں تھی، اس لئے کہ مکان کی وسعت سے مہمانوں کی کثرت مراد لی جاتی ہے) ابو زرع کا بیٹا بھلا اس کا کیا کہنا وہ نوڑ علی نور ایسا پتلا دُبلا چھریرے بدن کا اس کے سونے کا حصہ (یعنی پسلی وغیرہ) ستی ہوئی ٹہنی یا ستی ہوئی تلوار کی طرح سے باریک، بکری کے بچے کا ایک دست اس کے پیٹ بھرنے کے لئے کافی۔ یعنی بہادر کہ سونے کے لئے لمبے چوڑے انتظامات کی ضرورت نہ تھی، سپاہیانہ زندگی ذرا سی جگہ میں تھوڑا بہت لیٹ لیا، اسی طرح کھانے میں بھی مختصر مگر بہادری کے مناسب گوشت کے دو چار ٹکڑے اس کی غذا تھی۔ ابو زرع کی بیٹی بھلا اس کی کیا بات، ماں کی تابع دار، باپ کی فرماں بردار، موٹی تازی سوکن کی جلن تھی (یعنی سوکن کو اس کے کمالات سے جلن پیدا ہو۔ عرب میں مرد کے چھریرا ہونا اور عورت کے لئے موٹی تازی ہونا ممدوح شمار کیا جاتا ہے)

ابوزرع کی باندی کا بھی کمال کیا بتاؤں، ہمارے گھر کی بات کبھی بھی باہر جا کر نہ کہتی تھی، کھانے تک کی چیز بھی بے اجازت خرچ نہ کرتی تھی، گھر میں کوڑ کباڑ نہیں ہونے دیتی، مکان کو صاف شفاف رکھتی تھی، ہماری یہ حالت تھی کہ لطف سے دن گزر رہے تھے کہ ایک دن صبح کے وقت جب دودھ کے برتن بلوئے جا رہے تھے، ابوزرع گھر سے نکلا راستہ میں ایک عورت پڑی ہوئی ملی، جس کی کمر کے نیچے چیتے جیسے دو بچے اناروں سے کھیل رہے تھے (چیتے کے ساتھ تشبیہ کھیل کود اور اناروں سے یا تو حقیقتہً انار مراد ہیں کہ ان کو لڑھکا کر کھیل رہے تھے، یادو اناروں سے اس عورت کے دونوں پستان مراد ہیں) پس وہ کچھ ایسی پسند آئی کہ مجھے طلاق دیدی اور اس سے نکاح کر لیا (طلاق اس لئے دی کہ سوکن ہونے کی وجہ سے اس کو رنج نہ ہو اور اس کی وجہ سے مجھے طلاق دیدینے سے اس کے دل میں ابوزرع کی وقعت ہو جائے) ایک روایت میں ہے، اس سے نکاح کر لیا نکاح کے بعد وہ مجھے طلاق دینے پر اصرار کرتی رہی، آخر مجھے طلاق دے دی۔ اس کے بعد میں نے ایک اور سردار شریف آدمی سے نکاح کر لیا جو شہسوار ہے اور سپہ گر ہے، اس نے مجھے بڑی نعمتیں دیں اور ہر قسم کے جانور اونٹ گائے بکری وغیرہ وغیرہ ہر چیز میں سے ایک ایک جوڑا مجھے دیا اور یہ بھی کہا کہ ام زرع خود بھی کھا اور اپنے میکہ میں جو چاہے بھیج دے، لیکن بات یہ ہے کہ اگر میں اس کی ساری عطاؤں کو جمع کروں تب بھی ابوزرع کی چھوٹی سے چھوٹی عطا کے برابر نہیں ہو سکتی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے یہ قصہ سنا کر مجھ سے یہ ارشاد فرمایا کہ میں بھی تیرے لئے ایسا ہی ہوں، جیسا کہ ابوزرع ام زرع کے واسطے۔

قانونِ نحوی :

قالت الحادية عشرة! دونوں جزء مؤنث ہیں اور یہی نسخ صحیح ہے اور اصول کے مطابق ہے بعض نسخوں میں جزء اول کی تذکیر اور ثانی کی تانیث یعنی الحادی عشرة اور بعض میں اس کے بالعکس مذکور ہے اور یہ دونوں اصول عربیت کے خلاف ہیں لہذا تقریر فی علم العربیة من انه يقال الحادی عشر فی المذکر بتذکیر الجزئین والحادیة

عشرة في المؤنث بتأنيث الجزأين۔ (مواہب ص ۱۹۱)

(کیونکہ علوم عربیہ (صرف نحو) میں یہ ثابت اور مقرر ہو چکا ہے کہ مذکر میں الحادی عشر دونوں جز کی تذکیر کے ساتھ پڑھا جائے گا اور مؤنث میں الحادیۃ عشرۃ دونوں جز مؤنث ہوں گے)

وجہ تسمیہ حدیث :

اس حدیث کا نام بھی حدیثِ اُم زرع مشہور ہے۔ بعض محدثین نے علیحدہ رسالہ کی صورت میں بھی یہ حدیث نقل کی ہے۔ زوجی ابو زرع میرے خاوند کا نام ابو زرع تھا، چونکہ گیارہویں خاتون کا شوہر مالدار تھا، کھیتی باڑی اور کافی صاحب جائیداد تھا، انہارو باغات کا مالک تھا۔ گھوڑے اور اونٹ، بھیڑ بکریاں بھی کثیر تعداد میں اس کی مملوک تھیں۔ محلات و مکانات بھی تھے اور اللہ نے اولاد بھی عنایت فرمائی تھی۔ اس لئے ابو زرع کہنے میں ایک خاص لطافت ہے۔ شیخ احمد عبدالجواد الدومی فرماتے ہیں، کنایۃ عن کثرة زرعه و وفرة نعمه و یحتمل ان یکون الزرع بمعنی الولد (اتحافات ص ۳۰۳) (کہ ابو زرع کھیتی باڑی اور کثرتِ نعمت و جائیداد سے کنایہ ہے اور یہ بھی احتمال ہے کہ زرع بمعنی اولاد کے ہو) یعنی کثیر الاولاد بھی تھے) شیخ ابراہیم البجوری ابو زرع کی توجیہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں :

کنتہ بذلک لکثرة زرعه کما يدل عليه ما زاده الطبرانی من قولها صاحب نعم و زرع و یحتمل انها کنتہ بذلک تفاؤلا بکثرة اولاده (مواہب ص ۱۹۱) (اس کی بیوی نے اس کو بوجہ کثرت کھیتی باڑی اور باغات کے ابو زرع کے کنیت سے موصوف کیا جیسے کہ اس پر طبرانی کی روایت میں اس کی بیوی کے اس قول کی زیادتی ہے کہ وہ جانوروں کھیتوں اور باغات کے مالک ہیں اور یہ بھی احتمال ہے کہ بطور تفاؤل اور نیک فالی کثرت اولاد سے کنایہ بیان کیا ہو)

استفہام برائے تعظیم و تفضیم :

وما ابو زرع یہاں ما استفہامیہ ہے بمعنی تونلیم کے، مبتدا واقع ہے اور اس

کے مابعد خبر ہے۔ فما استفهامیة بمعنى التعظیم مبتداءً و مابعدہ خبرہ من قبیل الحاقۃ ما الحاقۃ۔ (مناوی ج ۲ ص ۶۶) و ما ابو ذر ع کی طرح استفہامیہ کلام تعظیم و تفخیم کے لئے ہوتا ہے۔ قرآن میں بھی اس کی مثالیں موجود ہیں۔ و ما ادراک مالیلۃ القدر (سورۃ قدر) (تجھے کیا خبر کہ لیلۃ القدر کیا ہوتی ہے)

لفظِ اناس اور حلی کا معنی و تشریح :

اناس من حلی اذنی : اناس ، اقام کے وزن پر ہے۔ النوس سے ماخوذ ہے۔ وهو التحریک الشی متدلیاً (جمع ج ۲ ص ۶۶) (کسی چیز کو ناز و نخرہ کر کے حرکت دینا) اناسہ ای حر کہ غیرہ ای ائقل باب افعال سے بمعنی لٹکانے اور جھکانے کے۔ حلی اسم جنس ہے بمعنی زیور یا حلیہ کی جمع ہے، بمعنی زیور کے وہی الصیغۃ للزینۃ اور تنوین تنکیر، تعظیم کے لئے ہے اور اسی میں بلاغت پنہاں ہے والتنکیر للتعظیم (جمع ج ۲ ص ۶۶) (اور حلی کی تنکیر تعظیم کے لئے ہے) و فیہ البلاغۃ مالا یخفی (مناوی ج ۲ ص ۶۶) (اور اس میں بے تحاشا بلاغت مخفی ہے)

ام زرع بتانا چاہتی ہے کہ میرے شوہر مالدار بھی ہیں اور مجھ پر مہربان اور شفیق بھی اس نے مجھے سونے کے اس قدر زیورات پہنائے کہ اس کے بوجھ نے میرے کانوں کو جھکا دیا اور لٹکا دیا۔ وهذا التعبیر یفید عظم الحلیۃ التی وضعت فی اذنیہا (اتحافات: ۲۰۳) (اور ان الفاظ سے تعبیر کرنا اس کے کانوں میں پہنے ہوئے زیورات کا بھاری اور قدر و قیمت والے ہونے کا فائدہ دے رہے ہیں)

بازوؤں کے موٹاپے کا ذکر :

وملا من شحم عضدی ، من ، تعلیلیہ ہے یعنی عمدہ کھانوں، بہترین غذاؤں اور میرے لئے کھانے کھلانے کے خصوصی اہتمام نے میرے بازوؤں کو موٹا کر دیا۔ اس طرف بھی اشارہ ہے کہ میرے زوج کی معیشت بہت عمدہ ہے، فقط عضدین کے ذکر پر اکتفا کیا ، لان سمنہما دلالة علی سمن الجسم (اتحافات ص ۲۰۳) (اس لئے کہ بازوؤں کا

موٹاپن جسم کے موٹاپے پر دلالت کرتا ہے و ممکن ان یكون كناية عن قوة يديها و سائر بدنها او كناية عن حسن حالها و طيب معاشرته ايها (جمع ج ۲ ص ۶۶) (اور یہ بھی ممکن ہے کہ ملامن شحم عضدی ہاتھوں اور باقی بدن کی زور و قوت سے کنایہ ہو یا اس کی خوشحالی اور خاوند کے اچھے برتاؤ سے کنایہ ہو)

زوجہ کو انتہا درجہ خوش کر دیا :

و بجحني فبجحت آلى نفسي: اس نے مجھے اس قدر خوش کر دیا، ای فرحنی و قبل عظمني (مناوی ج ۲ ص ۶۷) کہ میں خوش ہو گئی۔ اس نے مجھے اس قدر عظمت دلائی کہ میں خود کو عظیم محسوس کرنے لگی۔ ای فرحنی ففرحت او عظمني فعظمت نفسي عنده (مناوی ج ۲ ص ۶۷) (مجھے اتنی قدر و عزت دی کہ میں خود کو بڑی معزز سمجھنے لگی) شیخ احمد عبدالجواد الدومی لکھتے ہیں، ای عظمني، فعظمت عنه نفسي و قال الشاعر.....

وما الفقر من أرض العشيرة ساقنا إلیک و لکنا بقرباک نبجح

(اتحافات ص ۳۰۳)

(اور مجھے اپنے خاندان و قبیلہ اور وطن سے تیری طرف فقر و غربت نہیں لائی لیکن تیری قربت اور نزدیکی میں خوشی اور بڑا اپنا نصیب ہوا)

غریب خاندان سے اٹھا کر مالداروں میں جگہ دی :

وجلنی فی اهل غنیمۃ بشق، غنم بکری کو کہتے ہیں۔ غنیمۃ اس سے تصغیر ہے اور تصغیر تقلیل کے لئے ہے۔ ای التصغیر للتقلیل ای اهل غنم قليلة (مواہب ص ۱۹۲) شق کے تین معانی نقل ہوئے ہیں (۱) خاص مقام یعنی معین جگہ کا نام (۲) دامن کوہ یا کنارہ پہاڑ (۳) اگر بکسر الشین ہو تو بمعنی مشقت ہے، فتح شین کے ساتھ پڑھیں تو پہلے دونوں معانی مراد ہیں، وهو المعروف لاهل اللغة. (مواہب ص ۱۹۶) اور شین کسرہ کے ساتھ پڑھیں تو تیسرا معنی مراد ہے، وهو المعروف لاهل الحدیث (مواہب ص ۱۹۲)

گیارہویں خاتون بتانا چاہتی ہے کہ میں ایک غریب و فقیر خاندان سے ہوں اور

میرے والدین معمولی حیثیت کے لوگ تھے، جن کا گذر اوقات محض تھوڑی بکریوں پر ہوا کرتا تھا۔ فجعلنی فی اہل صہیل و اطیط و دائس و منق، پھر میرا شوہر مجھے ایسے لوگوں میں لے آیا، جو گھوڑوں والے اونٹوں والے تھے، اناج گاہنے والے اور اسے صاف کرنے والے تھے، مراد خوش حال اور متمول لوگ ہیں۔ صہیل گھوڑے کے ہنہانے کی آواز کو کہتے ہیں، ہو صوت الخیل، اطیط اونٹوں کی آواز کو کہتے ہیں ہو صوت الابل ارادت انہا كانت فی اہل قلة فنقلها الی اہل كثرة و ثروة لان اہل الخیل والابل اعظم و اشرف من اہل الغنم (مناوی ج ۲ ص ۶۷) (ام زرع کا مطلب یہ ہے کہ میں معاشی طور پر تنگ دست غریب گھرانے سے تعلق رکھتی تھی تو ابو زرع نے بہت مالدار اور خوشحال گھرانے میں مجھے نقل کر دیا اس لئے کہ گھوڑوں اور اونٹوں والے عرف میں بکریوں والوں سے معزز اور شریف شمار ہوتے ہیں)

دائس: اسم فاعل ہے، اس سے مصدر دوس داسا اور دیاسة آتا ہے، معنی خرمن کو پاؤں سے روند کر دانے نکالنا، اگر دائس سے مراد بیل ہے تو پھر صہیل پر عطف ہے اور اگر مراد وہ لوگ ہیں جو بیلوں کو ہانکتے اور ان کے بازوؤں سے دانے نکلواتے ہیں تو پھر فی کے تحت آئے گا اور اہل پر عطف ہوگا۔

منق: تنقیة سے ماخوذ ہے، بمعنی اناج کو صاف کرنا اور کھانے کے قابل بنانا یا نقیق سے ماخوذ ہے بمعنی مرغی کا ذبح ہونے کے وقت آواز نکالنا..... فالصحيح انه من التقية فهو الذي ينقى الحب و يصلحه و ينظفه من التبن و غيره بعد اللوس بغربال و غيره و هذا المعنى هو المناسب في المقام..... و قيل الاولى تفسیر المنق بنابح الطير لانه عند ذبحه ينق فيصير هو ذا نقيق اى جعلنى من اهل ذابحى الطير و طاعمى لحومها (جمع ج ۲ ص ۶۷)

پہلے معنی کی صورت میں خاتون یہی بتانا چاہتی ہے کہ مجھے میرے شوہر نے زراعت پیشہ خاندان میں جگہ دی ہے، جو اناج کو صاف کر کے کھاتے ہیں، جن کے مال کثیر ہیں، جن کی نعمتیں بہت ہیں، جن کے احوال قابل رشک ہیں، دوسرے معنی کی مراد بھی یہی

محبوبِ خدا ﷺ کی درُ باادائیں -----
 ہے کہ مجھے اس نے ان لوگوں میں جگہ دی ہے جو پرندوں کو ذبح کر کے ان کا گوشت کھانے
 والے ہیں، یہ کنایہ ہے اس بات سے کہ اس کا شوہر مرغیوں اور جنگلی پرندوں کے گوشت
 سے اس کی تربیت کرتا ہے، گویا وہ عمدہ گوشت کھانے اور کھلانے والے خوشحال لوگ ہیں۔

زوج اور سسرال کے عمدہ اخلاق :

فعندہ شوہر اور اس کے خاندان کے عمدہ اخلاق کی تعریف کرتے ہوئے
 کہتی ہے کہ جب میں ان کے سامنے بات کرتی ہوں تو میری کرامت و اکرام اور عزت
 افزائی کے پیش نظر میری کسی بات کا وہ برا نہیں مناتے۔ فلا انسب الی تقبیح شئی من
 الافعال (جمع ج ۲ ص ۶۸) وہ میرے ذاتی اعزاز کے پیش نظر میری کسی بات کو رد نہیں کرتے
 کہ میرا کلام انہیں پسند ہے اور میری ہر ادا اور ہر بات سے اُن کی محبت ہے، جیسا کہ حدیث
 میں بھی آیا ہے، لا تقبحوا الوجوه ای لا تقولوا قبح اللہ وجہ فلان (جمع ج ۲ ص ۶۷)
 (تم چہروں کی قباحت نہ کیا کرو یعنی یہ نہ کہا کرو کہ اللہ تعالیٰ فلاں کی چہرے کو قبیح کر دے)
 وارقد ناصبح ، بعض نسخوں میں ارقد کی جگہ انام آیا ہے، تصبح ، تفعل
 کے باب سے ہے۔ یعنی صبح کو اٹھنا جب خوب دن چڑھ آئے یعنی میں اپنی مرضی سے سوتی
 اور اپنی مرضی سے اُٹھتی ہوں، سو جاتی ہوں، تو میرے آرام و راحت کے پیش نظر مجھے نیند
 سے نہیں اٹھایا جاتا، کوئی خدمت اور کام مجھ سے نہیں لیا جاتا کہ ان کے پاس کام کرنے
 والے خدم و حشم پہلے سے موجود ہوتے ہیں، تو میری خدمت اور ضرورت انہیں محسوس ہی
 نہیں ہوتی۔

واشرب فاتقمح، جب میں کوئی مشروب (نبیذ، دودھ، شربت، ٹھنڈا پانی) پیتی
 ہوں تو خوب سیر ہو کر پیتی ہوں یعنی جب سیر ہو جاتی ہوں، تب اسے چھوڑتی ہوں۔ ملا علی
 قاری فرماتے ہیں، والمعنی لا انا لم منه لا من حیث المرقد ولا من حیث الماکل
 والمشرب (جمع ج ۲ ص ۶۸) (مطلب یہ کہ کھانے پینے اور سونے میں مجھے ابوزرع کی
 طرف سے کوئی مشکل اور تکلیف درپیش نہیں ہوتی) باقی رہی یہ بات کہ پینے کا ذکر کیا
 اور کھانے کا ذکر نہ کیا، تو ظاہر ہے کہ پینا، کھانے کے بعد ہوتا ہے، جب پینے میں یہ اکرام

ہے تو کھانے میں تو لامحالہ ہوگا، انما لم تذکر الاکل اما اکتفاء او لان الشرب متفرع علیہ اولانہ قد علم مما سبق (جمع ج ۲ ص ۶۸) (ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ کھانے کا تذکرہ یہاں نہیں کیا گیا یا تو اشرب فاتقمح پر اکتفاء کیا) کہ پینے کے ذکر سے اکتفاء کیا گیا) اور یا اس لئے کہ پینا تو کھانے پر متفرع ہے (یعنی پینا تو کھانے کے بعد ہی ہوتا ہے) یا پھر یہ سابقہ کلام سے پہلے ہی معلوم ہو چکا ہے)

ام ابی زرع کے احوال :

اب تک تو ام زرع نے اپنے خاوند کے حالات و صفات بیان کئے۔ اب خاندان کے دیگر افراد کا حال بیان کرتی ہوئی سب سے پہلے اپنی ساس کی توصیف بیان کرتی ہیں۔ ام ابی زرع فما ام ابی زرع : ابو زرع کی ماں یعنی میری ساس کا کیا کہئے؟ میں تمہیں بتاؤں کہ اس کا کیا مقام ہے، مالدار، کشادہ حالی و وسعت مال و دار، کیا کیا نعمتوں سے اللہ نے نوازا ہے۔ عموماً ہوتا یہ ہے کہ خواتین اپنی ساس کی صفت اور مدح کم بیان کرتی ہیں، مگر یہاں تو بات ہی کچھ اور ہے، اعلاماً بانہا فی نہایۃ حسن الخلق و کمال الانصاف (مناوی ج ۲ ص ۶۸) (یہ بتلانا چاہتی ہے کہ میری ساس انتہائی بااخلاق اور کامل انصاف والی عورت ہے)

عکومہا رداح ! عکوم ، عکم کی جمع ہے سامان رکھنے کے برتن کو کہتے ہیں، وہی اوعیۃ المتاع (اتحافات: ص ۳۰۳) و قیل نمط تجعل فیہ النساء ذخائرہا (مناوی ج ۲ ص ۶۸) (اور بعض کہتے ہیں کہ یہ ایک خاص قسم کی ٹوکری جس میں عورتیں اپنے سامان وغیرہ محفوظ کرتی ہیں) رداح بڑے بھاری اور زیادہ برتنوں کو کہتے ہیں، عظیمۃ ثقیلۃ کثیرۃ (مناوی ج ۲ ص ۶۸) یعنی میرے ساس کے گھر کے برتن بڑے کشادہ اور وسیع ہیں، جن میں اناج اور کھانے پینے کی اشیاء ہر وقت وافر مقدار میں موجود رہتے ہیں۔ سو بیتھا فساح اس کا گھر بھی کشادہ اور صحن بڑا وسیع ہے، ای فسیح کطویل و طوال (مناوی ج ۲ ص ۶۸) قرآن میں بھی اسی معنی میں استعمال ہوا ہے، فافسحوا یفسح اللہ لکم وفی معناه حدیث خیر المجالہ " ای اوسعها۔ (مناوی ج ۲ ص ۶۸)

محبوب خدا ﷺ کی دلربا ادائیں -----
 (کشادگی کرو اللہ تعالیٰ تمہیں کشادگی نصیب کرے گا اور اسی معنی میں یہ حدیث ہے کہ اچھی مجالس (نشستیں) وہ جو وسیع اور کشادہ ہوں) یہ اس کی ساس کی دولت ثروت، کثرت نعمت اور کثیر اہل خدمت کے وجود کی دلیل بھی ہے، و ذلك دليل على الثروة و كثرة النعمة (جمع ج ۲ ص ۶۹)

شوہر کی پہلی بیوی سے بیٹے کا ذکر :

ابن ابی زرع و ما ابن ابی زرع..... مسلّ : سلول سے ہے نصر کے باب سے آتا ہے بمعنی کھینچنے اور پھیلنے اور صاف کرنے کے۔ شطبة: کا معنی تراشی ہوئی شاخ، یعنی ابن ابی زرع کا بدن ہلکا پتلا اور چھریا ہے، جو عرب کے عرف عام میں پسندیدہ ہے، جو سونے کے وقت بہت ہی کم جگہ گھیرتا ہے۔ شیخ احمد عبدالجواد الدومی لکھتے ہیں، ہی جریدة النخل الرطبة ای مکان نومہ خفیف لطیف نظیف (اتحافات ص ۳۰۴) شطبة کا معنی کھجور کی شاخ، کھجور کی شاخ کو جب کھینچا جائے تو وہ مناسب نشان ڈالتی ہے اور بالکل صاف نشان پڑتا ہے۔ مقصد یہ ہے کہ اس کے بستر پر سلوٹ نہیں پڑتی یعنی وہ مغلوب النوم نہیں ہے، بلکہ اس کا سونا مہذب ہے۔ یا مسل: ظرف مکان ہے اور شطبة کا معنی تلوار، ابن ابی زرع کا بدن میان سے نکلی ہوئی تلوار کی طرح صاف، ستھرا، پاکیزہ، باریک اور چمکدار ہے۔ اس کے سونے کی جگہ مثل مقام سلول تلوار کے ہے یا نیام سیف کی طرح قلیل ہے اور ہوشیار ہے کہ غافلوں کی طرح چت نہیں لیٹتا کہ بہت سی جگہ گھیر کر سو جائے۔

وتشبعه فراع الجفرة، الجفرة: بکری یا بھیڑ کا چھوٹا بچہ جس کی عمر چار ماہ ہو اور جس کی کوکھیں شبع کی وجہ سے پُر ہوں۔ ولد الشاة اذا عظم واستكروش (مواہب: ص ۱۹۳) أنشی ولد المعز و قيل الضان اذا بلغت اربعة اشهر و فصلت عن امها و قد مدحته بقلة الأكل (اتحافات ص ۳۰۴) (الجفرة کا معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ یہ بکری یا بھیڑ کا چھوٹا بچہ جو چار ماہ کی عمر کو پہنچ جائے اور ماں کے دودھ سے جدا کر دیا جائے

گویا ابن ابی زرع کے تھوڑے کھانے کی تعریف کی ہے) یعنی ابن ابی ذرع قلیل الاکل ہے، کھانا بہت کم کھاتا ہے، مگر کھاتا عمدہ ہے، چھوٹا گوشت اور وہ بھی پائے کا، فهو قلیل الاکل او قلیل اللحم و هو محمود شرعاً و عرفاً لاسیما عند العرب (جمع ج ۲ ص ۶۹) (گویا وہ تھوڑے کھانے والا ہے یا موٹا نہیں ہے اور یہ شرعاً اور عرفاً قابل تعریف ہیں خصوصاً اہل عرب کے نزدیک)

بنتِ ابی زرع کا وصف :

بنت ابی زرع گیارہویں خاتون بیٹی کی توصیف کے بعد اب بیٹی کی صفت بیان کرتی ہیں فما بنت ابی زرع اس بات سے کنایہ ہے کہ ان کی بیٹی بھی ایک عظیم انسان ہے، ای ہی شی عظیم فالمقصود بالاستفهام التعظیم (مواہب ص ۱۹۳) طوع ابیہا الخ، طوع مصدر ہے بمعنی اسم فاعل کے یعنی ماں باپ کی مکمل فرمانبرداری ہے، ای مطیعة لابیہا و مطیعة لامہا غایة الاطاعة (مواہب ص ۱۹۳) طوع ابیہا وامہا کہنے کے بجائے لفظ طوع کو امہا کے ساتھ مستقل ذکر کر کے اس طرف اشارہ ہے کہ وہ والدین میں ہر ایک کی مستقلاً فرمانبرداری کرتی ہے۔ اشارۃ الی ان طاعة کل مستقلة (مواہب: ۱۹۳) ملاء کسائہا: کساء کا لغوی معنی چادر اور کمبل ہے، یعنی کمبل کو بھر دینے والی ہے، گویا بھرے اور گداز جسم والی ہے اور عرب معاشرے میں عورت کے لئے بھرا جسم محمود و مدوح اور پسندیدہ ہے کنایۃ عن ضخامتها و سمنها و امتلاء جسمها و کثرة شحمها ولحمها وهو مطلوب فی النساء (جمع ج ۲ ص ۷۹) وغیظ جارتہا، وہ اپنے پڑوسنوں کو غصہ اور غضب دلانے والی ہے۔ ایسی حسین متوازی جسم عمدہ اخلاق کریمانہ صفات کی مالکہ کہ اس کی پڑوسنیں اس سے حسد کرنے لگتی ہیں والمعنی انہا محسودة لجارتہا و انہا لحسنہا صورة وسيرة تغیظ جارتہا (جمع ج ۲ ص ۷۰) بعض شارحین نے یہاں جارة سے مراد سوکن بھی لیا ہے، والمراد منها ضرثہا و سمیت جارة للمجاورة بین الضرتین غالباً (مواہب: ۱۹۳)

ابوزرع کی لونڈی کی صفت :

اب امّ زرع اپنے سسرال کی لونڈی کا ذکر کرتی ہیں، جاریۃ ابی زرع : یہاں پر جاریۃ بمعنی 'مملوکہ کے ہے کہ ابوزرع کی لونڈی کے کیا کہتے وہ بھی بھلے مانس' شریف اور حیا دار و عزت دار خاتون ہے۔ لا تبث حدیثنا، وہ ہماری باتوں کا ہمارے خاندانی امور کا اور گھریلو رازداریوں کا افشاء نہیں کرتی، وہ عام خواتین کی طرح بات سے بتنگڑ نہیں بناتی، نہ آگ لگاتی ہے اور نہ ناچاقیاں پیدا کرتی ہے، ای لا تنشر ولا تظہر ولا تذیع ولا تشیع (جمع ج ۲ ص ۷۰) تبثنا : مصدر من غیر بابہ ہے ما قبل کی تاکید کے لئے آیا ہے، جیسے قرآن میں ہے، وَتَبَثُّلُ إِلَيْهِ تَبَثُّلًا (مزل: ۸) (اور منقطع ہو جا اس کی طرف منقطع ہو کر)

ولا تنقث میرتنا تنقیثاً: نقث بمعنی تقسیم کرنے، پھیلانے اور بکھیرنے کے آتا ہے۔ میرۃ اناج و طعام کو کہتے ہیں کہ ہماری لونڈی دیگر خواتین کی طرح گھر کا اناج لے کر بازاروں میں فروخت کر کے اسے ضائع نہیں کرتی یا بقدر ضرورت لے کر تقاضوں کی تکمیل کرتی ہے، ڈنڈی نہیں مارتی، چورنی نہیں کرتی، تنقیثاً یہ مصدر من غیر بابہ یا من غیر لفظہ کے قبیل سے ہے۔ تاکیداً و مبالغۃ فی وصفها بالامانة والديانة والصيانة (جمع ج ۲ ص ۷۰) (تنقیثاً مصدر برائے تاکید ہے اور ابوزرع کی لونڈی کی وصف امانت دیانت اور حفاظت میں مبالغہ کے اظہار کے لئے ہے)

ولا تملأ بیتنا تغشيشاً: وہ ہمارے گھر کو پرندوں کے گھونسلوں کی طرح کھانس پھونس اور تنکوں سے نہیں بھرتی، یعنی صفائی پسند ہے، ای انہا مہتممة بتطيفه والقاء کناستہ (اتحافات ص ۳۰۲) (کہ وہ صفائی کا پورا اہتمام کرتی ہے اور کوڑا کرکٹ کو (باہر) ڈالتی ہے)

ابوزرع کی ایک حسین خاتون سے ملاقات :

قالت خرج ابوزرع: اب تک تو امّ زرع نے ابوزرع کے اپنے اور ان کے خاندان کے افراد حتی کہ ان کی لونڈیوں تک کے حالات اور صفات بیان کئے۔ اب یہاں

سے اپنی سرگذشت کا باقی حصہ بیان کرتی ہیں کہ ابو زرع ایک روز گھر سے سفر کے لئے نکلے، والاوطاب تمخض، اوطاب جمع ہے، اس کی مفرد وطب آتی ہے، جس کا لفظی معنی مشک یا مشکیزہ ہے، جس میں دودھ رکھا اور بلویا جاتا ہے وہی انیۃ اللبن (اتحافات ص ۳۰۴) (لفظ تمخض صیغہ مجہول ہے یعنی مشکیزہ کو حرکت دی گئی دودھ سے مکھن نکالنے کے لئے) تمخض، مخض سے ہے بمعنی دودھ کو حرکت دے کر مکھن نکالنا و تمخض بالبناء المجهول ای تحرک لاستخراج الزبد من اللبن۔ (مواہب ص ۱۹۴) اسی سے مخاض بھی آیا ہے، دروزہ کو کہتے ہیں جو خواتین کو ہلا کے رکھ دیتا ہے، تمخض الاوطاب کا معنی یہ ہے کہ ابو زرع کے سفر کے لئے خروج کے وقت دودھ کی مشکوں کو ہلایا جاتا تھا تا کہ مکھن اور چھاچھ علیحدہ علیحدہ ہو جائیں۔ یہ دودھ کی کثرت اور مکھن کی کثرت سے کنایہ ہے۔ ابو زرع کا نکلنا صبح کے وقت بھی ہو سکتا ہے اور موسم بہار کا زمانہ بھی مراد ہو سکتا ہے کہ سبزہ زار کی وجہ سے جانور سیر ہوتے ہیں اور دودھ خوب دیتے ہیں اور دونوں معانی بیک وقت بھی مراد ہو سکتے ہیں کہ ابو زرع صبح کے وقت ایک دن موسم بہار میں گھر سے باہر نکلے۔

دو لڑکے کون تھے :

فلقی امرأة معها ولدان لها اس نے ایک ایسی خاتون کے ساتھ ملاقات کی جس کے ساتھ دو لڑکے بھی تھے، کالفہدین وہ دونوں لڑکے چیتوں کی طرح چست و چالاک اور بیدار تھے، مثلها فی الوثوب و اللعب و سرعه الحركة (مواہب ص ۱۹۴) یہاں پر ولدان بمعنی مصاحبان کے ہے۔ اس سے یہ لازم نہیں آتا ہے کہ یہ دونوں لڑکے اس کی اپنی اولاد بھی ہوں، اس لئے تو ولدان لها کہا منہا نہ کہا۔

یلعبان سے مراد کیا ہے ؟

یلعبان : ابو زرع کی اس خاتون سے ملاقات کے وقت یہ دونوں لڑکے اس کی کمر کے نیچے یعنی خاتون کی گودی میں دو اناروں کے ساتھ کھیل رہے تھے۔ خصرها ای وسطها و فی روایۃ من تحت صدرها (جمع ج ۲ ص ۱۷) اس جملے کے دو معانی ہو سکتے

محبوبِ خدا ﷺ کی درُبا دائیں -----
 ہیں، ایک تو حقیقی کہ اس خاتون کے سرین بڑے تھے اور خاصہ (کمر) باریک تھی، اسی
 لئے نیچے سے گویا فجوة تھا جس سے چھوٹے انار آ جاسکتے تھے اور لڑکے حقیقی اناروں سے
 کھیل رہے تھے تعنی انہا ذات کفل عظیم فاذا استلقت علی قفاھا ارتفع
 الکفل بہا من الارض حتی یصیر تحتھا فجوة یجری فیھا الرمان (جمع ج ۲ ص ۱۷) مجازی
 معنی یہ ہو سکتا ہے کہ خاتون کے دونوں پستانوں کو اناروں سے تشبیہ دی گئی ہو اور وہ لڑکے اپنی
 ماں کی حقیقی اولاد ہوں کہ وہ دونوں اپنی ماں کے پستانوں سے کھیل رہے تھے ' وقیل ذات
 ثلین حسنین صغیرین کالرمانین (جمع ج ۲ ص ۱۷) ہر دونوں کی مراد ایک ہی ہے کہ
 وہ خاتون خوبصورت اور حسن و جمال کی پری پیکر تھی ابو زرع نے دیکھا تو دل دے بیٹھا، جیسے
 کہ شیخ احمد عبدالجواد فرماتے ہیں وہی کنایة عن الجمال و قدرغب أبو زرع فیھا
 لنجابتھا و نجابة اولادھا (اتحافات ص ۳۰۴)

ابو زرع نے طلاق دیدی :

فطلقنی نتیجہ یہ ہوا کہ مجھے ابو زرع نے طلاق دیدی اور اس سے نکاح کر لیا
 ۔ اس طلاق دینے کے عمل میں بھی یہ خاتون ابو زرع کی مدح و توصیف کا پہلو نکال رہی ہے
 کہ جب اس کا دل ادھر مائل ہوا تو ظاہر ہے کہ دونوں کو گھر میں رکھنا دونوں کے لئے سوکنیں
 ہونے کی وجہ سے باعث ملال ہوتا، لہذا دونوں کی اور خود ابو زرع کی بہتری اس میں تھی کہ
 مجھے آزاد کر دیتا۔ سو اس نے ایسا ہی کر دیا اور جدید خاتون سے نکاح کر لیا۔

گیارہویں خاتون نے نکاح کر لیا :

ونکحت بعدہ رجلاً، اپنی سرگذشت بیان کرتے ہوئے گیارہویں خاتون کہتی
 ہے کہ جب ابو زرع سے مجھے طلاق مل گئی تو میں نے بھی دوسرے ایک مرد سے نکاح کر لیا۔

زوج ثانی کی توصیف میں کمال :

رجلاً سرباً، جو رجلیت میں کامل اور شرافت و سخاوت کا مجسمہ تھا۔ سرباً ای
 شریفاً و قیل سرباً (جمع ج ۲ ص ۱۷) ای من سرة الناس و اشرفہم (اتحافات ص ۳۰۴) جو

اپنی قوم کا رئیس، آسودہ حال اور مالدار آدمی تھا، جو عمدہ گھوڑوں پر سواری کرتا تھا۔ شریا ای فرساً یمضی بلا فتور ولا انکسار قال ابن السکیت ای فرساً فائقاً جيداً (جمع جہس ۱) (شریا کا معنی گھوڑے کا تیز دوڑنا جس کی چال میں سستی اور ٹوٹاپن نہ ہو ابن سکیت فرماتے ہیں کہ شریا کا معنی عمدہ اور اچھا گھوڑا)

زوجِ ثانی کی بہادری کی توصیف :

و اخذ خطياً، اور وہ بے حد بہادر تھے کہ خطی نیزے استعمال کرتا تھا، خط یمین کے ایک علاقے کا نام ہے، جہاں عمدہ ترین جنگی نیزے تیار ہوتے تھے، گو خطی نیزہ ایک اعلیٰ اور عمدہ قسم کا نیزہ تھا جو ان کے استعمال میں ہوتا تھا، وهو الرمح المنسوب الی النخط قرية بساحل بحر عمان تعمل فیہ الرماح (مواہب ص ۱۹۲) (خطیاً سے مراد وہ نیزہ جو خط بستی (جو بحر عمان کے ساحل پر واقع ہے) کی طرف منسوب ہے اس میں اچھی قسم کے نیزے تیار ہوئے تھے)

حسنِ سلوک :

و اراح علی نعماً ثریا : یہ زوجِ ثانی کے حسنِ سلوک کا بیان ہے کہ اس نے میری بہت دلجوئی کی، نعمتیں عطا کیں اور قسم قسم کے عمدہ جانور عنایت فرمائے، اراح یعنی انہوں نے بعد الزوال مجھے نعمتوں سے مالا مال فرمایا اور نعمتیں بھی کثرت سے اور نوع نوع کی، صاحب اتحافات کے الفاظ اس کے متعلق یہ ہیں ای کان یاتی بالنعیم فی وقت الرواح وهو مابعد الزوال و ثریا ای کثیرة من الثروة وہی کثرة المال (اتحافات ص ۳۰۲)

اراح سے مراد چرنے چگنے والے حیوانات بھی ہو سکتے ہیں۔ قرآن میں یہ لفظ اسی معنی میں آیا ہے۔ حین تریحون و حین تسرحون (النحل: ۶) (جس وقت کہ شام کو چرا کر لاتے ہو اور جب چرانے کو نکالتے ہو) شیخ ابراہیم السجوری فرماتے ہیں او ادخلها علی فی المراح والنعم الابل والبقر والغنم (مواہب ص ۱۹۲) (اور شام کے

محبوب خدا ﷺ کی درُ باادائیں -----
 وقت ان (حیوانات) کو میرے سامنے لائے اور نعم سے مراد اونٹ، بیل، بکریاں مراد
 ہیں)

جانوروں کا جوڑا جوڑا عنایت فرمایا :

واعطانی یعنی احسان و مروت کی بھی اس نے انتہاء کردی اور مجھے ہر جانور کا جوڑا
 جوڑا عنایت فرمایا، راحة، ہر وہ جانور جو شام کے وقت گھر کو لوٹتا ہے، ای من کل
 بهيمة ذاهبة الي بيته في وقت الرواح (وہو ما بعد الزوال) (مواہب ص ۱۹۲) زوجاً
 ای صنفاً او اثنين اثنين مبالغة في الاحسان اليها (اتحافات ص ۳۰۲) زوج بمعنی صنف
 کے قرآن میں آیا ہے، وکنتم ازواجاً ثلاثہ۔

زوجہ کے خاندان کی کفالت کے احسانات :

وقال کلی امّ زرع : پھر زوجِ ثانی نے مجھے کہا یہ مال و دولت، اناج و نعمت اور
 حیوان و انعام سب تمہارے لئے ہیں، خوب مزے لے کر کشادہ دلی سے کھاؤ۔ امّ زرع
 منصوب ہے کلمہ نداء محذوف ہے، نصب علی النداء ای یا امّ زرع (مناوی ج ۲ ص ۷۲)
 (لفظ امّ زرع منصوب بہ نداء ہے اصل میں یا امّ زرع ہوگا) ای کلی ما تشائین۔
 (مواہب ص ۱۹۲) کو میری اہلک، میری امر ہے کیسی و اطعمی (مناوی ج ۲ ص ۷۲)
 یعنی اپنے خاندان، میکے والدین اور رشتہ داروں پر احسان کرو، ان کے پاس بھی فراخ دلی
 سے بھیجو و تفضل علیہم و هو امر من المیرة وھی الطعام الذی یمتارہ الانسان ای
 یجلبہ لاهلہ قال اللہ تعالیٰ و نمیر اهلنا (جمع ج ۲ ص ۷۲) (اپنے خاندان اور رشتہ داروں
 پر احسان کر، لفظ میری یہ صیغہ امر حاضر میرة سے ہے یہ وہ کھانا ہوتا ہے جو کوئی انسان
 اپنے خویش و اقارب کو بھیجتا ہے جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام کے
 بھائیوں کا قول نقل کرتے ہوئے کہ و نمیر اهلنا فرمایا)

دونوں ازواج میں تقابل اور فوقیت ابو زرع :

فلو جمعت کل شی اعطانیہ یہاں سے بطور تلخیص و آخر کلام کے ابو زرع

کے نعمتوں کی کثرت ان کے احسانات کی وسعت اور اس کے کرم و اخلاق اور شفقت و محبت کا بیان کر کے زوجِ ثانی سے اس کا تقابل کرنا چاہتی ہے۔ فلو جمعت... یعنی اگر میں زوجِ ثانی کی تمام نعمتوں و انعامات کو جمع کر کے یکجا کر لوں، ما بلغ..... یہ سب کچھ جمع ہو کر بھی زوجِ اول ابو زرع کے عنایت فرمودہ ایک چھوٹے سے برتن کی مالیت اور عظمت و رفعت کو نہیں پہنچ سکتے۔ ما بلغ اصغر آنية ابی زرع ای قیمتھا او قدر مثلھا (مواہب ص ۱۹۴)

زوجِ ثانی نے مجھے جس قدر بھی عنایات و اکرام سے نوازا ہے یہ بہت کچھ ہے، مگر کچھ ہونے کے باوجود بھی زوجِ اول ابو زرع کی عنایات کی ایک حقیر ترین چیز معمولی سے برتن کی عظمت و مقام کے برابر نہیں ہو سکتے، چہ جائیکہ اس کے عظیم اور کثیر عنایات کا تقابل کیا جائے۔ شیخ ابراہیم البجوری فرماتے ہیں۔ یعنی ان جمیع ما اعطاھا لایساوی اصغر شنی حقیر مما لابی زرع فکیف بکثیرہ و فی ذالک اشارۃ الی قولہم ما الحب الال للحبیب الاول ولذالک کانت السنۃ تزوج البکر وهذا احد وجوہ احبۃ عائشۃ الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ (مواہب ص ۱۹۵)

(یعنی سب کچھ جو زوجِ ثانی نے مجھے دیا ہے وہ ابو زرع کی کسی چھوٹی حقیر چیز کے برابر بھی نہیں ہو سکتا چہ جائیکہ اس کی بڑی بڑی چیزوں اور نعمتوں کے ساتھ اس کی برابری ہو سکتی ہے اور اسی میں عرب کے اس مقولہ کو اشارہ ہے کہ محبت صرف پہلے دوست ہی سے ہوتی ہے اسلئے بہتر اور سنت ہے کہ باکرہ کے ساتھ نکاح کیا جائے اور آپ کی حضرت عائشہ صدیقہ کے ساتھ زیادہ محبت کی وجوہات میں سے ایک وجہ یہ بھی ہے) شیخ احمد عبدالجواد الدومی نے لکھا ہے، وهذا يدل علی وفاتها لزوجها الاول مع تطليقها منه وإنه لخلق نادر فی النساء (اتحافات ص ۳۰۵) (اور یہ اس کی پہلے خاوند کے ساتھ طلاق دینے کے باوجود وفاداری کا ثبوت ہے اور یہ صورت اور برتاؤ عورتوں میں ایک نادر اور نایاب خصلت ہے)

فضیلتِ عائشہ و عظمتِ رسول ﷺ :

قالت عائشہ..... ام المؤمنین حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ جب یہ پورا واقعہ

بیان ہو چکا تو حضور اقدس ﷺ نے مجھے ارشاد فرمایا، کنت لک کابی زرع لامّ زرع میں بھی تمہارے حق میں ایسا ہی ہوں جیسے کہ ابو زرع اپنی بیوی امّ زرع کے حق میں تھا۔ ملا علی قاری فرماتے ہیں ای فی اخذک بکرا و اعطاک کثیرا لا فی الطلاق و الفراق (جمع ج ۲ ص ۷۲) (یعنی تجھے بکرا نکاح کرنے میں اور بہت کچھ تجھ کو دینے میں نہ کہ طلاق دینے اور جدا کرنے میں) تشبیہ جمیع وجوہ میں نہیں، فالتشبیہ لیس من کل وجوہ کما یفید ذلک قولہ لک (مواہب ۱۹۵) (پس یہ تشبیہ من کل الوجوہ نہیں جیسے کہ حضور ﷺ کے فرمان لک سے معلوم ہو رہا ہے) جبکہ طبرانی میں غیر انی لم اطلقک (بغیر اس کے کہ میں نے تجھے طلاق نہیں کہا) کی تصریح ہے اور طبرانی میں یہ اضافہ بھی ہے کہ سیدہ عائشہ نے آپ کے جواب میں عرض کیا: یا رسول اللہ! بل انت خیر من ابی زرع، و من روایة الزبیر: بأبی و أمی، لانت خیر لی من أبی زرع لأمّ زرع (اتحافات ص ۳۰۵) (اے میرے محبوب اور اللہ کے رسول بلکہ تو تو میرے لئے ابو زرع سے بہت اچھا ہے اور حضرت زبیر کی روایت میں ہے کہ میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں البتہ آپ تو بہت بہتر ہیں میرے لئے ابو زرع سے ام زرع کے لئے)

محدثین حضرات نے یہاں یہ بحث بھی کی ہے کہ اصول کی رو سے اس حدیث کا مقام کیا ہے۔ اس پر تو سب کا اتفاق ہے کہ یہ حدیث مرفوع ہے، وجہ ظاہر ہے کہ اس کی سند حضور اقدس ﷺ تک پہنچی ہے، البتہ یہ بات بہر حال واضح نہیں کہ گیارہ خواتین کی یہ حکایت خود حضور اقدس ﷺ نے اپنی زبان مبارک سے ارشاد فرمائی یا کسی نے آپ کی موجودگی میں یہ کہانی سنائی۔

محدثین نے تصریح کی ہے کہ اگر اس قصہ کے راوی خود حضور اقدس ﷺ ہیں تو یہ بذاتہ مرفوع حدیث ہے اور اگر آپ کی موجودگی میں کسی دوسرے صاحب نے یہ قصہ بیان کیا ہے تو یہ مرفوع حدیث کے حکم میں ہے ان التشبیہ المتفق علی رفعہ یقتضی ان یکون النبی صلی اللہ علیہ وسلم سمع القصة و عرفها فاقرها فیکون مرفوعاً کله من هذه الحیثیة (جمع ج ۲ ص ۷۳) (تشبیہ کنت لک کابی زرع لامّ زرع) جو متفق

علیہ مرفوع ہے یہ تقاضا کرتی ہے کہ آپ نے اس قصہ کو سنا بھی اور جانا بھی ہے پھر بھی اس کو برقرار رکھا ہے تو گویا سب حدیث اس حیثیت سے مرفوع ہوئی (البتہ از قسم حدیث تقریری ہوئی)

اخذِ مسائل :

حدیث باب سے اپنے اہل و عیال کے ساتھ حسن معاشرہ سید عائشہؓ کی فضیلت، قصہ گوئی اور ماضی کے واقعات سنانے کے جواز اور مشبہ کا ہر چیز میں مشبہ بہ کے ساتھ مساوی ہونے کی عدم ضرورت اور بغیر تعین شخصیت کے کسی کی برائی بیان کرنا غیبت نہیں اور دیگر بھی بہت سے فوائد حاصل ہوتے ہیں، علامہ مناویؒ گذشتہ مسائل کا تذکرہ ان الفاظ میں فرماتے ہیں وفیہ ندب حسن العشرة للاهل و فضل عائشة و جعل السمر فی خیر کملاطفة حليلة و الاخبار عن الامم الغابرة و ان المشبه لا يعطى له حکم المشبه به من کل وجه لان المصطفى صلی اللہ علیہ وسلم لم يطلق عائشة (مناوی ج ۲ ص ۷۲)

کیا ذکرِ عیوبِ ازواجِ غیبت تھا ؟

باقی رہی یہ بات کہ ان خواتین نے اپنے ازواج کی غیر موجودگی میں ان کے عیوب ظاہر کر کے غیبت کا ارتکاب کیا ہے، پھر وہی عیوب آپ کے سامنے بیان ہوئے، مگر آپ نے نکیر نہ فرمائی یا آپ نے خود نقلِ حکایت کے صورت میں ان کے عیوب بیان فرمائے اور قباحت محسوس نہ فرمائی جو بظاہر غیبت ہے حالانکہ باری تعالیٰ کا حکم ہے لا یغتب بعضکم بعضاً (الحجرات: ۱۲) (تمہارے بعض بعض کی غیبت نہ کریں) شارحین حدیث نے اس کے تفصیل سے جواب دیئے ہیں (۱) بغیر تعین شخصیت کے کسی فرد کی برائی بیان کرنا شرعاً غیبت نہیں ہے، وان ذکر الانسان لابعینها و جماعة كذلك بامر مکروه لیس بغیبة (جمع ج ۲ ص ۷۳) (کسی غیر معین شخص یا جماعت کا تذکرہ کسی غیر مناسب فعل کے ساتھ یہ غیبت نہیں)

نیز شیخ عبدالرؤفؒ لکھتے ہیں، وان ذکر المجهول بما يكره ليس غيبة
 والمراد جهله عند المتكلم والسماع (السنن ج ۲ ص ۷۲) (کسی مجہول شخص کا تذکرہ
 ناپسندیدہ فعل کے ساتھ کرنا غیبت نہیں اور اس سے مراد یہ ہے کہ وہ شخص متکلم اور سماع
 دونوں کو معلوم نہ ہو) شیخ ابراہیم البجوریؒ حدیث باب سے اخذ مسائل کی تفصیل کے ذیل
 میں فرماتے ہیں کہ وجواز ذکر المجهول عند المتكلم والسماع بما يكره فانه ليس
 غيبة غاية الامر ان عائشة ذكرت نساء مجهولات ذكر بعضهن عيوب أزواج
 مجهولين لا يعرفون بأعيانهم ولا بأسمائهم و مثل هذا لا يعد غيبة على انهم كانوا
 من اهل الجاهلية و هم ملحقون بالحريين في علم احترامهم (مواہب ص ۱۹۵)
 (جو شخص متکلم اور سماع کے نزدیک مجہول ہو اس کے کسی ناپسندیدہ کام کرنے کے تذکرے
 سے غیبت لازم نہیں آتی اور یہ جائز بھی ہے زیادہ سے زیادہ قابل اعتراض بات یہ ہوئی کہ
 حضرت عائشہؓ نے ایسی چند مجہول عورتوں کا ذکر کیا جن میں بعض نے اپنے مجہول خاوندوں
 کے کچھ عیوب کا تذکرہ کیا جو نہ خود بذاتہ معلوم ہیں اور نہ کوئی ان کے نام وغیرہ اور اس جیسا
 تذکرہ غیبت شمار نہیں ہوتی اس کے علاوہ وہ زمانہ جاہلیت کے لوگ تھے جو حکماً اہل حرب کی
 طرح غیر محترم ہیں)

=====

خصائل اور شمائل نبوی ﷺ

مولانا عبدالقیوم حقانی

کی علمی اور عظیم تاریخی کاوشیں

صفحہ	نام کتاب	صفحہ
۱۶۰۸	شرح شمائل ترمذی (۳ جلد مکمل)	۱
۲۰۶	جمال محمد ﷺ کا دلربا منظر	۲
۱۵۶	روئے زیبا ﷺ کی تابانیاں	۳
۲۱۰	ماہتابِ نبوت ﷺ کی ضو افشائیاں	۴
۲۰۲	آفتابِ نبوت ﷺ کی ضیاء پاشیاں	۵
۱۹۷	محبوبِ خدا ﷺ کی دلربا ادائیں	۶
۱۸۷	محبوبِ خدا ﷺ کی عبادت و اعتدال	۷
۱۶۶	خصائل نبوی ﷺ کا دلآویز منظر	۸
۱۵۳	شمائل نبوی ﷺ کا ایمان افروز مرقع	۹

القاسم اکیڈمی، جامعہ ابو ہریرہ، برانچ پوسٹ آفس خالق آباد نوشہرہ

فون ویکس ! 630094 --- (0923)630237

القاسم اکیڈمی کی تازہ، عظیم اور شاہکار علمی پیش کش



شرح شمائل ترمذی

(تین جلد مکمل)

ایک عظیم خوشخبری

تصنیف : مولانا عبدالقیوم حقانی

ایک نادر تحفہ

حدیث کی جلیل القدر کتاب شمائل ترمذی کی سہل و دلنشین تشریح، سلجھی ہوئی سلیس تحریر، اکابر علماء دیوبند کے طرز پر تفصیلی درسی شرح، لغوی تحقیق اور مستند حوالہ جات، متعلقہ موضوع پر ٹھوس دلائل و تفصیل، رواد حدیث کا مستند تذکرہ، متنازعہ مسائل پر تحقیق اور قول فیصل، معرکہ الآراء مباحث پر جامع کلام، علماء دیوبند کے مسلک و مزاج کے عین مطابق، جمال محمد ﷺ کا محدثانہ منظر، نہایت تحقیقی تعلیقات اور اضافے، اردو زبان میں پہلی بار منصفہ شہود پر جدید ایڈیشن میں تمام حوالہ جات اور عربی عبارات کا بھی اردو ترجمہ کر دیا گیا ہے۔

صفحات : 1608 ریگزیں قیمت : 750 روپے

القاسم اکیڈمی، جامعہ ابوہریرہ

برانچ پوسٹ آفس خالق آباد، ضلع نوشہرہ سرحد پاکستان

القاسم اکیڈمی کی تازہ ترین عظیم علمی اور فقہی پیش کش

اسلامی آدابِ زندگی

تحریر ! محمد منصور الزمان صدیقی

پیش لفظ ! مولانا عبدالقیوم حقانی

قرآنی تعلیمات، احادیثِ نبوی، عبادات، معاملات، اعمال کے فضائل، بلندیِ اخلاق و خصائل، محبت و اطاعتِ رسول، محرمات سے اجتناب، منہیات کی نشان دہی، فرقِ باطلہ کا تعاقب، ردِّ بدعات، دعوتِ سنت و اتحادِ امت، خدمتِ انسانیت الغرض زندگی کے ہر موڑ پر رہنمائی کے ہدایات سے معمور مہد سے لحد تک اہم ضروری مسائل و احکام، سلیس اور با محاورہ زبان میں ایک مطالعاتی معلم اور محسن کتاب، اپنے موضوعات کے متنوع، تفہیم و تسہیل، افادیت اور تعلیم و تربیت کے حوالے سے ایک لاجواب کتاب۔

صفحات : 938 ریگزین قیمت : 350

القاسم اکیڈمی جامعہ ابو ہریرہ

برانچ پوسٹ آفس خالق آباد، نوشہرہ

عزت القیم قاری کی تصنیفات

